أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

رسالہ

مسئلہ خلافت و جزیرۂ عرب

از

ابو الکلام

جو پہلے خطبۂ صدارت کی صورت میں پراونشیل خلافت کمیٹی بنگال کے زیر اہتمام شائع [illegible] مصنف کی نظر ثانی، مطالب [illegible] کی توضیح [illegible] بیانات کی مزید تفصیل، متعدد [illegible] مباحث [illegible] اصلاح [illegible] زن کی تبدیل کے بعد مکرر شائع کیا جاتا ہے

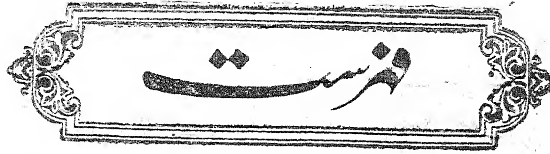
[illegible] زمانے میں اللہ اور اُس کے دین برحق کے لئے سب کچھ کرنا [illegible] تھے [illegible] اتنا بھی نہیں کر [illegible] کے احکام اُس کے غافل بندوں تک پہنچا دو۔ تم کو آرام [illegible] لینا چاہئے جب تک کہ [illegible] لوں تک وہ تمام احکام نہ پہنچا دو جو اس رسالہ [illegible] رج ہیں۔ اور چاہئے کہ اُن میں [illegible] یک کو وصیت کرو کہ اسی طرح دس آدمیوں تک [illegible] ے۔ فلیبلغ الشاھد الغائب، [illegible] الشاھد عسیٰ ان یبلغ من ھو اوعیٰ لہ منہ

البلاغ پریس کلکتہ

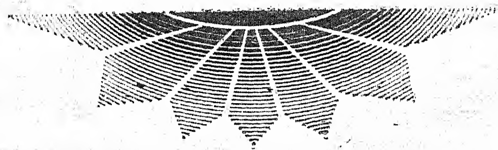
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الم یان للذین امنوا، ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل
من الحق ؟ ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتاب من قبل
فطال علیھم الامد، فقست قلوبھم وکثیر منھم فاسقون (۵۷)

کیا مسلمانون کے لئے اب بھی وہ وقت نہین آیا کہ اُن کے دل
اللہ، اُس کے حکمون کے آگے جھک جائین اور غفلت و نافرمانی
سے باز آئین ؟ اور اُن لوگون کی طرح نہ ہو جائین جو مسلمانون سے پہلے
کی طرح کتاب الٰہی دیگئی تھی (یعنے یہود) لیکن جب ایک بڑی مدت
گزر گئی تو غفلت مین رہتے رہتے اُن کے دل سخت ہو گئے۔ احساس
جاتا رہا غیرت و حمیت مٹ گئی ۔ پہ دلون کی وہ نرمی اور اثر پذیری
نہ رہی جو صدائے حق سنتے ہی چونک اُٹھتی ہے فھل من مدّکر



فہرست



مقدمه

طبع ثانی



الحمد لله وحده - چار مہینے ہوے ' یہ رسالہ خطبۂ صدارت کي صورت میں شائع ہوا تھا - اب مزید تہذیب و ترتیب اور اضافۂ فصول و مطالب کے ساتھہ باردوم شائع کیا جاتا ہے -

پچھلے ایڈیشن سے تقریباً ایک ثلث مطالب اس میں زیادہ ہیں - وہ تقریرکي شکل میں تھا - اس لیے ابواب و فصول منضبط نہ تھے - اب یہ کمي پوري کردي گئی ہے -

اس ایڈیشن کے حسب ذیل اضافات خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ہیں :

(۱) آیۂ کریمہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں تحقیق معني " اولی الامر " جسکي طرف پہلے سرسري اشارہ کیا گیا تھا -

(۲) شرح حدیث حارث اشعري مندرجۂ مسند و ترمذي ' اور نظام و قوام جماعت -

(۳) اشتراط قرشیۃ کا مبحث اب بالکل مکمل و مختتم کردیا گیا ہے - حتی الوسع مسئلہ کا کوئی ضروري پہلو بحث و نظر سے باقی نہیں رہا - پہلے ایڈیشن میں حدیث امامۃ قریش کے بعض طرق وسلاسل غیر ضروري سمجھکر چھوڑ دیے تھے ' لیکن اب اُن پر بھی نظر ڈال لی ہے ' تاکہ بحث بالکل مکمل ہوجاے - دعوئے اجماع پر بھی بعض نئے مباحث ملینگے جو پہلے ایڈیشن میں نہ تھے - امید ہے کہ اصحاب نظر و بصیرۃ کے لیے یہ حصہ خاص طور پر موجب انشراح خاطر ' و رفع اضطراب ' و دفع شکوک و ارتیاب ہوگا -

(۴) مسئلۂ " حمل سلاح علی المسلم " کي طرف پہلے سرسری طور پر اشارہ کردیا تھا - اب ایک مستقل باب بڑھا دیا ہے ' اور اصولی طور پر مسئلہ کے تمام اطراف و جوانب صاف ہوگئے ہیں -

(۵) حکم دفاع کا حصہ بھی پہلے سے زیادہ مشرح و مکمل ہے -

مسئلۂ خلافت تاریخ اسلام کے اُن نہایت نازک اور مزلۂ اقدام مسائل میں سے ہے جو میدان تقاتل و تزاحم سے کہیں زیادہ صفحات کتب اور مجالس بحث و نظر میں معرکۃ الارا رہچکے ہیں ' اور بعض اندرونی فرق و طوائف کی نزاعات اور مختلف عہدوں کے پولیٹکل اثرات کی آمیزش و احاطہ نے مسئلہ کی صاف و سہل الفہم صورت کو طرح طرح کی مشکلوں اور پیچیدگیوں سے غبار آلود کردیا ہے - علی الخصوص نصوص سنت کی تشریح ' بے شمار اور بظاہر مختلف احادیث کی تطبیق و توفیق ' آنکے فقہ و حکم کی معرفت و تحقیق ' اور ہر حکم کو اُسکے صحیح محل پر وارد و محمول کردینے کا معاملہ نہایت غور و فکر اور وسعت نظر و رسوخ علم کا محتاج ہے - فکر کی ذرا سی لغزش اور نظر کی تھوڑی سی کوتاہی بھی نہایت سخت غلطیوں کا موجب ہو جاسکتی ہے -

با ایں ہمہ مسئلہ کی تمام مشکلات جس طرح حل ہوگئی ہیں ' اور ضمناً جابجا متعدد اصولی مسائل و مباحث کی نزاعات قدیمہ کا جسطرح بکلی خاتمہ کردیا گیا ہے ' اُسکا اندازہ صرف وہی اصحاب علم و بصیرۃ کرسکتے ہیں جنکو بحث و نظر کی اِن وادیوں میں قدم رکھنے کا اتفاق ہوا ہے ' اور جو ان مسائل کو اُنکے اصلی مصادر و موارد اور متداول کتب قوم میں دیکھہ چکے ہیں ' اور مشکلات کار کے اندازہ شناس ہیں - و قلیل ما ہم -

معہذا اختصار مانع تشریح و تفصیل رہا ' اور اکثر مقامات میں اسطرح اشارات کرنے پڑے ' گویا مخاطبین کی نظر و معلومات بطور مقدمہ کے فرض کرلی ہے - بدقسمتی سے یہ مقدمہ محل نظر ہے ' مگر بغیر اسکے چارہ بھی نہ تھا - افسوس کہ ان مباحث کی نسبت خود مدعیان علم پر بھی عام طور پر واعظانہ و خطیبانہ رنگ غالب ہے - نظر و تحقیق سے ذوق رکھنے والے ناپید ہیں - اور ہمارے حصہ میں ایک ایسا عہد آیا ہے کہ اگر اس سے بھی زیادہ خیرہ مذاقی و کم نظری کا ماتم پیش آجاے تو گلہ مند نہ ہونا چاہیے :

کم اردنا ذاک الـزمان بمـدح
فشغلنـا بـذم هـذ الـزمـان !

البتہ اس رسالہ کے طبع اول کی اشاعت سے مسئلہ کے تسلیم و اعتراف کا جو اقبال عام طور پر ظہور میں آیا - علی الخصوص طبقۂ علماء کرام

میں - اس کے لیے توفیق الہي کا شکرگذار ھوں - بے شمار اصحاب نے جن میں ایک بڑي تعداد علماء کي ھے، مولف کو مطلع کیا ھے کہ مسئلۂ خلافة کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات عارض تھے، مگر اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد وہ پوري طرح مطمئن ھوگئے - واللہ یہدي من یشاء الی سواء السبیل -

یہ امر بھي قابل ذکر ھے کہ مولف نے گذشتہ فروری کے اجلاس خلافت کانفرنس بنگال میں جب اس رسالہ کے مطالب پر تقریر کي، تو بیان کیا تھا کہ اگر موجودہ حالات میں تبدیلي نہ ھوئي تو مسلمانوں کیلیے ضروري ھوجائیگا کہ اس حکم شرعي پر عمل پیرا ھو جائیں جسکو مولف " ترک موالات " کے نام سے موسوم کرتا ھے - پھر اس کي تشریح بھي کردي تھي، اور بتلایا تھا کہ از روے نص قرآني مسلمانوں کا اولین عمل فریق محارب کے مقابلے میں یہي ھونا چاھیے -

اگرچہ اس وقت بجز مہاتما گاندھي جی کے تمام ارباب کار نے اس مسئلہ سے سرد مہري برتي اور طرح طرح کے عذرات پیش ھوتے رھے، تاھم حکم قرآنی کي الہامي و رباني صداقت بالآخر فتح یاب ھوئي، اور رفتہ رفتہ تمام اصحاب کارکو طوعاً وکرھاً اس پر متفق ھو جانا پڑا :

اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را

اب ملک کي سیاسي جماعتیں بھي اس اعتراف میں ھمارے ساتھہ شریک ھیں، اور یقین کرتی ھیں کہ ملک کي نجات کیلیے اسکے سوا کوئي راہ نہیں - یہ یقیناً کار فرماے غیب ھي کي کارسازي ھے کہ اسنے ملک کي ایک راست باز غیر مسلم ھستي یعنی مہاتما گاندھي جي کے صداقت اندیش دل کو بھي خود بخود اس حقیقت کے علم و فہم کیلیے کھول دیا، اور انھوں نے بھی چارۂ کار دیکھا تو وھي تھا جو تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کو بتلادیا گیا ھے -

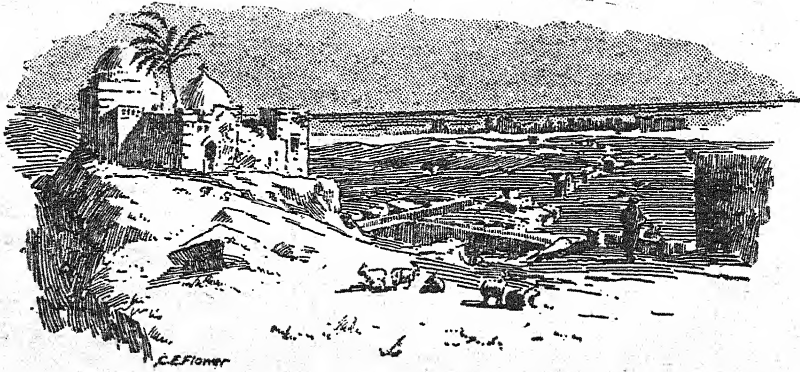
۲۰ - جنوري سنہ ۲۰ - کو جب دھلی میں خلافت ڈیپوٹیشن کي ایک صحبت مشورۃ منعقد ھوئی اور سب سے پہلي مرتبہ " نان کو اپریشن " کي تجویز بحث میں آئی، تو اسوقت صرف مسٹر گاندھي اور مولف رسالہ ھي کے دل و زبان پر تھي - باقي یا متردد تھے یا مخالف - لیکن

الحمد لله که آج ملک کے تمام مسلم و غیر مسلم ارباب عمل و صفا کا متفقہ اعلان یہي ہے !

یہاں یہ ظاہر کردینا بھي ضروري ہے کہ اس رسالہ میں مسلمانان ہند کے فرائض و اعمال کي نسبت جو کچھہ بصیغۂ استقبال لکھا گیا تھا ' وہ اشاعت کے بعد حال کے حکم میں آگیا ہے - موجودہ صورت حال یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں پر کیا کیا فرائض عائد ہوجائینگے ? بلکہ یہ ہے کہ جو کچھہ عائد ہونا تھا ہوچکا - اب سوال جستجوے احکام کا نہیں ہے - اداء فرض کا درپیش ہے - رسالہ کے آخري ابواب میں مختصراً اس طرف اشارات کیے گیے ہیں - تفصیل دوسرے حصہ میں ملیگی جو " ترک موالات " کے نام سے (مع مفصل طریق عمل و ترتیب کار) خلافت کمیٹي کی جانب سے شائع ہونے والا ہے اور جسکو آجکل قلمبند کررہا ہوں - فان اعش ' فسأ بینها لکم ' و إن امت ' فما انا بصحبتکم بحریص - والحمد لله اولاً و آخرا -

٩ - محرم سنہ ١٣٣٩   احمد

(پنجاب میل - استیشن کانپور)   کان اللــــہ لہ



مقدمہ

(طبع اول)

مسئلۂ خلافت و بلاد مقدسہ کي نسبت مسلمانوں کے مطالبات کي تمام تر بنیاد احکام شرعیہ پر ہے - اسلیے سب سے مقدم کام یہ تھا کہ ایک مبسوط تحریر اس موضوع پر شائع کي جاتي' جسمیں تمام احکام شرعیہ کي پوري طرح شرح و تحقیق ہوتي' اور جسقدر شبہات اس بارے میں پیدا ہو سکتے ہیں' اُن سب کا کماحقہ ازالہ کردیا جاتا -

یہ رسالہ اسي غرض سے شائع کیا جاتا ہے -

۲۸ - ۲۹ - فروری سنہ ۲۰ کو بنگال خلافت کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا - اس اجلاس کیلیے مولانا ابوالکلام نے یہ رسالہ بطور خطبۂ صدارت کے صفحۂ ۹۱ - تک لکھا تھا - بعد کو بقیہ مباحث بھي انہوں نے بڑھا دیے تا کہ اس موضوع پر ایک مکمل تحریر مرتب ہوجاے - جلسہ میں مولانا نے اپني عادت کے مطابق محض زباني تقریر کي تھي' اور اسی کے ضمن میں احکام و دلائل کا خلاصہ بھي آگیا تھا - چنانچہ تمہید اور خاتمہ کا حصہ وھي ہے جو اس زباني تقریر سے قلمبند کیا گیا تھا - البتہ تحریر سے بعض ایسے حصے نکالدیے گئے' جو مسئلہ کے سیاسي و ملکی پہلو سے تعلق رکھتے تھے - مثلاً ہندو مسلمانوں کا اتحاد' اور دنیا کا مستقبل عالمگیر امن - تا کہ یہ رسالہ صرف احکام شرعیہ کي بحث و تحقیق کیلیے خاص ہوجاے' اور اُن مباحث کو علحدہ رسالوں کي شکل میں شائع کیا جاے -

اس رسالہ کي اشاعت سے تبلیغ و اشاعت کا پہلا کام انجام پا گیا - یعنے مسئلہ پرشرح و بسط کے ساتھہ ایک مکمل بحث ہوگئي جسکا خطاب زیادہ‌تر حضرات علماء سے ہے -

نیز ایک ایسا جامع رسالہ طیار ہوگیا' جسمیں مسئلہ کا تمام ضروري مواد موجود ہے - اب جو ارباب قلم اور کارکنان مجالس خلافت تبلیغ و اشاعت کیلیے مضامین شائع کرنا چاھیں' وہ اس مواد کو پیش نظر رکھکر مختلف پیرایوں اور شکلوں میں متعدد رسالے مرتب کرلے سکتے ہیں -

کلکتہ — محمد اکرم خان

مئي سنہ ۱۹۲۰ع — آنریری سکریٹری خلافت کمیٹي بنگال -



بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ - و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا - من یهدي الله فلا مضل لہ ' و من یضللہ فلا هادي لہ - و نشهد ان لا الہ الا الله وحدہ لا شریک لہ - ونشهد ان سیدنا محمد عبدہ و رسولہ - صلی الله علیہ و علی الہ و اصحابہ وسلم -



برادران و بزرگان ملک و ملت !

آپکے صوبے کی یہ پہلي خلافت کانفرنس ھے جسکی صدارت کي عزت مجھے دي گئي ھے - آپکی کمیٹي کے معزز ارکان میں سے هر رکن یقیناً اس بات سے واقف هوگا کہ اس قسم کي رئیسانہ اور رسمي حیثیت کا اختیار کرنا میري زندگي میں سب سے پہلا واقعہ ھے ' اور اُس طریق عمل سے مجھے روگردان و منحرف ثابت کرتا ھے جس پر نہایت اصرار کے ساتھہ قائم رهنے کي همیشہ کوشش کرتا رها هوں - سنہ ۱۹۱۱ع میں جبکہ میري موجودہ پبلک زندگي کا بالکل ابتدائي عہد تھا ' مجھے موقعہ ملا کہ اپني آئندہ زندگی کیلیے ایک " مذهب عمل " قرار دے لوں - خدمت ملک و ملت کے دشت ناپیدا کنار کي طرف قدم اُٹھاتے هوے اصول عمل کي مختلف راهیں میرے سامنے تھیں ' اور میں چاهتا تھا کہ میرا سفر اُس دانشمند مسافر کي طرح هو جس نے سفر سے پہلے راہ و منزل کے سارے مرحلوں پر غور کرلیا ھے - اُس طوفاني کشتي کي طرح نہو جس نے هوا کے جھونکوں اور سمندر کي موجوں پر اپنے سفر کا رخ اور کنارے کی جستجو چھوڑ دي ھے - اُسوقت اپنے مذهب عمل کي نسبت جن اصولي مسائل کا میں نے قطعي فیصلہ کرلیا تھا ' اُن میں ایک خاص مسئلہ یہ بھي تھا کہ اپني زندگی کے هر حصہ میں همیشہ مجلسوں کی صدارت ' انجمنوں کے عهدوں ' اور اسی طرح کے تمام رئیسانہ اور رسمي منصبوں سے یکقلم کنارہ کش رهونگا -

یہ فیصلہ در اصل میرے ایک بنیادي اور دیني اعتقاد کا قدرتي نتیجہ تھا - میں نے اپنے لیے جو راہ عمل منتخب کي تھي ' وہ دعوۃ و تبلیغ کي

راہ تھی - موجودہ زمانے کی مصطلحہ لیڈر شپ کی راہ نہ تھی - میرے سامنے اتباع و اقتداء کیلیے نوع انسانی کے اُن مخصوص افراد کا نمونہ تھا جو دنیا میں خدا کے رسولوں اور پیغمبروں کے نام سے پکارے گئے ھیں' اور جنکے طریق عمل کو اسلام کی اصطلاح میں " حکمت " اور " سنۃ " کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ھے - میں اپنی راہ طلبی کا ھاتھہ ابراھیم و محمد (علیھما الصلوۃ و السلام) کے رھنما ھاتھوں میں دیدینے کیلیے مضطر تھا - گریبالڈی' میزینی' یا گلیڈ اسٹن اور پارنل بننے کا عشق میرے اندر نہ تھا - پس یہ تو ضروری تھا کہ میرا وجود کسی گوشۂ فقر و نامرادی میں خدمت و محنت کا ایک غیر دلچسپ منظر ھوتا' یا انسانوں کے کسی ھجوم میں ایک پکارنے والے کی بے پروا پکار - لیکن یہ بالکل ناممکن تھا کہ بیسویں صدی کے فراموش کردہ عہد نبوۃ و مذاھب کا ایک دلدادہ' انجمنوں کا عہدہ دار اور مجلسوں کا باقاعدہ پریسیڈنٹ ھو - خدا کے رسولوں کا طریق خدمت و دعوۃ' اور بیسویں صدی کے لیڈروں کا طریق ریاست و حکومت' ایک زندگی میں جمع نہیں ھوسکتے !

حضرات ! مذھب عمل کے اس بنیادی اعتقاد نے میرے لیے قدم قدم پر مشکلات پیدا کردیں - باوجود کارکن رفیقوں کی موجودگی کے مجھے ھمیشہ اپنی راہ میں صحرا کے درخت کی طرح بے مونس و رفیق اور صرف اپنے سایہ ھی پر قانع رھنا پڑا - یہ مدنیۃ زار عالم جو اپنے ھر گوشہ میں معیتوں اور رفاقتوں کے راحت افزا جلوؤں سے معمور ھے' میرے لیے ھمیشہ سمندر رھی یا ایک صحراے ریگ زار' لیکن کبھی ایک آبادی اور بستی کا اُس نے کام نہیں دیا' اور نہ کبھی میں اپنے تئیں اس قابل بنا سکا کہ اُسکی رفاقتوں کا ساتھہ دے سکوں - تاھم آپ حضرات کیلیے یہ عرض کرنا ضروری نہیں ھے کہ جہاں تک ایک ناچیز انسانی ھستی ارادہ کے ساتھہ عمل کو جمع کرسکتی ھے' میں اپنے اصولوں پر قائم رھنے کیلیے ھمیشہ سخت رھا ھوں' اور موجودہ زمانے کی لیڈر شپ کی دلفریب سے دلفریب نمائشیں اور ابناء عصر کی رفاقت و معیت کی صبر آزما دلچسپیاں بھی کبھی اس بارے میں میرے لیے موثر نہیں ھوئی ھیں -

اسی بنا پر جب آپکے لائق اور سرگرم سکریٹری کا تار مجھے بنارس میں ملا اور انھوں نے لکھا کہ کانفرنس کی صدارت تم کو منظور کرلینی چاھیے تو میں نے اداء تشکر و امتنان کے بعد اپنے آپکو اس سے معذور ظاھر کیا -

لیکن جب میں کلکتہ پہنچا اور اس بارے میں زبانی گفتگو ہوئی تو کچھہ عرصہ کی رد و کد کے بعد میں نے منظور کرلیا - میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ یقیناً اپنے دستور العمل سے ایک کھلا انحراف ہے ' لیکن آپ یقین کیجیے کہ اس انحراف کیلیے جس چیز نے مجھے مجبور کیا ' اسکی حفاظت بھی میرے لیے تمام اصولوں اور قاعدوں سے زیادہ ضروری تھی - اصول مقاصد کیلیے ہیں - مقاصد اصول کیلیے نہیں ہیں - پس دنیا کے اس سچے اور قدرتی قانون کی بنا پرکہ ہر بڑی چیز کیلیے چھوٹی چیز کو اور ہمیشہ مقاصد کیلیے وسائل کو قربان کردینا چاہیے ' میں طیار ہوگیا کہ مقصد کی راہ میں مقصد کے ایک وسیلے یعنی اپنے طریق عمل کو خیر باد کہدوں ' اور اس مجلس کی صدارت منظور کرنے سے انکار نہ کروں -

حضرات ! میں چاہتا ہوں کہ نہایت صفائی کے ساتھہ بے پردہ وہ اصلی سبب بھی عرض کردوں جس نے مجھے یکایک اپنے طریق عمل کے برخلاف اس بات کیلیے آمادہ کردیا - آپ کو معلوم ہے کہ مجھے نظر بندی کے گوشۂ قید و عزلت سے نکلے ہوے بمشکل ابھی پورے دو مہینے ہوے ہونگے - لیکن اس تھوڑے عرصے کے اندر ہی میں نے پوری طرح اندازہ کرلیا ہے کہ موجودہ اسلامی و ملکی مسائل کی نسبت کام کرنے والوں کے طریق عمل کا کیا حال ہے ؟ مجھے صاف صاف عرض کردینا پڑتا ہے کہ ملک کے کار فرما طبقہ کی نسبت اب سے سات سال پہلے جو رائیں میں نے قائم کی تھیں ' اور جنکی وجہ سے بسا ارقات نہایت قیمتی اور محبوب رفاقتوں سے بھی دست بردار ہو جانا پڑتا تھا ' بدقسمتی سے ابتک اُن میں تبدیلی کا وقت نہیں آیا ہے -

متضاد مناظر کا کچھہ عجیب عالم ہے جسکو اپنے چاروں طرف پاتا ہوں - ایک طرف ملک کی عام پبلک ہے ' اور سورج کی روشنی کی طرح بالکل یقینی صورت میں دیکھہ رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر حالت میں وہ کسی صحیح راہ عمل پر چل کھڑے ہونے کیلیے منتظر و مستعد ہے - دوسری طرف کام کرنے والوں کی جماعت ہے ' اور جس جس پہلو سے دیکھتا ہوں ' اسپر ابتک وہی تذبذب و اضطراب اور تزلزل و انتشار کا عالم طاری نظر آتا ہے جو تمام پچھلے دورں میں طاری رہ چکا ہے - ابتک مقاصد سے اعراض ہے اور وسائل میں انہماک - ابتک حقیقی مصلحت

بینی ' اور حیلہ جوئی و بہانہ سازی میں امتیاز کی راہ مسدود ہے ' اور عزم و یقین کی جگہ ظن و شک اور خوف و ہراس کی حکومت قائم ہے - زبانوں کی لکنت گو دور ہوچکی ' اور شاید چہروں کا ہراس بھی جاتا رہا لیکن دلوں کی دہشت بدستور باقی ہے ' اور ایمان کی کمزوری نے ابتک روحوں کا ساتھہ نہیں چھوڑا ہے - زبانیں جسقدر تیز ہیں ' قدم میں اتنی تیزی نہیں ہے - اور اعلان جسقدر بلند آہنگی اور رعد آسائی رکھتا ہے ' عمل میں اسقدر بلند پیمائی نظر نہیں آتی - نیند گو ٹوٹ چکی ' اور شاید خفتگان بستر غفلت کروٹیں بھی بدل چکے ' لیکن آنکھوں میں خمار بدستور باقی ہے ' اور دھواں بڑھتا جاتا ہے لیکن شعلوں کی چمک کہیں نظر نہیں آتی - اگرچہ خدا کے مقدس نام کی تقدیس سے اب کوئی زبان نا آشنا نہیں رہی ' لیکن دلوں میں خدا کے ساتھہ انسانوں کا ڈر اور ایمان کے ساتھہ نفس کا عشق بھی باقی ہے : ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا (۴ : ۱۴۹) اور چاہتے ہیں کہ ان دونوں راہوں کے بین بین کوئی تیسری راہ اختیار کریں - حالانکہ تیسری راہ اس آسمان کے نیچے کوئی نہیں - راہیں صرف دو ہی ہیں - فمن شاء فلیؤمن ' و من شاء فلیکفر - حضرت مسیح نے کہا ہے : " ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نہیں کرسکتا " قرآن کا بھی فیصلہ یہی ہے : ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ (۳۳ : ۴) یعنی :

سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے !

حضرات ! مجھے ملامت کرنے میں جلدی نہ کیجیے اگر میں حقیقت کو اس سے بھی زیادہ بے نقاب دیکھنا چاہوں - افسوس کہ وقت کی جلدی اور قانون قدرت کی بے صبری نے ہماری غفلتوں کا ساتھہ نہیں دیا - وہ اپنی ازلی بے پروائی کے ساتھہ نتائج و عواقب کی آخری منزل تک بڑھتا چلا آیا ہے - اب موت و حیات ' بقاؤ فنا ' ایمان و کفر ' اور خدا اور ماسوی اللہ کی منزل ہمارے سامنے ہے ' اور اسلیے میں قابل ملامت نہیں ہوں اگر حسن بیان اور بلاغت اظہار کے پرپیچ آداب و قواعد کو موت و حیات کی کشمکش میں سنبھال نہیں سکتا - یہ حالات دیکھکر میں نے ارادہ کرلیا کہ اگر مجھکو ایک مجلس کے صدر کی حیثیت سے اظہار مطالب کا موقعہ ملتا ہے تو میں اس سے انکار نہ کروں ' اور اگر صدارت کے حقوق و اختیارات کو اصل مقصد کیلیے استعمال کرسکتا ہوں تو اسکو ایک مفید فرصت تصور

کروں - شاید اس طرح اس صحیح راہ عمل کی طرف کوئی قدم اُٹھ سکے جسکو بارہ سال سے اپنے سامنے رکھتا ہوں لیکن رفیقان طریق نے ہمیشہ اس سے اعراض کیا ہے ' اور آج بھی جبکہ اُس اعراض کے نتائج سامنے ہیں ' تذبذب و اضطراب عمل ' عزم و ایمان کے استحکام پر غالب نظر آ رہا ہے -

حضرات ! صرف یہی ایک خیال تھا جس نے مجھے اس بات پر آمادہ کردیا کہ آپنے اپنی محبت اور مہربانی سے جو عزت مجھے دینی چاہی ہے ' اُس سے گریز نہ کروں - میں آپکا شکرگزار ہوں ' اور آپکی دلی رفاقت و اعانت کا طلبگار- ہم سب کو اللہ کے فضل و توفیق پر اعتماد ہے جسکے بغیر کائنات ہستی کا کوئی ارادہ اور کوئی عمل کامیابی اور فلاح نہیں پاسکتا -

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہلے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے !

و ما توفیقی الا باللہ - علیہ توکلت و الیہ انیب -



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی - و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

باب

— : * : —

فصل

(خــلافــة)

" خلافة " عربي کي ایک مصدر ھے - اسکا مادہ ھے " خلف " - اور اسي سے ھے " خلیفہ " - خلیفہ کے لغوي معني نیابت اور قائم مقامي کے ھیں " من قولک خلف فلان فلانا في ھذا الامر اذا قام مقامہ فیہ بعدہ " [ابن فارس] یعني اگر ایک شخص کسي دوسرے شخص کے بعد اسکا نائب و قائم مقام ھوا تو یہ خلافت ھوئي ' اور لغۃ میں اسکو خلیفہ یعنے بعد کو آنے والا اور قائم مقام کہینگے - خواہ یہ نیابت سابق کي موت و عزل کي وجہ سے ھوئي ھو ' یا غیبت کي وجہ سے ' یا اپنا اختیار اور منصب سپرد کر دینے کي وجہ سے - مفردات امام راغب میں ھے " الخلافة ' النیابة عن الغیر ' إما بالغیبة المنوب عنه ' و إما لموته ' و إما لعجزه ' و إما لتشریف المستخلف " (صفحہ ۱۵۵)

یہ لفظ بھي قران حکیم کے اختیارات لغویہ میں سے ھے - یعني عربي زبان کے اُن لفظوں میں سے ھے جنکو لغۃ میں عام معاني کیلیے استعمال کیا جاتا تھا مگر قرآن حکیم نے اپنے خاص مصطلحۂ شرع معني کیلیے اختیار کرلیا - جیسے ایمان ' غیب ' تقدیر ' بعث ' صلواۃ وغیرہ ذلک - ایمان کے لغوي معني یقین و طمانیۃ اور زوال خوف و شک کے تھے ' لیکن قرآن حکیم نے اسکو ایک خاص طرح کے یقین واقرار اور عمل کیلیے استعمال کیا ' اور اب ایمان قرآن کي بولي میں عام لغوي معني کے خلاف ایک خاص اصطلاح قرار

پاگئي هے - قرآن کي زبان ميں خلافة اور "استخلاف في الارض" اور "وراثت و تمکن في الارض" سے مقصود زمين کي قومي عظمت و رياست اور قوموں اور ملکوں کي حکومت و سلطنت هے - قرآن حکيم اسکو سب سے بڑي نعمت قرار ديتا هے جو اچھے يقين اور اچھے کاموں کے بدلے اقوام عالم کو دنيا ميں ملسکتي هے - قرآن کے نزديک اس خلافت ارضي کا مقصد يه هوتا هے که دنيا ميں نوع انساني کي هدايت و سعادت کيليے ايک خاص ذمه دار قوم و حکومت قائم هو - وه الله کي عدالت کو دنيا ميں نافذ کرے ' ظلم و جور اور ضلالت و طغيان سے اس کي زمين پاک هو جاے ' ايک عام امن و سکون اور راحت و طمانية دنيا ميں پهيل جاے' اور الله کا وه همه گير قانون عدل جو تمام کائنات هستي ميں سورج سے ليکر زمين کے ذرات تک نافذ و قائم هے ' اور جسکو قرآن اپني زبان ميں صراط مستقيم کے لفظ سے تعبير کرتا هے ' زمين کے گوشے گوشے اور چپے چپے ميں جاري و ساري هوکر کرۂ ارضي کو سعادت و امنيت کي ايک بهشت زار بنادے !

لغة کے اعتبار سے يه اطلاق اسليے هوا که سب سے پہلے جو قوم اور قوم کا جو فرد خليفه هوا ' وه زمين پر الله کي عدالت قائم رکھنے ميں ' الله کي نيابت اور قائم مقامي رکهتا تها ' اور اسکے بعد والي قوم اپنے سابق کي نائب تهي' اور هر خليفه ' سابق کا قائم مقام - ظهور اسلام کے بعد جب ارضي خلافة کے وارث مسلمان هوے' تو اس سلسله کا پهلا خليفة الله صاحب وشارع اسلام تها - يعني محمد الرسول‌الله صلعم - اور پهر انکے بعد جن لوگوں کے هاتهه اسلام کي مرکزي حکومت آئي ' وه اس خليفة الله کے نائب اور قائم مقام هوے اسليے اُن پر خليفه کا اطلاق هوا اور ابتک هو رها هے -

يه زمين کي وراثت و خلافت يکے بعد ديگرے مختلف قوموں کے سپرد هوتي رهي اور وه دنيا ميں الله کي طرف سے دين حق کے خدمت گزار رهے - آيات ذيل ميں اسي خلافت کا ذکر هے :

وهـو الـذي جعلکم خلائف الارض (٦ : ١٦٥)	وهي پروردگار عالم هے جس نے تم کو زمين ميں خلافت دي -
ويستخلف ربي قوما غيـرکم - (١١:٥٧)	اگر تم نے اپنا فرض ادا نه کيا تو ميرا پروردگار تمهاري جگه کسي دوسري قوم کو ديديگا -

ثم جعلناكم خلائف في الارض من بعدهم لننظر كيف تعملون ؟ (۱۰ : ۱۴)	پھر ان قوموں کے بعد ہم نے تم کو انکی جگہ دي تاکہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں ؟
و اذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح - (۷ : ۶۸)	اور یاد کرو جب تم کو قوم نوح کے بعد انکا جانشیں بنایا -
یا داؤد انا جعلناک خلیفة في الارض (۳۸ : ۲۶)	اے داؤد ! ہم نے زمین میں تم کو خلیفہ بنایا -

اسي چیز کو زمین کي وراثت سے بھي تعبیر کیا گیا :

ولقد کتبنا في الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادي الصالحون (۲۱ : ۱۰۵)	اور زبور میں بھي ہمارا اعلان یہي تھا کہ یقیناً زمین کي حکومت ہمارے صالح بندوں ہي کي وراثت میں آئیگي -

یہي چیز زمین کي " تمکین " یعنی طاقت و عظمت کا جماؤ اور قیام بھي ہے جو سر زمین فراعنہ میں کنعان کے ایک اسرائیلي نوجوان نے حاصل کي تھي ، جبکہ وہ غلامی کي حالت میں وہاں فروخت کیا گیا ، اور پھر اپنے عمل حق و صالح کي قوت سے ایک دن مصر کے تاج و تخت کا مالک ہوگیا :

کذالک مکنا لیوسف - (۱۲ : ۵۶)	اس طرح ہم نے یوسف کي عظمت مصر میں قائم کردي -

اور اسي کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا :

الذین ان مکنا هم في الارض اقاموا الصلوة و آتوا الزکوة و امروا بالمعروف و نهوا عن المنکر ، ولله عاقبة الامور - (۲۲ : ۴۳)	وہ لوگ کہ اگر ہم انکي طاقت زمین میں جمادیں تو انکا کام یہ ہوگا کہ نماز کو قائم کرینگے ، زکواۃ ادا کرینگے ، نیکي کا حکم دینگے ، اور برائي سے دنیا کو روکینگے

اس آیۃ کریمۃ سے صاف طور پر یہ حقیقت بھي واضح ہوگئي کہ تمکین في الارض یعنی حکومت کا مقصد اصلي قرآن حکیم کے نزدیک کیا ہے ؟ معلوم ہوگیا کہ صرف یہ ہے کہ اللہ کي عبادت دنیا میں قائم کي جاے ، نیکي اور راستي کا اعلان و ظہور ہو ، برائي سے نوع انساني کے دلوں اور هاتھوں کو روک دیا جاے !

دوسري آیۃ میں اسکو خلافت کے لفظ سے تعبیر کیا :

وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنهم في الارض کما استخلف الذین من قبلهم ولیمکنن لهم دینهم الذي ارتضی لهم ، و لیبدلنهم من بعد خوفهم امنا - یعبدونني لا یشرکون بي شیئا و من کفر بعد ذلک فاولائک هم الفاسقون (۲۴ : ۵۵)

جو لوگ ایمان لاے اور نیک عمل انجام دیے ، اللہ کا انسے وعدہ ہے کہ اُنہیں زمین کي خلافت دیگا - تھیک اُسي طرح جس طرح پچھلي قوموں کو دي جا چکي ہے - اور ایسا کریگا کہ انکے لیے اُن کا دین حق قائم ہو جائیگا اور خوف کي گھڑیاں امن کي خوشحالي و کامرانی سے بدل دي جائینگي -

یہ آیت اُسوقت نازل ہوئي جب ہجرة کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کي زندگي دشمنوں سے گھري ہوئی تھی اور قلت تعداد و بے سروسامانی حال کے ساتھہ دشمنوں کے پے درپے حملوں کا یہ حال تھا کہ کسي وقت بھي ہتیار اپنے جسم سے دور نہیں کرسکتے تھے - اُسوقت بعض مسلمانوں کي زبان سے بے اختیار یہ جملہ نکل گیا " ما یأتي علینا یوم نأمن فیہ و نضع عنا السلاح " ایک دن بھي ہم پر ایسا نہیں آیا کہ امن و بے خوفي کے ساتھہ صبح و شام بسرکرتے اور ہتیار اپنے جسم سے الگ کرسکتے - ابو العالیہ راوي ہیں کہ اسپر مندرجۂ صدر آیت نازل ہوئي اور اللہ نے مسلمانوں کو بشارت دي کہ مضطرب نہوں ، ایمان و عمل صالح کا پھل عنقریب ملنے والا ہے جبکہ خوف کي جگہ امن ہوگا ، مظلومي و بیچارگي کي جگہ فرمانروائي و کامراني ہوگي ، اور سب سے بڑھکر یہ کہ زمین کي خلافت اُنھي کے قبضۂ اقتدار میں آجائیگي - (تفسیر طبري جلد ۱۸ صفحہ ۱۲۲)

اس آیت سے ضمناً یہ بات بھي ثابت ہوگئي کہ قرآن حکیم کے نزدیک جو چیز " خلافت " ہے ، وہ خلافت في الارض ہے - یعني زمین کي حکومت و تسلط - پس اسلام کا خلیفہ ہو نہیں سکتا جب تک بموجب اس آیت کے زمین پر کامل حکومت و اختیار اُسے حاصل نہو - وہ مسیحیت کے پوپ کي طرح محض ایک آسماني و دیني اقتدار نہیں ہے جسکے لیے دلوں کا اعتقاد اور پیشانیوں کا سجدہ کافي ہو - وہ کامل معنوں میں سلطنت و فرمانروائي ہے - اسلام کے قانون میں دیني و روحاني اقتدار خدا و رسول کے سوا کوئي انساني وجود نہیں رکھتا - ایسے اقتدار کو قرآن نے شرک قرار دیا

ہے، اور اسکا مثال اُس کے ظہور کا پہلا کام تھا : اتخذوا احبارهم و رهبانهم ارباباً من دون اللـــه (۹ : ۳۲) اور ماکان لبشر ان یوتـــیه الله الکتاب و الحکم و النبوة ، ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون الله ، و لکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون - (۲ : ۷۹)

الله کے تمام وعدوں کي طرح یه وعده بهي پورا هوا - آٹهه نو سال بعد جب داعي اسلام دنیا سے تشریف لیگئے تو تمام جزیرۂ عرب مسلمانوں کے قبضه اقتدار میں آچکا تھا اور رومیوں کے مقابله کیلیے اسلامي فوجیں مدینه سے نکل رهي تهیں - اس سلسلۂ خلافت اسلامیه کا پہلا خلیفة الله خود حضرة داعي اسلام (صلی الله علیه و سلم) کا وجود مقدس تھا، اور آپنے اپنے بعد کے جانشینوں کو خود لفظ خـلفاء سے تعبیر فرماکر واضح کردیا تھا که وہ آپکے نائب اور قائم مقام هونگے - " علیکم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدین " (ابن ماجه عن العرباض بن ساریه) و امثالها - آپکے بعـد حضرت ابوبکر رضي الله عنه جب جانشین هوے تو وہ خلفۂ رسول الله تھے -

فصل

(خلافت خاصه و خلافت ملوکي)

آنحضرة کے بعد خلافت اپنے خصائص و نتائـج کے اعتبار سے دو بڑے سلسلوں میں منقسم هوگئي - خود آنحضـــرت نے نه صرف ان کي پیشتر سے خبر هي دیدي تھي، بلکه تمام علائم و خصائص صاف صاف بیان کردیے تھے - اس بارے میں جو احادیث موجود هیں، وہ کثرت طرق، شهرت متن، قبول طبقات، کي بنا پر حد تواتر تک پهنچ چکي هیں - پہلا سلسلۂ خلافت خلفاء راشدین مهدیئین کا تھا جنکي خلافت منهاج نبوة پر تھي - یعني وہ صحیح و کامل معنوں میں منصب نبوت کے جا نشین اور جامعیة شخص رسالة کے قائم مقام تھے - انکا طریق کار ٹھیک ٹھیک طریق نبوت کے مطابق تھا، اور اسلیے گویا عهد نبوت کا ایک آخري جزء تھا - اور جس طرح وجود نبوة میں مختلف حیثیتوں کا اجتماع تھا، اسي طرح اُنکي شخصیت بهي جامع و حاوي تھي - دیني دعوة اور شرعي اجتهاد و امر، حکومت و فرمانروائي اور قوام و نظام شرع، نظام شریعت اور نظام

سیاست' یہ تمام قوتیں آنکی ذات واحد میں جمع تھیں - آنکی حکومت سچے اور حقیقی اسلامی نظام پر تھی - یعنی حکومت شوری' جسکو آجکل کی زبان میں ایک ناقص تشبیہ کے ساتھہ ری پبلک کہہ سکتے ہیں - یہ سلسلہ حضرة علی علیہ السلام پر ختم ہوگیا -

دوسرا سلسلۂ خلافت منہاج نبوت سے الگ مجرد حکومت و پادشاہت کا تھا' جبکہ عجمی بدعتیں خالص اسلامی و عربی تمدن سے ملکر ایک نیا دور شروع کررہی تھیں - یہ سلسلۂ خلافت اگرچہ بعد کی خلافتوں کے مقابلے میں پہلے سلسلے سے اقرب تھا' لیکن خلافت راشدہ کے حقیقی خصائص ناپید ہوگئے تھے - خلفاء بنو امیہ سے لیکر آجتک جو سلسلۂ خلافت اسلامیہ جاری ہے' وہ اسی دوسری قسم میں داخل ہے - احادیث میں پہلے سلسلہ کو بوجہ غلبۂ طریق ہدایت و نبوۃ خلافت کے لفظ سے اور دوسرے کو بوجہ غلبۂ سیاست و شخصیت پادشاہت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے " الخلافة بعدي ثلاثون عاما ثم ملک بعد ذلک " [اخرجہ اصحاب السنن] اور حدیث ابو ہریرہ " الخلافة با لمدنیه و الملک با لشام " ایک دوسری حدیث میں بالترتیب تین دور بتلائے گئے ہیں " نبوۃ و رحمة ' ثم خلافة و رحمة " و فی لفظ " خلافة علي منهاج النبوة ثم يكون ملک عضوض (رواه البزار و قال السیوطي حسن) امیر معاویہ نے اسیکی نسبت کہا تھا - ہم نے عہد ملوکی پر قناعت کرلی -

آخری حدیث کے مطابق تین دور ہوے - عہد نبوت و رحمت ' خلافت و رحمت ' پادشاہی و فرمانروائی - پہلا دور آنحضرة صلعم کی وفات پر ختم ہوگیا - دوسرا دور فی الحقیقت عہد نبوت کا ایک تتمہ اور لازمی جزء تھا (جیسا کہ سلسلۂ دعوۃ اور تکمیل کار و بار شرائع میں ہمیشہ سنة اللہ رہی ہے) جو حضرة امیر علیہ السلام پر ختم ہوگیا - اسکے بعد سے مجرد عہد پادشاہی و استبدادی شروع ہوا جو آجتک جاری ہے - اس دور کی بھی بہت سی مختلف شاخیں علحدہ علحدہ احادیث میں بتلائی گئی تھیں' اور وہ سب ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئیں - نبوت و رحمت کی برکات کی محرومی و فقدان کا ایک تدریجی تنزل تھا' اور بدعات و فتن کے ظہور و احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی' کالحصیر عوداً عوداً' جو حضرت عثمان کی شہادت سے شروع ہوئی' اور جسقدر عہد نبوت سے دوری بڑھتی گئی' اتنی ہی عہد نبوت اور خلافت

رحمت کي سعادتوں سے امت محروم هوتي گئي - يه محرومي صرف امامت و خلافت کبری کے معامله هي ميں نہيں هوئي ' بلکه قوام و نظام امت کے مبادیات و اساسات سے لیکر حیات شخصي و انفرادي کي اعتقادي و عملي جزئيات تک ' ساري باتوں کا يہي حال هوا - فتنۂ و فساد کے اس سيلاب کو صرف ایک ديوار روکے هوے تھي جو بقول حضرة حذيفه (اعلم الصحابة بالفتن) حضرة عمر (رض) کا وجود تھا - جونہي يه بنيان مرصوص هٹي ' وہ سيلاب عظيم اُمنڈا ' اور پھر کوئي سد و بند اُسکي راہ نه روک سکا - اسي سيلاب کو حضرة حذيفه کي روايت ميں " التي تموج کموج البحر " (رواہ البخاري) سے تعبير کيا گيا تها - يعنی سمندر کي موجوں کي طرح اسکي موجيں اُٹھينگي - سو واقعي اُٹھيں ' اور دور خلافت و رحمت اور " خلافة علی منہاج النبوة " کي عظيم الشان عمارت اسکے طلاطم و طغيان ميں آناً فاناً بہہ گئي -

احاديث ميں نہايت کثرت کے ساتھه اسلام کے ایک آخري دور کي بھي خبر دي گئي هے جو اپنے برکات کے اعتبار سے دور اول کے خصائص تازہ کرديگا ' اور جسکا حال يه هوگا که " لا يدری اولها خير ام آخرها " نہيں کہا جاسکتا که اُمت کي ابتدا زيادہ کامياب تھي يا اُسکا اختتام ؟ يہي وہ آخري زمانه هوگا جب الله کا اعلان اپنے کامل معنوں ميں پورا هوکر رهيگا که :

ليظهرہ علی الدين کله ولو کرہ المشرکون - (۹ : ۶۱) دين اسلام اور اُسکا رسول اسليے آيا تاکه تمام دينوں اور قوموں پر بالاخر غالب هوکر رہے (کيونکه آخری غلبه و بقاء صرف اصلح کيليے هے اور تمام دينوں ميں اصلح صرف اسلام هي هے)

يہي وجه هے که مايوسيوں اور نامراديوں کي اس عالمگير تاريکي ميں بھي جو آج چاروں طرف پھيلي هوئي هے ' ایک مومن قلب کيليے فتح و اقبال کي روشنياں برابر چمک رهي هيں - بلکه جسقدر تاريکي بڑھتي جاتي هے ' اُتنا هي زيادہ طلوع صبح کا وقت قريب آتا جاتا هے : ان موعدهم الصبح ' اليس الصبح بقريب !

تفاوت ست ميان شنيدن من و تو
تو بستن در و من فتح باب مي شنوم !



فصل

(عہد اجتماع و ائتلاف ، و دور اشتات و انتشار)

آپ آزردہ خاطر نہوں اگر موضوع کي وسعت چند لمحوں کیلیے مجھے اپنے اطراف و جوانب کي طرف بے اختیار مائل کرلے ۔ اس مقام کي مزید وضاحت کیلیے بہتر ہوگا کہ دو خاص اصطلاحي لفظوں کے معاني پر آپ پہلے غور کرلیں - ایک " اجتماع " اور " ائتلاف " ہے - دوسرا " اشتات " اور " انتشار " - نہ صرف امۃ اسلامیہ بلکہ تمام اقوام عالم کي موت و حیات ، ترقي و تنزل ، اور سعادت و شقارت کے جو اصولي اسباب و مراتب قران حکیم نے بیان کیے ہیں ، اُنکي سب سے زیادہ اہم حقیقت انھي الفاظ کے اندر پوشیدہ ہے - " اجتماع " کے معني ہیں " ضم الشيئ بتقریب بعضہ من بعض " (مفردات امام راغب : ۹۵) یعني مختلف چیزوں کا باہم اکٹھا ہو جانا - اور ائتلاف " الف " سے ہے - اسکے معني ہیں " ما جمع من اجزاء مختلفۃ ، و رتب ترتیباً ، قدم فیہ ما حقہ أن یقدم ، و اخر فیہ ما حقہ أن یؤخر " (مفردات : ۱۹) یعني مختلف چیزوں کا اس تناسب اور ترتیب کے ساتھہ اکٹھا ہوجانا کہ جس چیزکو جس جگہ ہونا چاہیے وہي جگہ اُسے ملے جو پہلے ہونے کي حقدار ہے وہ پہلے رہے - جسکو آخري جگہ ملني چاہیے ، وہ آخري جگہ پاے - "عہد اجتماع و ائتلاف" سے مقصود وہ حالت ہے جب مختلف کارکن قوتیں کسي ایک مقام ، ایک مرکز ، ایک سلسلے ، ایک وجود ، ایک طاقت ، اور ایک فرد واحد میں اپني قدرتي اور مناسب ترکیب و ترتیب کے ساتھہ اکٹھي ہو جاتي ہیں ، اور تمام مواد ، قوى ، اعمال ، اور افراد پر ایک اجتماعي و انضمامي دور طاري ہو جاتا ہے - بحدیکہ ہر قوت اکٹھي ، ہر عمل باہمدگر جڑا اور ملا ہوا ، ہر چیز بندھي اور سمٹي ہوئي ، ہر فرد زنجیر کي کڑیوں کي طرح ایک دوسرے سے متحد و متصل ہو جاتا ہے - کسي چیز ، کسی گوشے ، کسي عمل میں علحدگي نظر نہیں آتي - جدائي ، انتشار ، اور الگ الگ ، جزء جزء ، فرد فرد ، ہوکر رہنے والي حالت نہیں ہوتي - مادہ میں جب یہ اجتماع و انضمام پیدا ہو جاتا ہے ، تو اسي سے تخلیق و تکوین اور وجود و ہستي کے تمام مراتب ظہور میں آتے ہیں - اِسي کو قرآن حکیم نے اپني اصطلاح میں مرتبۂ "تخلیق" و "تسویہ" سے بھي تعبیر کیا

ہے : الـذي خلـق فسوى (۲ : ۸۷) پس زندگي اور وجود نہیں ہے مگر اجتماع و ائتلاف ' اور موت وفنا نہیں ہے مگر اسکي ضد - یہي حالت جب افعال و اعمال پر طاري ہوتي ہے تو اخلاق کي زبان میں اسکو " خیر " اور شریعة کي زبان میں " عمل صالح " اور " حسنات " کہتے ہیں - جب جسم انساني پر طاري ہوتي ہے تو طب کي اصطلاح میں " تندرستي " سے تعبیر کي جاتي ہے اور حکیم کہتا ہے کہ یہ " زندگي " ہے - اور پھر یہي حالت ہے کہ جب قومي و جماعتي زندگي کي قوتوں اور عملوں پر طاري ہوتي ہے تو اُس کا نام " حیات قومي و اجتماعي " ہوتا ہے ' اور اُسکا ظہور قومي اقبال و ترقي اور نفوذ و تسلط کي شکل میں دنیا دیکھتي ہے - الفاظ بہت سے ہیں - معني ایک ہے - مظاہر گو مختلف ہیں مگر اُس حکیم یگانۂ و واحد کی ذات کي طرح ' اُسکا قانون حیات و وجود بھی اس کائنات ہستي میں ایک ہي ہے - و لنعم ما قیل :

عبار اتنا شتي وحسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر!

اس حالت کي ضد " اشتات و انتشار " ہے - اشتات " " شتت " سے ہے جسکے معني لغة میں " تفریق " اور الگ الگ ہو جانے کے ہیں - " یقال شت جمعهم شتا و شتاتاً ' و جاؤا اشتاتاً - ای متفرقی النظام " (مفردات : ۲۵۶) قرآن حکیم میں ہے : یومئذ یصدر الناس اشتاتا (۹۹:۶) اور من نبات شتی (۲۰:۵۳) اور و قلوبهم شتی (۵۹:۱۴) ای مختلفه - انتشار " نشر " سے ہے - اسکے معني بھي الگ الگ ہو جانے کے ہیں - یعني تفرق کے - سورۂ جمعه میں ہے : فاذا قضیت الصلوة فانتشروا - یعني تفرقوا - " اِشتات و انتشار " سے مقصود وہ حالت ہے جب اجتماع و ائتلاف کي جگہ الگ الگ ہو جانے ' متفرق اور پراگندہ ہونے ' اور باھمدگر علحدگي و بیگانگي کي حالت طاري ہو جاے - مواد میں ' قویٰ میں ' اعمال میں ' افراد میں ' ہر بات میں پہلي حالت سے بالکل متضاد حالت پیدا ہو جاے - یہ حالت جب مادہ پر طاري ہوتي ہے تو " تکوین " کي جگہ " فساد " اور " وجود " کي جگہ " عدم و فنا " کا اُسپر اطلاق ہوتا ہے جسم پر طاري ہوتي ہے تو اُسکا نام پہلے " بیماري " اور پھر " موت " ہے - اعمال پر طاري ہوتي ہے تو اُسي کو قرآن حکیم اپني اصطلاح میں " عمل سوء " اور " عصیان " سے تعبیر کرتا ہے - اور پھر یہي چیز ہے کہ جب

قوموں اور امتوں کي اجتماعي زندگي پر طاري ہوجاتي ہے تو دنیا دیکھتي ہے کہ اقبال کي جگہ ادبار، عروج کي جگہ تسفل، ترقي کي جگہ تنزل، عظمت کي جگہ ذلت، حکومت کي جگہ محکومي، اور بالآخر زندگي کي جگہ موت اُس پر چھا گئي ہے!

یہي وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جا بجا "اجتماع و ائتلاف" کو قومي زندگي کي سب سے بڑي بنیاد، اور اسلیے انسان کیلیے اللہ کي جانب سے سب سے بڑي رحمت و نعمت قرار دیا ہے، اور اسکو "اعتصام بحبل اللہ" اور اسي طرح کي تعبیرات عظیمہ سے موسوم کیا ہے - مسلمانوں کے اولین مادۂ تکوین امت یعني اہل عرب کو مخاطب کرکے اور پھر تمام عرب و عجم سے فرمایا:

و اعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا! و اذکرو نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمة اخوانا - (۱۰۳:۲)	سب مل جلکر اور پوري طرح اکٹھے ہوکر اللہ کي رسي مضبوط پکڑلو - سب کے ہاتھہ اسي ایک حبل اللہ سے وابستہ ہوں - اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ کیسي عظیم الشان نعمت ہے جس سے سرفراز کیے گئے؟ تمہارا حال یہ تھا کہ بالکل بکھرے ہوے اور ایک

دوسرے کے دشمن تھے - اللہ نے تم سب کو باہم ملادیا اور اکٹھا کردیا - پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اب بھائي بھائي ہوگئے!

اس کے بعد فرمایا کہ اشتات و انتشار کي زندگي کو بقاؤ قیام نہیں ہوسکتا - وہ ہلاکي کي ایک آگ ہے جسکے دہکتے ہوے شعلوں کے اوپر کبھي قومي زندگي نشوؤ نما نہیں پاسکتي:

وکنتم علی شفا حفرة من النار، فانقذکم منہا کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تہتدون - (۱۰۳:٦)	اور تمہارا حال یہ تھا کہ آگ کے دہکتے ہوے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، پر اللہ نے تمہیں بچالیا - اللہ اپنے فضل و رحمت کي نشانیاں اسي طرح کھولتا ہے تاکہ کامیابي کي راہ پالو!

یہ بھي جابجا بتلادیا کہ قوموں اور ملکوں میں اس اجتماع و ائتلاف کي صالح و حقیقي زندگي پیدا کردینا محض انساني تدبیر سے ممکن نہیں دنیا میں کوئي انساني تدبیر امت نہیں پیدا کرسکتي - یہ کام صرف اللہ ہي کي توفیق و رحمت اور اُسکي وحي و تنزیل کا ہے کہ بکھرے ہوے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک بنادے

لو انفقت ما في الارض جميعاً ' ما الفت بين قلوبهم - ولكن الله الف بينهم - انه عزيز حکیم (۸ : ۶۳)

اگر تم زمین کا سارا خزانه بھي خرچ کرڈالتے جب بھي ان بکھرے ہوے دلوں کو محبت و اتحاد کے ساتھه جوڑ نہیں سکتے تھے - یه الله ھي کا فضل ھے جس نے متفرق دلوں کو اکٹھا کردیا -

اور اسیلیے قرآن حکیم ظهور شریعت و نزول وحي کا پہلا نتیجه یه قرار دیتا ھے که اجتماع و ائتلاف پیدا هو ' اور بار بار کہتا ھے که تفرقهٔ و انتشار شریعت و وحي کے ساتھه جمع نہیں هوسکتے - اور اسیلیے یه نتیجه شریعت سے بغي و عدوان اور اسکو بالکل ترک کردینے کا ھے : فما اختلفوا حتی جاء هم العلم (۱۳ : ۹۳) و آتینا هم بینات من الامر فما اختلفوا الا من بعد ماجاء هم العلم بغیاً بینهم (۴۵ : ۱۶) و لا تکونوا کالذین تفرقوا من بعد ما جاء هم البینات (۳ : ۱۰۴)

اور اسي بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامي زندگی کا دوسرا نام "جماعت" رکھا ھے ' اور جماعت سے علحدگی کو " جاهلیة " اور " حیاة جاهلي " سے تعبیر کیا ھے ' جیساکه آگے بالتفصیل آئیگا : " من فارق الجماعة ' فمات ' فمیتة جاهلیه " وغیر ذلک ' اور اسي بنا پر بکثرت وہ احادیث و آثار موجود هیں جن میں نہایت شدت کے ساتھه هر مسلمان کو هر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم دیا گیا ' اگرچه امیر غیر مستحق هو ' نا اهل هو ' فاسق هو ' ظالم هو ' کوئی هو ' بشرطیکه مسلمان هو اور نماز قائم رکھے (ما اقاموا الصلوة) اور ساتھه هي بتلادیا گیا که جس شخص نے جماعت سے علحدگي کي راہ اختیار کي تو اُس نے اپنے تئیں شیطان کے حوالے کردیا - یعني گمراهي اور ٹھوکر اسکے لیے ضروري ھے - زنجیر کا توڑنا مشکل هوتا ھے ' لیکن کوئي کڑی زنجیر سے الگ هوگئي هو تو ایک چھوٹے سے حلقه کا حکم رکھتي ھے جسکو انگوٹھے سے مسل دیا جاسکتا ھے - حضرة عمر اپنے خطبوں میں بار بار آنحضرة صلعم سے روایت کرتے " علیکم بالجماعة فان الشیطان مع الفذ و هو من الاثنین ابعد " دوسری روایت میں ھے " فان الشیطان مع الواحد " یعني جماعت سے الگ نہو - همیشه جماعت بنکر رهو - کیونکه جب کوئي تنہا اور الگ هوا تو شیطان اسکا ساتھي هوگیا - دو انسان بھی ملکر رهین تو شیطان اُنسے دور ھے - یعني اتحادي و جماعتی قوت اُن میں پیدا هوگئی - اب وہ راہ حق سے نہیں بھٹک سکتے - یه الفاظ مشہور

خطبۂ جابیۃ کے ھیں جو عبد الصمد بن دینار ' عامر بن سعد ' سلیمان بن یسار ' وغیرھم سے مروي ھے ' اور بیہقي نے امام شافعی کے طریق سے نقل کیا کہ انہوں نے اجماع کے اثبات میں اسی روایت سے استدلال کیا - اسي طرح حدیث متواتر بالمعني " علیکم بالسواد الاعظم " اور " فانه من شذ شذ في النار " اور " ید الله علي الجماعة " اور " لایجمع الله امتي علی الضلالة " اوکما قال - اور خطبۂ حضرۃ امیرکه " وایاکم و الفرقة ' فان الشاذ من الناس الشیطان ' کما ان الشاذ من الغنم للذئب - الا ' من دعا الي ھذا الشعار فاقتلوه و لو کان تحت عمامتي ھذا " وغیرذلك اس بارے میں معلــوم و مشہور ھیں - آخري قول دیگر روایات میں بطریق مرفوع بھي منقول ھے - خلاصه ان سب کا یه ھے که ھمیشه جماعت کے ساتھه ھوکر رھو - جو جماعت سے الگ ھوا اسکا ٹھکانا دوزخ ھے - افراد تباہ ھوسکتے ھیں مگر ایک صالح جماعت کبھي تباہ نہیں ھو سکتي - اسپر الله کا ھاتھه ھے - اللــه کبھي ایسا ھونے نه دیگا که پوري امت گمراھي پر جمع ھوجاـــے -

اسي طرح نماز کي جماعت کي نسبت ھر حال میں التــــزام پر زور دینا ' اور اگرچه امام نا اھل ھو لیکن سعي قیام اھل کے ساتھه التزام جماعت کو بھي جاري رکھنا ' حتی که " صلــوا خلف کل برو فاجر " تو اسمیں بھي یہي حقیقت مضمر ھے که زندگی جماعتي زندگي ھے - انفراد و فرقــة ھر حال میں بربادي و ھـــلاکت ھے - پس جماعت سے کسي حال میں باھر نه ھوناچاھیے -

اور یہي سبب ھے که سورۂ فاتحه میں جو قومي دعا مسلمـانوں کو سکھلائي گئي ' اسمیں متکلم واحد نہیں ھے بلکه جمع ' حالانکه وہ دعا فرداً فرداً ھر مومن کي زبان سے نکلنے والي تھي " اھدنا الصراط المستقیم " فرمایا - " اھدني " نہیں کہا گیا - یه اسیلیــــے ھے که قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کي ھستی کوئي شے نہیں ھے - ھستي صرف اجتماع اور جماعت کي ھے ' اور فرد کا وجود اور اعمال بھي صرف اسي لیے ھیں تاکه اُنکے اجتماع و تالیف سے ھئیة اجتماعیه پیدا ھو - اسي لیے اس دعا میں که حاصل ایمان ' و خلاصۂ قرآن ' و عصارۂ اسلام ھے ' متکلم جمع کا صیغه آیا نه که واحد کا - اور اسي لیے مسلمانوں کي باھمي ملاقات کے وقت جو امتیازي دعا سکھلائي گئي ' وہ بھي بصیغۂ جمع آئي اگرچه مخاطب واحد ھو - یعني

" السلام علیکم " - " السلام علیک " نہیں قرار دیا گیا - اسی طرح نماز سے باھر آنے کیلیے بھی " السلام علیکم " بصیغۂ جمع رکھا گیا - واحد کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا - علت اسکی یہی ھے - نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی -

اور اسی بنا پر احکام و اعمال شریعت کے ھر گوشے اور ھر شاخ میں یہی اجتماعی و ائتلافی حقیقت بطور اصل و اساس کے نظر آتی ھے - نماز کی جماعت خمسہ اور جمعۂ و عیدین کا حال ظاھر ھے - حج بجز اجتماع کے اور کچھہ نہیں - زکواۃ کی بنیاد ھی اجتماعی زندگی کا قیام اور ھر فرد کے مال و اندوختہ میں جماعت کا ایک حصہ قرار دیدینا ھے - علاوہ بریں اُسکی ادائیگی کا نظام بھی انفرادی حیثیت سے نہیں رکھا گیا بلکہ جماعتی حیثیت سے - یعنے ھر فرد کو اپنی زکواۃ خود خرچ کردینے کا اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ بد قسمتی سے آج مسلمان کر رھے ھیں اور جو صریح غیر شرعی طریقہ ھے ' بلکہ مصارف زکواۃ متعین کرکے حکم دیا گیا کہ ھر شخص اپنی زکواۃ کی رقم امام و خلیفۂ وقت کے سپرد کردے - پس اسکے خرچ کی بھی اصلی صورت جماعتی ھے نہ کہ انفرادی - یہ امام کا کام ھے کہ اسکا مصرف تجویز کرے اور مصارف منصوصہ میں سے جو مصرف زیادہ ضروری ھو ' اسی کو ترجیح دے - ھندوستان میں اگر امام کا وجود نہ تھا ' تو جس طرح جمعہ و عیدین وغیرہ کا انتظام عذر کی بنا پر کیا گیا ' زکواۃ کا بھی کرنا تھا -

اور پھر یہ حقیقت کسقدر واضح ھوجاتی ھے جب اُن تمام مشہور احادیث پر غور کیا جاے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی تصویر کھینچی گئی ھے " مثل المومنین فی توادھم و تعاطفھم کمثل الجسد الواحد - اذا اشتکی منہ عضوٌ تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی " (صحیحین) اور " المسلم للمسلم کالبنیان - یشد بعضہ بعضا " (بخاری) یعنی مسلمانوں کی قومیت ایسی ھے جیسے ایک جسم اور اسکے مختلف اعضا - ایک عضو میں درد ھو تو سارا جسم محسوس کرتا ھے ' اور اسکی بے چینی اور تکلیف میں اسی طرح حصہ لیتا ھے جیسے خود اسکے اندر درد اُٹھہ رھا ھو - اور انکی مثال دیوار کی سی ھے - ھر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا پاتی اور سہارا دیتی ھے - پھر تشبیک اصابع کرکے اسکی تصویر بتلادی - یعنی ایک ھاتھہ کی انگلیاں دوسرے ھاتھہ کی انگلیوں میں رکھکر دکھلادیا کہ اس طرح ایک دوسرے سے جڑا ھوا اور متصل ھے - سو ان تمام تصریحات میں بھی اسی حقیقت کو واضح کیا ھے کہ اسلام کی قومیت متفرق

اینٹوں کا نام نہیں ھے - دیوار کا نام ہے - الگ الگ اینٹ کا کوئي مستقل وجود نہیں - ہے تو اجتماعي وجود ہے - یعني دیوار کا ایک جزء ھے ' اور انہي اجزاء کے ملنے سے دیوار متشکل ھوتي ھے -

اور یاد رہے کہ یہ جو نماز میں تسویۂ صفوف پر سخت زور دیا گیا - یعني صف بندي پر' اور سب کے سروں ' سینوں ' پانوں کے ایک سیدھہ میں ھونے پر - " لتسون صفوفکم أو لیخالفن الله بین وجوھکم " (بخاري) اور روایت انس کہ " سووا صفوفکم فان تسویة الصفوف من اقامة الصلوة " (بخاري) وفي لفظ " من تمام الصلوة " تو اسمیں بھي یہي بھید ھے اور تشریح کا یہ موقعہ نہیں - قرآن و سنت کي تصریحات و حکمیات اس بارے میں اسقدر کثرت سے اور محتاج تفسیر و کشف ھیں کہ ایک ضخیم مجلد مطلوب - تفسیر البیان میں مفصل لکھہ چکا ھوں

فصل

(جمع و تفرقۂ قوی و مناصب)

اس قانون الہي کے مطابق مسلمانوں کي قومي زندگي و عروج کا اصلي دور وھي تھا ' جب اُنکي قومي و انفرادي ' مادي و معنوي ' اعتقادي و عملي زندگي پر اجتماع وائتلاف کي رحمت طاري تھي ' اور اُنکے تنزل و ادبار کي اصلي بنیاد اُسي دن پڑي ' جب اجتماع و ائتلاف کي جگہ اشتات و انتشار کي نحوست چھاني شروع ھوگئي - ابتدا میں ھر مادہ مجتمع تھا ' ھر طاقت سمٹي ھوئی تھي ' ھر چیز بندھي ھوئي تھي ' لیکن بہ تدریج تفرقۂ و انتشار کي ایسي ہوا چلي کہ ھر بندھن کھلا ' ھر جماؤ پھیلا ' ھر ملي جلي اور اکٹھي طاقت الگ الگ ھوکر منتشر اور تتر بتر ھوگئي - قرآن حکیم کے بتلاے ھوے قانون تنزل اقوام کے مطابق یہ حالت ھر چیز اور ھر گوشۂ وجود و عمل پر طاري ھوئي ' اور ایک ھزار برس پر تین صدیاں گزرچکي ھیں کہ برابر طاري ھو رھي اور بڑھتي جاتي ھے - لوگ اسباب تنزل امت پر بحث کرتے اور پھر طرح طرح کي علتیں ٹھہراتے اور طرح طرح کے ناموں سے موسوم کرتے ھیں ' حالانکہ قرآن و سنة اور عقلیات صادقہ کے نزدیک تنزل کے تمام فسادات و نتائج صرف اِسي ایک چیز کا نتیجہ ھیں - اس ایک حقیقت کو کتنے ھي مختلف ناموں سے پکار لو ' مگر اصلي علت اسکے سوا کوئي نہیں -

موتیوں کے انتشار کا دور ساری چیزوں پر طاری ہوا ' لیکن یہاں صرف ایک ھي پہلو واضح کرنا مقصود ھے - آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اسلامي طاقت کي اصلي شخصیت تهي - آپ جب دنیا سے تشریف لیگئے تو صرف ایک داعي شریعت یا حامل وحي هي کي جگہ خالي نہیں ہوئي ' بلکہ اُن ساري قوتوں ' سارے منصبوں ' ساري حیثیتوں ' اور ہر طرح کے نظري و عملي اختیارات و قوی کي ' جو آپکي شخصیت مقدسہ میں اکٹھي تھیں ' اور جنکا آپکے تنہا وجود مقدس میں جمع ہونا اسلام کي شرعي و دیني خصوصیات میں سے تھا - اسلام کا داعي مسیحیت کے مقدس پہاڑي واعظ کي طرح صرف ایک اخلاقي معلم هي نہ تھا ' اور نہ دنیا کے فاتح حکمرانوں کي طرح محض ایک جہانگیر اور عالم ستاں شہنشاہ - اسلام نے دین کو دنیا سے اور شریعت کو حکومت و جہانباني سے الگ نہیں رکھا - وہ تو یہ سکھلانے آیا تھا کہ دین و دنیا دو نہیں ایک ھي چیز ھیں ' اور شریعت سے حکومت و سلطنت الگ نہیں ھے ' بلکہ سچي حکومت اور خدا کي مرضي کے مطابق سلطنت وھي ھے جسکو شریعت نے خود پیدا کیا ہو ' پس اسلام کے داعي کا وجود ایک ھي وقت میں اُن تمام حیثیتوں اور منصبوں کا جامع تھا ' جو ھمیشہ دنیا کي صدها مختلف شخصیتوں کے اندر منقسم رھي ھیں - وہ اللہ کا پیغمبر تھا ' شریعت کا مقنن تھا ' اُمت کا باني تھا ' ملکوں کا حاکم اور سلطنت کا مالک تھا - وہ اگر پتوں اور چھال سے پٹي ہوئي مسجد کے ممبر پر وحي الٰهي کا ترجمان اور انساني سعادت و ھدایت کا واعظ تھا ' تو اُسي کے صحن میں یمن کا خراج تقسیم کرنے والا اور فوجونکو میدان جنگ میں بھیجنے کیلیے سپہ سالار لشکر بھي تھا - وہ ایک ھي وقت اور ایک ھي زندگي میں گھرونکا نظام معاشرت درست کرتا اور نکاح و طلاق کے قوانین نافذ کرتا اور ساتھہ ھي بدر کے کنارے دشمنوں کا حملہ بھي روکتا ' اور مکہ کي گھاٹیوں میں سے ایک فاتح حکمراں کي طرح نمایاں بھي ہوتا تھا - غرضکہ اُسکي ایک شخصیت کے اندر مختلف حیثیتیں اور منصب جمع تھے ' اور اسلام کا نظام دیني یہي تھا کہ یہ ساري قوتیں ایک ھي فرد میں جمع رھیں -

جب آپ دنیا سے تشریف لیگئے تو خلفاء راشدین کي خلافت خاصہ اسي اجتماع قوی و مناصب پر قائم ہوئي ' اور اسي لیے اُسکو " منهاج نبوۃ " سے تعبیر کیا گیا - یعني یہ نیابت ٹھیک ٹھیک ہر لحاظ اور ہر پہلو سے شخص جامع نبوۃ کي سچي قائمقامي اپنے اندر رکھتي تھي -

منصب نبوۃ مختلف اجزاء نظر و عمل سے مرکب ہے - ازان جملہ ایک جزء وحی و تنزیل کا مورد ہونا اور شریعت میں تشریع و تاسیس قوانین کا اختیار رکھنا ہے - یعنی قانون وضع کرنا اور اسکے وضع و قیام کی معصومانہ و غیر مسئولانہ قوت - اس جزء کے اعتبار سے نبوت آپکے وجود پر ختم ہوچکی تھی اور قیامت تک کیلیے شریعت و قانون کے وضع و قیام کا معاملہ کامل ہوچکا تھا - جب نعمت کامل ہوگئی تو پھر کامل چیز ہی کو ہمیشہ باقی رہنا چاہیے - اسکی جگہ کسی دوسری چیز کا آنا نقص کا ظہور ہوگا نہ کہ تکمیل کا : الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ' و رضیت لکم الاسلام دینا (۵ : ۴)

لیکن منصب نبوت اس اصلی جزء کے ساتھہ بہت سے تبعی اجزاء پر بھی مشتمل تھا ' اور ضرور تھا کہ انکا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے - اس چیز کو مختلف احادیث میں مختلف تعبیرات سے موسوم کیا ہے - حضرۃ عمر کیلیے " محدث " (بالفتح) کا مقام بتلایا گیا - علماء کو انبیاء کا وارث کہا گیا - مبشرات صادقہ کو نبوت کا چالیسواں جزء قرار دیا - " لم یبق الا المبشرات " حدیث تجدید بھی اسی سلسلہ میں داخل ہے - پس خلفاء راشدین کو جو نیابت پہنچی ' اسمیں وحی و تشریع کی قائم مقامی تو نہیں ہوسکتی تھی ' لیکن اور تمام اجزاء و خصائص نبوت کی نیابت داخل تھی - داعی اسلام کا وجود نبوت کے ساتھہ خلافت ارضی ' حکومت و سلطنت ' نظام و قوام سیاست ' قیادۃ فوج و حرب ' فتح و عمران ممالک ' ریاست مجالس شوری ' وغیرہ ' جہاں بانی و حکمرانی کے تمام منصب تنہا اپنی شخصیت کے اندر رکھتا تھا ' اسلیے ٹھیک ٹھیک اسی طرح خلافت خاصہ میں بھی خلفاء راشدین کا تنہا وجود ان ساری نظری و عملی قوتوں اور تمام منصبوں کا جامع ہوا - وہ ایک ہی وجود کے اندر صاحب امامت و خلافت بھی تھے ' صاحب اجتہاد و قضاء بھی تھے ' اور صاحب سیاست و نظم احکام و بلاد بھی - اصلاً " امامت کبری " کا مقام اجتہاد دینی اور سیاست ملکی ' دونوں سے مرکب ہے - اسلیے انکی امامت میں یہ دونوں قسمیں اپنی تمام شاخوں کے ساتھہ اکٹھی تھیں - حضرۃ عمر مسجد کے دار الشوری میں مسائل شرعیہ کا بہ حیثیت ایک مجتہد کے فیصلہ کرتے تھے ' عدالت میں مقدمات سنتے تھے ' اور دیوان فوجی میں فوجوں کو تنخواہ بھی بانٹتے تھے - اگر وہ نماز جنازہ کی معین تکبیرات پر صحابہ کا اجماع کراتے

تھے ' تو راتوں کو شہر میں گشت لگاکر احتساب کا فرض بھی ادا کرتے تھے
میدان جنگ میں احکام بھی وھی بھیجتے' اور روم کے سفیر کو بہ حیثیت
شہنشاہ اسلام اپنے سامنے بھی وھی بلاتے !

اسی طرح نبوت کا مقام ' تعلیم و تربیت امت کی مختلف قوتوں سے
مرکب تھا - قرآن حکیم نے انکو تین اصولی قسموں میں بانٹ دیا ھے :

يتلو عليهم آياته ' و يزكيهم ' و يعلمهم الكتاب و الحكمة (٣ : ٦٢) تلاوت
آیات - تزکیۂ نفوس - تعلیم کتاب و حکمت - خلفاء راشدین ان تینوں
منصبوں میں وجود نبوت کے نائب تھے - وہ منصب اجتہاد و قضاء شرع کے
ساتھہ قوت ارشاد و تزکیۂ و تربیت بھی رکھتے تھے - وہ ایک صاحب وحی
کی طرح خدا کے کلام کی منادی کرتے' ایک نبی کی طرح دلوں اور روحوں
کو پاکی بخشتے ' اور ایک رسول کی طرح تعلیم کتاب اور حکمت سنة سے
امت کی تربیت و پرورش کرنے والے تھے - وہ ایک ھی وجود میں
ابو حنیفۂ و شافعی بھی تھے (رح) اور جنید و شبلی بھی (رح) - نخعی
و حماد بھی تھے ' اور ابن معین و ابن راھویه بھی (رح) جسموں کا نظام
بھی آنھی کے ھاتھوں میں تھا - دلوں کی حکمرانی بھی آنھی کے قبضه
میں تھی - یہی حقیقی اور کامل معنی منصب نبوت کی نیابت کے
ھیں ' اور اسی لیے آنکا وجود اور انکے اعمال بھی اعمال نبوت کا ایک
آخری جزء تھے که " عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين " اور اسی لیے
" و عضوا عليها بالنواجذ " کے حکم میں نه صرف سنة عهد نبوت ' بلکه
خلافت راشدۂ و خاصه کی سنة بھی داخل ھوئی ' اور شرح اس سر الهی
کی بہت طولانی ھے - یہاں محض اشارات مطلوب -

لیکن جیسا که پہلے سے خبر دیدی گئی تھی ' اجتماع و ائتلاف کی یه
حالت حضرة علي عليه السلام پر ختم ھوگئی- اسکے بعد سے اشتات و انتشار کا
دور شروع ھوا - ازانجمله مرکزی قوتوں اور منصبوں کا انتشار و اشتات تھا'
جس نے في الحقیقت امت کا تمام نظام شرعی و اصلی درھم و برھم کردیا -
خلافت خاصه کے بعد یه ساری یکجا قوتیں الگ الگ ھوگئیں - ایک وجود
کی جگه مختلف وجودوں میں آنکا ظہور اور نشو و نما ھوا - حکومت و
فرماں روائی کا ٹکڑہ الگ ھوکر مجرد پادشاھی کی شکل میں آگیا - اسی
کی طرف اشارہ تھا " الخلافة بعدي ثلاثون سنة ثم ملك " سو واقعی اسکے

بعد صرف پادشاهي هي رهگئي - اجتهاد ار ر قضاء شرعی کا جزء خلافت سے الگ هوا تو مجتهدين و فقهاء کي ايک الگ جماعت پيدا هوگئي - انهون نے يه کام سنبهالا - اسي طرح تعليم و تربيت روحاني کے کار و بار سے نظام حکومت بالکل الگ هوگيا - پہلے خلافة کي ايک هي بيعت تمام مقاصد کي کفيل تهي - اب خليفه کا وجود محض پادشاهي کيليے اور فقهاء کا مجرد استنباط احکام و مسائل کيليے رهگيا ' تو تزکيهٔ نفوس اور ارشاد قلوب کيليے ايک دوسري بيعت مستقلاً قائم هوئي ' جو بيعت توبهٔ و ارشاد هوئي ' اور اسطرح اصحاب طريقت و تصوف کي بنياد پڑي - پہلے صرف ايک وجود تها - وه پادشاه ' مجتهد ' مرشد ' قاضي القضاة ' سپه سالار جنگ ' مير عدل و احتساب ' سب کچهه تهـــا - اب يه ساري قوتيں الگ الگ هوگئيں - حـــکومت و فرمانروائي الگ ايک وجود ميں آئي - اجتهاد و تفقه کيليے دوسرا وجود مرکز بنا - قضاء کيليے تيسرا - ارشاد و تزکيهٔ قلوب کيليے چوتها - و هلم جرا - غرضکه عهد اجتمـــاع قوی و مناصب کے بعد دور انتشار قوی و مناصب شروع هوکر رفته رفته کمال ظهور و بلوغ تک پهنچ گيا - حتی که يه تمام قوتيں اسطرح ايک دوسرے سے بيگانهٔ و مخالف هوگئيں که يا تو ايک هي وجود ميں جمع تهيں ' يا اب مختلف وجودوں ميں بٹ کر بهی متفق نه رهسکيں - صرف اختلاف تعدد و تنوع هي نهيں رها ' بلکه اختلاف تضاد کي شکل پيدا هوگئي - يهی سب سے بڑي مصيبت و هلاکت تهي جو امت پر طاري هوئي - مسلمانوں کے تنزل و ادبار کي اصلی علت يه هے - وه افسانے نهيں هيں جنميں تم سرمست هو - افسوس که سطحي و جزئي حالات کے استغراق نے اصلي اسباب و علل پر غور کرنے کی تمهيں کبهی مهلت نه دي ' اور نه بحث و نظر ميں يورپ کي تقليد سے آزاد هوسکے که خالص اسلامي فکر و نظر اسباب ترقي و تنزل پر تدبر کرتے !

غرضکه خلافت راشده کے بعد جو سلسلهٔ خلافت قائم هوا ' وه خواه قرشي رها هو يا غير قرشي ' مجرد ملوکي و پادشاهي کا سلسله تها ' اور بجز چند مستثنی اوقات کے (جيساکه عهد حضرة عمر بن عبد العزيز) يه نيابت نبوت کے اور تمام اجزاء سے يکقلم خالي رها - منصب بٹ چکے تهے - قوتيں منتشر هو چکي تهيں - البته جو انقلاب سلطان عبد الحميد خان کے زمانے ميں هوا اور جسکا نتيجه يه نکلا که سلاطين عثمانيه کي خلافت طريق استبدادي و شخصي سے طريق شوری ميں تبديل هوگئي ' سو بلا شبه

خلافت راشدہ کي طرف عود و رجعت کا یہ ایک مبارک قدم تھا ' جسکے لیے شوریٰ اور پارلیمنٹ کا ھونا سب سے پہلي شرط ھے - لیکن ان جزئي مستثنیات کے علاوۃ عام حالات و خصائص ھر دور اور ھر سلسلے کے وھي رھے جو ایک جامع لفظ " ملک عضوض " میں بتلادیے گئے تھے ' اور اس میں کبھي کوئي نمایاں اور پائدار تبدیلي نہ ھوئي -

فصل

(اطاعت خلیفہ و التزام جماعۃ)

اس اجمالي تمہید کے بعد سب سے زیادہ اھم مسئلہ سامنے آتا ھے - یعني اسلام کا وہ نظام شرعي جو ھر مسلمان کو خلیفۂ وقت کي معرفت اور اطاعت پر اسي طرح مجبور کرتا ھے ' جس طرح اللہ اور اسکے رسول کي اطاعت پر - جب تـک وہ اللہ اور اسکے رسول کے خلاف کوئي حکم نہ دے - اسلام کا قانون اس بارے میں اپني تمام شاخوں اور تعلیموں کي طرح في الحقیقت کائنات هستي کے قدرتي نظام کا ایک جزء اور قوام هستي کي زنجیر فطرۃ کي ایک قدرتي کڑي ھے - کائنات کے ھر حصہ اور ھر گوشہ میں ھم دیکھتے ھیں کہ اللہ کي قدرت و سنۃ ایک خاص نظام پر کار فرما ھے جسکو " قانون مرکز " یا " قانون دوائر " سے تعبیر کیا جاسکتا ھے - یعني قدرت نے خلقت و نظام خلقت کے بقا و قیام کیلیے ھر جگہ اور ھر شاخ وجود میں یہ صورت اختیار کر رکھي ھے کہ کوئي ایک وجود تو بمنزلۂ مرکز کے ھوتا ھے ' اور بقیہ اجسام ایک دائرہ کي شکل میں اسکے چاروں طرف وجود پاتے ھیں ' اور پورے دائرہ کي زندگي اور بقاء صرف اُس مرکزي وجود کي زندگي اور بقا پر موقوف ھوتي ھے - اگر ایک چشم زدن کیلیے بھي دائرہ کے اجسام اپنے مرکز سے الگ ھوجائیں ' یا مرکز کي اطاعت و انقیاد سے باھر ھو جائیں ' تو معاً نظام هستي درھم برھم ھوجاے اور دائرہ کي اکیلي هستیاں مرکز سے الگ رھکر کبھي قائم و باقي نہ رھسکیں - یہی وہ حقیقت ھے جسکو بعض اصحاب اشارات نے یوں تعبیر کیا کہ " الحقیقۃ کالکرہ " اور صاحب فتوحات نے کہا کہ " دائرۂ قاب قوسین " ھے -

یہ قانون مرکزیۃ و دوائر نظام ہستی کے ہر جزء اور ہر حصہ میں صاف صاف دیکھا جاسکتا ہے - یہ نظام شمسی جو ہمارے اوپر ہے، ستاروں کی یہ گنجان آبادی، کروں کا یہ صحرائے بے کنار، زندگی اور حرکت کا یہ محیر العقول طلسم، کیا ہے؟ کس نظام پر یہ پورا کارخانہ چل رہا ہے؟ اسی قانون مرکزیۃ پر - متحرک سیاروں کے حلقے اور دائرے ہیں، ہر دائرہ کا نقطۂ حیات و بقا سورج کا مرکزی نقطہ ہے - تمام ستارے اپنے اپنے کعبۂ مرکز کا طواف کر رہے ہیں اور ہر دائرہ کی ساری زندگی اور بقا صرف مرکز شمسی کی اطاعت و انقیاد پر موقوف ہے: ذلک تقدیر العزیز العلیم - خود ہماری زمین بھی ایک ایسے ہی دائرہ کی ایک کڑی ہے اور شب و روز اپنے مرکز کے طواف و انقیاد میں مشغول ہے - ہر ستارے کے طواف و دوران کیلیے حکمت الہی نے ایک خاص راہ اور ایک خاص زمانہ قرار دیدیا ہے - وہ اُس سے باہر نہیں جاسکتا - سب بحکم و لہ اسلم من فی السماوات و الارض (۲ : ۸۳) اور ان اللہ یسجد لہ من فی السماوات و من فی الارض و الشمس و القمر و النجوم (۲۲ : ۱۹) خدا کے بنائے ہوے قانون کے مطابق اپنی اپنی جگہوں میں کام کر رہے ہیں: لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر، و لا اللیل سابق النہار، و کل فی فلک یسبحون (۳۶ : ۴۱)

قانون مرکزیۃ کا یہ پہلا اور بلند ترین نظارہ تھا - اب اسکے بعد جسقدر نیچے اُترتے آئینگے، اور حرکت و حیات کی بلندیوں سے لیکر زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے گوشوں تک نظر ڈالینگے، ہر جگہ زندگی اور بقا اسی قانون سے وابستہ نظر آئیگی - عالم نباتات میں درخت کو دیکھو - اسکی ایک مجتمعہ وحدۃ کتنی وسیع کثرت سے مرکب ہے؟ ڈالیاں ہیں، شاخیں ہیں، پتے ہیں، پھول ہیں - لیکن سب کی زندگی ایک ہی مرکز یعنی جڑ سے وابستہ ہے - جڑ سے جہاں کوئی شاخ الگ ہوئی، موت و فنا اُسپر طاری ہوگئی - آفاق کو چھوڑ کر عالم انفس کی طرف آؤ، اور خود اپنے وجود کو دیکھو جسکے دیکھنے کیلیے نظر اُٹھانے کی بھی ضرورت نہیں - تمہارا وجود کتنے مختلف ظاہری و باطنی اعضاء سے مرکب ہے؟ جسموں اور وجودوں کی ایک پوری بستی ہے

جو تم میں آباد ہے - ہر جسم کا فعل ہے اور ایک خاصہ - لیکن دیکھو! یہ ساری آبادی کس طرح ایک ہی مرکز کے آگے سر بسجود ہے ؟ سب کی حیات کا مرکز صرف قلب ہے - اس سے الگ رہکر ایک عضو بھی زندہ نہیں رہسکتا " اذا اصلحت ، صلحت کلہا ، و اذا فسدت ، فسدت کلہا "

اسلام فی الحقیقت سنۃ اللہ اور فطرت اللہ ہی کا دوسرا نام ہے - اگر نوع انسانی کی سعادت و ارتقاء کیلیے قانون اسلام اسی فاطر السماوات و الارض کا بنایا ہوا ہے جسنے تمام کائنات کیلیے قانون حیات بنایا ، تو ضرور ہے کہ دونوں میں اختلاف نہو بلکہ پہلا قانون پچھلے قانون عام کا ایک ایسا قدرتی جزء نظر آے ، جیسے زنجیر کی ایک کڑی - پس اسلام کا نظام شرعی بھی ٹھیک ٹھیک اسی قانون مرکزیۃ پر قائم ہوا - قرآن نے یہ حقیقت جا بجا واضح کی ہے کہ جس طرح اجسام و اشیاء کی زندگی اپنے اپنے مرکزوں سے وابستہ ہے ، اسی طرح نوع انسانی اور اسکی جماعت و افراد کا جسمانی و معنوی بقاء بھی قانون مرکزیۃ پر موقوف ہے - جس طرح ستاروں کی زندگی اور حرکت کا مرکز و محور سورج کا وجود ہے - اسی طرح نوع انسانی کا بھی مرکز سعادت انبیاء کرام کا وجود ہے - پس انکی اطاعت و انقیاد بقاء و حیات کیلیے ناگزیر ٹھہری : و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۴ :۶۸) دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا مگر اسلیے کہ اسکی اطاعت کی جاے ، اور اسی لیے فرمایا : فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ، ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیما (۴ : ۶۹) اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ - پھر قوم و ملت کے بقاء کیلیے ہر طرح کے دائرے اور ہر طرح کے مرکز قرار دیے - اعتقاد میں اصلی مرکز عقیدۂ توحید کو ٹھہرایا جسکے گرد تمام عقائد کا دائرہ قائم ہے : ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء (۴ : ۵۲) عبادات میں نماز کو مرکز عمل ٹھہرایا جسکے ترک کردینے کے بعد تمام دائرۂ اعمال منہدم ہوجاتا ہے - " فمن اقامہا اقام الدین ، و من ترکہا فقد ہدم الدین " اور اسی لیے یہ بات ہوئی کہ " کان اصحاب رسول اللہ صلعم لایرون شئیا من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوۃ " (ترمذی) یعنی صحابۂ کرام کسی عمل کے ترک کردینے کو کفر نہیں سمجھتے تھے مگر نماز کے ترک کو - اسی طرح تمام قوموں اور ملکوں کا ارضی مرکز سعادت وادی حجاز کا کعبۃ اللہ قرار پایا : جعل اللہ الکعبۃ البیت

الحرام قیاماً للناس - " قیاماً للناس " پر غور کرو - اور چونکہ یہ مرکز ٹھہرا ' اس لیے تمام دائرہ کا رخ بھی اسی طرف ہوا - خواہ دنیا کی کسی جہت میں مسلمان ہوں ' لیکن اُنکا منھہ اسی طرف ہونا چاہیے : و حیث ما کنتم فولوا وجوهکم شطرہ (۲ : ۱۴۵)

پھر جس طرح شخصی اور اعتقادی و عملی زندگی کیلیے مراکز قرار پاے ' ضرور تھا کہ جماعتی اور عملی زندگی کیلیے بھی ایک مرکزی وجود قرار پاتا - لہذا وہ مرکز بھی قرار دیدیا گیا - تمام امت کو اس مرکز کے گرد بطور دائرہ کے ٹھہرایا - اُسکی معیت ' اُسکی رفاقت ' اُسکی اطـاعت ' اُسکی حرکت پر حرکت ' اُسکے سکون پر سکون ' اسکی طلب پر لبیـک ' اُسکی دعوۃ پر انفاق جان و مال ' ہر مسلمان کیلیے فرض کردیا گیا - ایسا فرض جسکے بغیر وہ جاهلیۃ کی ظلمت سے نکلکر اسلامی زندگی کی روشنی میں نہیں آسکتا - اسلام کی اصطلاح میں اسی قومی مرکز کا نام " خلیفہ " اور امام ھے ' اور جب تک یہ مرکز اپنی جگہ سے نہیں ھٹتا ھے - یعنی کتاب و سنۃ کے مطابق اُسکا حکم ھے ' ھر مسلمان پر اسکی اطاعت و اعانت اُسی طرح فرض ھے جس طرح خود اللہ اور اُسکے رسول کی :

یا ایها الذین آمنو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم - فان تنازعتم فی شي فردوہ الی اللـہ و الرسول ' ان کنتم تومنون باللہ و الیوم الاخر - ذلک خیر و احسن تاویلا - (۴ : ۶۳)

مسلمانو ! اطاعت کرو اللـہ کی ' اُسکے رسول کی ' اور تم میں جو اولو الامر ھو ' اُسکی - پھر اگر کسی معاملـہ میں تم مختلف ھوجاؤ تو چاھیے کہ اللہ اور اسکے رسول کی طرف لوٹو اور اسکے فیصلہ پر متفق ھوجاؤ -

اس آیت میں بالترتیب تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ھے - اللـہ کی ' رسول کی ' مسلمانوں میں جو اولو الامر ھو ' اسکی - اللـہ کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت ھے - رسول کی اطاعت سے مقصود سنت قولی و فعلی ھے - باقی رھی اطاعت اولوالامر ' تو نہایت قوی و روشن وجوہ موجود ھیں کہ " اولوالامر " سے مقصود مسلمانوں کا خلیفۃ و امام ھے جو کتاب و سنت کے احکام نافذ کرنے والا ' نظام امت قائم رکھنے والا ' اور تمام اجتہادی امور میں صاحب حکم و سلطان ھے :

اولاً ' بحکم " القران یفسر بعضه بعضا " اولوالامر کي تفسیر خود قرآن هي کے اندر تلاش کرني چاهیے - اسي سورت میں آگے چلکر یه لفظ دوبارہ آیا هے :

و اذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ' ولو ردوه الی الرسول و الی اولی الامر منهم ' لعلمه الذین یستنبطونه منهم - (۴ : ۸۶)

اور جب کوئي امن یا خوف کي خبر اُن تک پهونچتي هے ' تو بلا سونچے سمجھے لوگوں میں پهیلادیتے هیں - حالانکه اگر وہ الله کے رسول کي طرف اور اُن لوگوں کي طرف رجوع کرتے جو اُن میں " اولوالامر" هیں ' تو فوراً اصلیت کهل جاتي اور وہ اُس خبر کے سچے جهوٹے هونے کا پته لگالیتے -

اس آیت میں ایسے وقتوں کا ذکر کیا گیا هے جب امن و خوف یعني صلح و جنگ اور فتح و شکست کي افواهیں ملک میں پهیلتي هیں اور بے اصل خبروں کي اشاعت سے لوگوں میں اضطراب و غلط فهمي پیدا هوجاتي هے - ایسي صورتیں منافقین اور بعض ضعیف القلب مسلمانوں کي وجه سے عهد نبوي میں بهي پیش آجاتي تهیں - پس فرمایا که جب کوئي افواہ سنو تو پہلے الله کے رسول اور اپنے " اولوالامر" تک پهنچاؤ - تا که وہ اس کي صحت و عدم صحت کي تحقیق کرلیں اور خبر کي نوعیت اور راویوں کي حالت پر غور کرکے صحیح نتائج کا استنباط کریں - ایسا نه کرو که جهاں کوئي افواہ سني' فوراً اسپر یقین کرلیا اور لوگوں میں پهیلانا شروع کردیا -

اب غور کرنا چاهیے که اس آیت میں " اولو الامر" سے مقصود کون لوگ هوسکتے هیں ؟ یه ظاهر هے که ذکر امن و خوف کے حالات کا هے - یعنی صلح و جنگ اور فتح و شکست کا - ان حالات کا تعلق صرف حکام و امراء ملک هي سے هوسکتا هے- علما اور فقهاء سے نهیں هوسکتا - معامله نظم ملک و قیام امن کا هے - استنباط مسائل اور حلال و حرام کا نهیں هے - پس لامحاله تسلیم کرنا پڑیگا که اولو الامر سے مقصود وهي لوگ هیں جنکے سپرد ملک کا انتظام اور جنگ و امن کا نظم و نسق هوتا هے ' اور جو اُن خبروں کي تحقیق کرسکتے هیں جنکا اثر ملک کے امن و خوف پر پڑسکتا هے - یعني ارباب حکومت و امارت -

ثانیاً ' کتاب و سنة اور صدر اول کے آثار عربیة پر غور کرنے سے معلوم هوتا هے که لفظ " امر" جب ایسي ترکیب کے ساتهه بولا جاے جیسی که یهاں هے'

تو اُسکا اطلاق عموماً حکومت و سلطنت ھی کے معنوں پر ھوتا ھے - احادیث میں یہ استعمال اس کثرت سے موجود ھے کہ ایک صاحب نظر کیلیے کسي مزید دلیل کی ضرورت نہیں - نیز لغة کي بنا پر بھي ظاھر ھے کہ " امر" کے معني حکم کے ھیں، اور " اولي الامر" کے معني امام بخاري نے " ذوي الامر " کے کیے ھیں - یعنے " حکم والا " اور معلوم ھے کہ صاحب حکم وھي ھوسکتا ھے جو صاحب حکومت ھو-

ثالثاً ، احادیث صحیحہ سے ثابت ھے کہ خود یہ آیت جس واقعہ کي نسبت اُتري ، وہ امیر جماعت کي اطاعت ھي کا معاملہ تھا - بخاري و مسلم میں ھے " عن ابن عباس نزلت في عبد الله بن حذافة بن قیس ابن عدي اذ بعثه النبي صلعم في سرية " اور امام طبري نے تفسیر میں ایک روایت درج کي ھے کہ عمار بن یاسر اور خالد بن ولید کي باھمي نزاع کے بارے میں اُتري - خالد امیر تھے اور عمار نے بلا اُنکے حکم کے ایک شخص کو مزدوري پر رکھہ لیا تھا " نزلت في قصة جرت لعمار مع خالد وكان خالد اميراً فاجار عمار رجلا بغير امره فتخاصما " دونوں روایتوں سے ثابت ھوتا ھے کہ معاملہ امیر کي اطاعت و عدم اطاعت کا تھا ، نہ کہ احکام و مسائل کے حکم و افتاء کا -

رابعاً ، اکثر اقوال مروية صحابة و تابعین سے بھي یھي تفسیر ثابت ھوتي ھے- بلکہ صدر اول میں صرف یھي تفسیر مشھور و معلوم تھي - بہت سي موشگافیاں جو پیدا کي گئی ھیں، سب بعد کے مفسرین کي طبع زاد ھیں - حافظ ابن حجر نے ابن عیینہ کا قول نقل کیا ھے " سألت زيد بن اسلم عنها و لم يكن بالمدينة احد يفسر القران بعد محمد بن كعب مثله - فقال اقرأ ما قبلها تعرف - فقرأت : ان الله يامر ان تؤدوا الامانات الى اهلها و اذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل - فقال هذه في الولاة " (فتح ۱۳: ۹۹)

یعنی مدینہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم سے بڑھکر قران کا کوئی مفسر نہ تھا - میں نے انسے اس بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے کہا - اس آیت سے ما قبل آیت پڑھو- میں نے پڑھا " ان الله يامر ان تؤدوا الامانات الى اهلها و اذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل " پس کہا کہ مقصود اس سے حکام ھیں - یعنی چونکہ پہلے سے ذکر حکومت و قضا کا ھو رھا ھے ، پس اولو الامر سے مقصود وھی ارباب اقتدار ھیں جو حکومت رکھتے ھوں - طبري نے بسند صحیح حضرة ابو ھریرة اور میمون بن مھران وغیرہ سے

نقل کیا ہے " هم الامراء " اور علامۂ ابن حزم نے اُن تمام صحابۂ و تابعین کو شمار کیا جن سے یہ تفسیر منقول ہے تو ۱۳ - سے زیادہ ثابت ہوے - باقی رہا بعض صحابۂ و تابعین کا یہ کہنا کہ مقصود اہل علم و نظر ہیں - مثلاً جابر بن عبد اللہ کا قول کہ " هم اهل العلم و الخير " اور مجاهد و عطاء و ابو العاليہ کا قول کہ " هم العلماء " تو ان اقوال میں اور صحابہ کی مشہور تفسیر میں کوئي اختلاف نہیں ہے - در اصل اسلام کا نظام حکومت و جماعت تو یہي تھا کہ حکومت و ولایت کا منصب تمام شرعی و علمي قوتوں سے مرکب ہو ' اور اُسوقت تک قوتوں کے انتشار اور مناصب کے تفرقہ کی بنیادیں نہیں پڑي تھیں - پس جو شخص والی ملک اور حاکم مسلمین ہوتا تھا ' وہ بدرجۂ اولی عالم و فقیہ بھی ہوتا تھا - پس جن صحابۂ و تابعین نے " اولو الامر " کي تفسیر میں علم و خیر کا ذکر کیا ' انھوں نے واقعی بہت صحیح تفسیر کی - گویا ظاهر کردیا کہ مسلمانوں کا اولو الامر ایسے هي افراد کو ہونا چاهیے جو اهل علم و خیر ہوں - مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اولو الامر سے مقصود علماء و فقہا کا وہ مخصوص و متعارف گروہ ہے جو اسلام کے نظام جماعت کے انقراض کے بعد پیدا ہوا ' اور جسکا صدر اول کے مفسرین کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا ؟

امام ابن جریر نے عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ہے " ابو بکر و عمر " اس سے بھي اُنکا مقصود یہي ہے کہ اولو الامر مسلمانوں کا خلیفۂ و امام ہے - جیسے ابوبکر و عمر- رضي اللہ عنهما -

اصل یہ ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے حجاز میں ایک طرح کي با قاعدہ طوائف الملوکي قائم تھي ' اور مکہ میں قریش کا قبیلہ بالکل خود مختار اور غیر مسئول تھا - اسلام کا جب ظہور ہوا تو اُس نے " جماعت " اور " امارت " کے نظام پر زور دیا ' اور بڑے بڑے گردن کشوں کو بھي مجبور کردیا کہ اطاعت امیر و التزام جماعت سے باهر نہوں - قریش کي نسلي فطرۃ اس اطاعت کیشي کے خلاف تھي ' اسلیے خصوصیت کے ساتھہ اُنکو اس بات کا خوگر بنانا تھا - حافظ عسقلاني نے امام شافعي کا قول نقل کیا ہے " و رجح الشافعي الاول و احتج بأن قريشا كانوا لا يعرفون الامارۃ و لا ينقادون الى امير ' فامروا بالطاعة لمن ولي الامر ' و لذلک قال صلعم ' من اطاع اميري فقد اطاعني " (فتح ۸ : ۱۹۱)

خامساً ' تاریخ اسلام کے سب سے بڑے فقیہ یعني امام بخاري کا بھي مذھب یہي ھے - کتاب الاحکام میں باب باندھا ھے " اطیعو اللـــہ و اطیعوا الرسول و اولي الامر منکم " اور اس میں حضرت ابو ھریرہ کی روایت درج کی ھے " من اطـــاع امیري فقد اطـاعني " الخ جس نے میرے امیر کی اطـاعت کی اسنے خود میري اطاعت کی - جس نے اُس سے انکار کیا اُس نے خود مجھسے انکار کیا - اس سے معلوم ھوا کہ اُن کے نزدیک اولی الامر کی اطاعت سے مقصود امیر و امام ھي کی اطاعت ھے - حافظ عسقلاني لکھتے ھیں " في ھذا اشارۃ من المصنف الی ترجیح القول الصائر الی أن الایۃ نزلت في طاعۃ الامراء ' خلافاً لمن قال نزلت في العلماء " (فتح ۱۳ : ۹۹)

سادساً ' سب سے زیادہ قدیم اور مکمل تفسیر جو اسوقت ھمارے پاس موجود ھے ' وہ امام ابن جریر طبري کي تفسیر ھے ' اور صحابۃ و تابعین کي تفاسیر پر اُنکا احاطۃ و نظر معـــلوم ' انہوں نے بھي تمام اقوال نقل کرکے ترجیح اسی تفسیر کو دي ھے -

سابعاً ' اس نکتہ پر نظر رھني چاھیے کہ تفسیر قران کے معاملہ میں جسقدر اختلافات کي کثرت اور مذاھب و طرق کا تعدد و تنوع نظر آتا ھے ' وہ تمام تر متاخرین کي فلسفیانہ کاوش پسندي کا نتیجہ ھے جبکہ معقولات کے شیوع اور یونانیۃ کے غلبۃ و احاطہ سے علوم دینیہ میں اُس " تعمق " کي بنیادیں پوري طرح پڑ چکي تھیں جسکي نسبت کہا گیا تھا کہ " ھلک المتعمقون " - فکر و نظر میں عجمیۃ کے ظہور ' عربیۃ خالصۃ و صالحہ کے بعد ' اور علوم سنۃ کے ترک و ھجر نے اس معاملہ کو اور زیادہ گہرا اور وسیع کردیا - لیکن اوائل و سلف میں یہ تمام اختلافات یکقلم ناپید تھے - ھر آیت اور ھر لفظ کے ایک ھي صاف اور سادہ معني تھے جو عربي لغۃ و محاورہ میں ھوسکتے ھیں اور لوگ اُس پر قانع تھے - ابداع معـــاني کثیرہ اور تفحص اشارات و مفہومات بعیدہ کي کاوش ھي نہیں کي جاتي تھي - نہ فرضي و تخمیني شکوک و ایرادات گڑھکر نئے نئے معاني فرض کیے جاتے تھے - " اولو الامر " کا لفظ جب کبھي ایک ایسے عرب کے سامنے کہا جائیگا جسکي عربیۃ خالص و صحیح ھو ' تو صـــرف ایک ھي معني اُس کے ذھن میں آئینگے - یعني صـــاحب حکومت - کسي دوسرے مفہوم کا اسے وھم بھي نہیں گزرے گا - صحابۃ و تابعین اسپر قانع تھے - لیکن امام رازي کي دقیقہ سنجي اس سہل پسندي اور لغوي سادگي پر قانع نہیں ھوسکتي - اس لیے وہ امکاني مطالب کا وسیع

سے وسیع میدان ڈھونڈھتے ھیں اور ھر ممکن مفہوم کو بحث و نظر کی ورزش کیلیے اختیار کرلینا چاھتے ھیں - پس متاخرین کے اختلافات سے متاثر نہیں ھونا چاھیے - صرف اُسی تفسیر کو اختیار کرنا چاھیے جو حدیث و آثار سے ماخوذ ھو ' اور لغة و عربیة اسکی تصدیق کرے - متاخرین کی کاوشیں دراصل ایک طرح کا منطقی تفنن ھے جس سے دماغ کو ورزش ملتی اور ذھن میں حدت پیدا ھوتی ھے - لیکن تفسیر قران نہیں ھے - قران کی تفسیر صرف وھی ھوسکتی ھے جو خود حامل قران کے علوم سے ماخوذ ھو' اور اُن لوگوں نے بتلائی ھو جنکے علم و عمل پر خود الله نے اپنی رضاء و پسندیدگی کی شہادت دی ھے : رضی الله عنهم ورضوا عنه ! اگر سلف سے اعراض و انکار اس بنا پر ھے کہ اصول فقہ و علم کلام کی یونانی دقیقہ سنجیوں سے نا آشنا تھے ' تو کم از کم قران کا علم تو اُنکے لیے چھوڑ دینا چاھیے - یہ کیا مصیبت ھے کہ قرآن نازل تو ھوا ھو محمد عربی (صلی الله علیه و سلم) پر ' لیکن اُسکے معانی و مطالب اُس وقت تک مسلمانوں کو معلوم نہوں جب تک ارسطوے یونانی اُنکی رھنمائی نہ کرے ؟

امام رازی (رح) وغیرہ کو زیادہ حیرانی اس بنا پر ھوئی ھے کہ اولو الامر کی اطاعت کا ذکر بھی الله اور رسول کی اطاعت کے ساتھہ کیا گیا ھے ' اور عطف تسویہ پیدا کر رھا ھے ' پس اولو الامر ایسا ھونا چاھیے جسکی اطاعت عین خدا کی اطاعت ھو ' سلاطین و امراء کو یہ منصب کیونکر حاصل ھوسکتا ھے ؟ حالانکہ بات بالکل صاف تھی - حیرانی کی کوئی وجہ نہیں - قرآن و سنت قانون ھے ' لیکن قانون بالکل بیکار ھے اگر کوئی قوت نافذہ نہو - یعنی اس قانون پر عمل کرانے والی قوت ' اور ظاھر ھے کہ جو قوت نافذہ ھوگی ' اسکی اطاعت عین قوت مقننہ کی اطاعت ھوگی - ایک دھقانی تک جانتا ھے کہ گورنر اور نائب السلطنت کی اطاعت عین پادشاہ کی اطاعت ھے - بلکہ ایک سپاھی کی اطاعت بھی عین قانون اور پادشاہ کی اطاعت ھوتی ھے - اور اس سے مقابلہ کرنا عین قانون اور پادشاہ سے بغاوت کرنا - یہ ساری بحثیں اسلیے پیدا ھوگئیں کہ اسلام کے جماعتی نظام کی اھمیت پر نظر نہ ڈالی گئی - اگر یہ حقیقت پیش نظر ھوتی کہ شریعت کے نفاذ اور امت کے قوام و نظام کیلیے ایک مرکزی اقتدار ناگزیر ھے اور وھی امام اور اُسکے نائب امراء ھیں ' تو اولی الامر کا مطلب بالکل صاف تھا - کسی کاوش و بحث کی ضرورت ھی نہ تھی -

" فان تنازعتم " الخ سے یہ حقیقت بھي واضح ہوگئي کہ اسلامي خلیفہ کا وجود مسیحیت کے پوپ سے کس درجہ مختلف ہے جو اسلام کے نزدیک اربابا من دون اللہ میں داخل ہے - مسیحیت کا خلیفہ ' ارضی خلیفہ نہیں ہے - آسماني و دیني فرمانروا ہے جو مذہب کي آخري طاقت اپنے قبضہ میں رکھتا ہے - لیکن اسلامي خلافت کي اصلي بنا خلافت ارضي یعني حکومت و سلطنت ہے - وہ صرف شریعت اور اُمت کي حفاظت کرنے والا اور احکام شریعت نافذ کرنے والا ہے - یعني محض ایک قوت نافذہ ہے - نہ کہ مقننـــہ - اسکي ذات کو اصل شریعت اور اسکے احکام میں کوئي دخل نہیں - اگر ایسا نہ ہوتا تو فردوہ الی اللہ و الرسول نہ فرمایا جاتا - یعني اگر کوئي ایسي صورت پیش آجاے جسمیں نزاع و اختلاف پیدا ہو ' تو پھر اسکے آخري فیصلہ کي قوت خلیفہ کا حکم نہیں ہے بلکہ مرکز اولی و حقیقي کا - یعني قرآن و سنت کا - اور خود خلیفہ بھي اسکي اطاعت پر اسي طرح مجبور ہے جس طرح جماعت اُمت کا ہر عام فرد -

یہی وجہ ہے کہ " اطیعوا اللہ " کے بعد پھر اطیعوا الرسول " میں فعل کا اعادہ کیا گیا مگر " اولي الامر " میں نہیں کیا گیا - تاکہ واضح ہوجاے کہ اصل اطاعت جو مطلوب ہے وہ اللہ کي ہے اور رسول کي ہے - یعنی کتاب و سنت کي ' اور اولو الامر کي اطاعت صرف اسیلیے ہے تاکہ کتاب و سنت کي اطـــاعت کي جاے - بالاستقلال نہیں ہے - پھر " فان تنا زعتم " کہکر اور زیادہ واضح کردیا کہ اگر اولو الامر کتاب وسنت کے خلاف حکم دے تو پھر اُس حکم میں انکي اطاعت نہیں ہے - اللہ اور اسکے رسول ھي کے حکم کي طرف لوٹنا چاھیے - قالہ الطیبي في الشرح -

بعض امراء بنو امیہ نے اپنے مظالم و بدعات کي اطاعت کرانے کیلیے جب اس آیت سے استدلال کیا اور کہا " الیس اللہ امرکم ان تطیعونا في قولہ و اولي الامر منکم " ؟ کیا خدانے تم لوگوں کو ھماري اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے کہ و اولي الامر منکم ؟ تو بعض آئمۂ تا بعین نے کیا خوب جواب دیا " الیس قد نزعت عنکم بقولہ فان تنا زعتم " ؟ ہاں ' مگر پھر اس منصب سے تم محروم بھي تو کردیے گیے جب فرمایا کہ فان تنا زعتـم في شی فردوہ الی اللہ والرسول -

غرضکه اس اٰیۃ کریمہ میں قرآن نے اس قانون شریعت کا اعلان کیا ہے کہ خلیفۂ و امام کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے ' اور اسی کا وجود نظام جماعت کا مرکزی اقتدار ہے -

فصل

(شرح حدیث حارث اشعری)

احادیث صحیحہ سے اسکی مزید توضیح ہوتی ہے - اس بارہ میں اس کثرت کے ساتھہ حدیثیں موجود ہیں ' اور عہد صحابہ سے لیکر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات رواۃ و حفاظ میں اسقدر اُنکی شہرت رہچکی ہے کہ اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت کے بعد شاید ہی کوئی اور چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچی ہوگی -

سب سے پہلے میں مسند امام احمد وغیرہ کی ایک روایت نقل کرونگا جسمیں بالترتیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے :

قال صلی اللہ علیہ وسلم : " انا امرکم بخمس ' اللہ امرنی بہن : الجماعۃ ' و السمع ' والطاعۃ ' والھجرۃ ' والجہاد فی سبیل اللہ - فانہ من خرج من الجماعۃ قید شبر ' فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ الا ان یراجع ' و من دعا بدعوی جاھلیۃ فھو من جثی جہنم - قالوا یا رسول اللہ و ان صام وصلی ؟ قال و ان صلی وصام و زعم انہ مسلم " اخرجہ احمد و الحاکم من حدیث " الحارث الاشعری علی شرط الصحیحین - قال ابن کثیر ھذا حدیث حسن و لہ الشواھد -

یعنی فرمایا - میں تم کو پانچ باتوں کیلیے حکم دیتا ہوں جنکا حکم اللہ نے دیا ہے - جماعت ' سمع ' طاعۃ ' ھجرۃ ' اور اللہ کی راہ میں جہاد - یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا ' اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاھلیۃ کی بے قیدی کی طرف بلایا تو اُسکا ٹھکانا جہنم ہے - لوگوں نے عرض کیا - کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو ؟ فرمایا ہاں - اگرچہ روزہ رکھتا ہو ' نماز پڑھتا ہو ' اور اپنے زعم میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو -

اس حدیث میں پانچ باتیں بتلائی ھیں :

(۱) پہلی چیز "جماعت" ھے - یعني تمام اُمت کو ایک خلیفه و امام پرجمع ھوکر اور اپنے مرکز قومي سے جڑ کے رھنا چاھیے - الگ الگ نہیں رھنا چاھیے - آگے چلکر کثرت کے ساتھه وہ حدیثیں ملینگي جن سے معلوم ھوگا که جماعت سے الگ ھوکر رھنے کو یا ایسي منتشر زندگي کو جو ایک بندھي اور سمٹي ھوئي جماعت کي شکل نه رکھتي ھو اور کسي امیر کے تابع نہو' اسلام نے غیر اسلامي اور ابلیسي راہ قرار دیا ھے - انفرادي زندگي کو وہ زندگي ھي نہیں مانتا - اسلامي زندگي "جماعت" ھے -

"جماعت" سے مقصود افراد کا ایک ایسا مجموعه ھے جس میں اتحاد ' ائتلاف ' امتزاج ' اور نظم ھو -

"اتحاد" سے مقصود یه ھے که اپنے اعمال حیات میں منتشر نہوں - ایک دوسرے سے ملے ھوے ھوں اور انکے تمام اعمال مل جلکر انجام پائیں - کسي گوشۂ عمل میں بھي پھوٹ اور بیگانگي نہو -

"ائتلاف" کا مرتبه "اتحاد" سے بلند تر ھے - "اتحاد" صرف باھم مل جانا ھے - ضرور نہیں که کسی تناسب کے ساتھه ترکیب ھوئی ھو - لیکن "ائتلاف" سے مقصود ایسا اتحاد ھے جو محض اتحاد ھی نه ھو بلکه ایک صحیح و مناسب ترکیب کے ساتھه اتحاد ھو - یعنی منتشر افراد اسطرح باھم ملے ھوں که جس فرد کو اسکی صلاحیت و قوت کے مطابق جو جگه ملنی چاھیے ' وھي جگه اُسے ملی ھو - اور ھر فرد کي انفرادي قوت کو جماعتی ترکیب میں اُتنا ھی دخل دیا جاے ' جتنی مقدار میں دخل پانے کی اسمیں استعداد ھو - ایسا نہو که زید کو سردار ھونا چاھیے اور اس سے چاکري کا کام لیا جاے ' اور عمرو کی قابلیت کا عنصر صرف چھٹانک بھر جزو جماعت ھونے کی صلاحیت رکھتا ھے - اسکو سیر بھر قرار دیدیا جاے -

"امتزاج" ترکیب کا تیسرا مرتبه ھے - اسمیں کمیت سے زیادہ کیفیت کا اتحاد ھونا چاھیے - یعنی مختلف افراد کو باھم اسطرح ملایا جاے که جس فرد کا اجتماعي مزاج جس قسم کے مزاج کے ساتھه ملکر ایک متحدہ کیفیت حاصل کرسکتا ھے ' ویسا ھي مزاج اسکے ساتھه ملایا جاے - یه نہو که دو ایسے آدمیوں کو ملا دیا گیا جنکي طبیعت و خصلت اور استعداد و صلاحیت باھمدگر میل نہیں کھا سکتي اور اسلیے خواہ کتنا ھي دونوں کو

ملاؤ، لیکن تیل اور پانی کی طرح همیشه الگ الگ هی نظر آئیں، باهم ملکر ایک جان نه هو جائیں- الله تعالی نے جس طرح عناصر کو اسلیے پیدا کیا هے که باهمدگر ملکر ایک نئے مرکب وجود میں متشکل هون، اسي طرح افراد انساني کو بهي اسلیے پیدا کیا تاکه آنکے باهم ملنے سے جماعت پیدا هو- " جماعت " ایک مرکب وجود هے - افراد اسکے عناصر هیں - فرد بجاے خود کوئي کامل وجود نهیں رکهتا - محض ایک مثنی هے، اور جب تک اپنے بقیه ٹکڑوں سے مل نه جاے کامل وجود نهیں پاسکتا - لیکن یه باهم ملنا " امتزاج " کے ساتهه هونا چاهیے - تا که هر ٹکڑہ اپنے صحیح و مناسب ٹکڑہ کے ساتهه ملکر اسطرح جڑ جاے که معلوم هو، یه نگینه اسي انگشتري کے لیے تها !

" نظم " سے مقصود جماعت کي وہ ترتیبي و تقویمي حالت هے جب اسکے تمام افراد اپني اپني جگهوں میں قائم، اپنے اپنے دائرہ میں محدود، اور اپنے اپنے فرائض و اعمال کے انجام دینے میں سرگرم هوں -

اجتماع کے یه خواص و اوصاف نه تو حاصل هوسکتے هیں، نه قائم رہ سکتے هیں، جب تک کوئي بالا تر فعال و مدبر طاقت وجود میں نه آے، اور وہ منتشر افراد کو ایک متحد، مؤتلف، ممزوج، اور منظم جماعت کي شکل میں قائم نه رکهے - پس ایک " امام " کا وجود ناگزیر هوا، اور اسي لیے ضروري هوا که سب سے پہلے تمام افراد ایک ایسے وجود کو اپنا امام و مطاع تسلیم کر لیں جو بکهرے هوے اجزاء کو اتحاد و ائتلاف اور امتزاج و نظم کے ساتهه جوڑ دینے اور اُڑتے هوے ذروں سے ایک حي و قائم جماعتي وجود پیدا کردینے کي قابلیت رکهتا هو - اصل مرکز اس طاقت کا امام اعظم یعني خلیفه هے - اور پهر هر ملک، هر آبادي، هر گروہ میں اسکے ماتحت امام جماعت هونے چاهئیں - مسلمانوں کے کسي چهوٹے سے چهوٹے گروہ کیلیے بهي شرعاً جائز نهیں که بلا قیام امام کے زندگي بسر کریں - حتی که اگر صرف تین مسلمان بهي هوں، تو چاهیے که ایک ان میں سے امام تسلیم کرلیا جاے - " اذا کان ثلاثة في سفر، فلیؤ مروا احدهم "

پانچ وقت کي جماعت نماز میں جماعتي نظام کا پورا پورا نمونه مسلمانوں کو دکهلا دیا گیا - کیونکه نماز هي وہ عمل عظیم هے جو اسلام کے تمام عقائد و اعمال کا جامع ترین نمونه هے - کس طرح سیکڑوں هزاروں منتشر افراد مختلف مقاموں، مختلف جہتوں، مختلف شکلوں، اور مختلف

ابناسرں میں آتے ھیں ' لیکن یکایک صداے تکبیر سب کے انتشار کو ایک کامل اتحادی جسم میں تبدیل کردیتی ھے - یہانتک کہ ھزاروں اجزاء کا یہ منتشر مواد بالکل ایک جسم واحد کی صورت اختیار کرلیتا ھے - سب کے وجود ایک ھی صف میں جڑے ھوے ' سب کے کاندھے ایک دوسرے سے ملے ھوے ' سب کے قدم ایک ھی سیدھہ میں ' سب کے چہرے ایک ھی کی جانب - قیام کی حالت ھے تو سب ایک جسم واحد کی طرح کھڑے ھیں ' جھکاؤ ھے تو تمام صفیں بہ یک وقت جھکی ھوئی ھیں - ظاھر کے ساتھہ باطن بھی یکسر متحد و ممزوج - سب کے دل ایک ھی کی یاد میں محو ' سب کی زبانیں ایک ھی کے ذکر میں مترنم - پھر دیکھو ' سب کے آگے صرف ایک ھی وجود امام کا نظر آتا ھے جسکے اختیار میں جماعت کے تمام اعمال و افعال کی باگ ھوتی ھے - جب چاھے سب کو جھکا دے - جب چاھے سب کو اُتھا دے -

اسلام کی زبان میں " جماعت " سے مقصود ایسا اجتماع ھے - انبوہ اور بھیڑ کا نام جماعت نہیں ھے -

جماعت کے جن اوصاف و خواص کا اوپر ذکر کیا گیا ' وہ تمام تر قرآن و سنت سے ماخوذ ھیں - لیکن شواھد کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں -

(۲) دوسری چیز " السمع " ھے - یعنی امام جو احکام دے ' اُسکو سننا ' اور اس سے تعلیم و ارشاد حاصل کرنا - " سمع " کے لفظ میں قبولیت احکام و طلب تعلیم ' دونوں کی طرف توجہ دلائی ھے اور امام کی معلمانہ حیثیت کو نمایاں کیا ھے -

(۳) تیسری چیز " طاعت " ھے - یعنی امام کی کامل درجہ اطاعت و فرماں برداری ' اور اپنی تمام عملی قوتوں کو اُس کے سپرد کردینا ' اور اس کے ھر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنا - البتہ اطاعت معروف میں ھے - نہ کہ معصیت میں کہ " انما الطاعة فی المعروف "

(۴) چوتھی بات " ھجرۃ " ھے - ھجرۃ ھجر سے ھے جسکے معنی ترک کردینے اور چھوڑ دینے کے ھیں " الھجر والھجران مفارقة الانسان غیرہ ' اما بالبدن او باللسان او بالقلب - و المھاجرۃ مصارمة الغیر و متارکة " (۵۵۸) اسلام کی اصطلاح میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت سعادت و صداقت کے کسی مقصد اعلیٰ کیلیے اپنی دنیوی محبوبات و مالوفات ترک کردے - مثلاً دولت کو ' آرام و راحت کو ' عزیز و اقرباء کے قرب کو ' وطن و مکان کو ' تو اسکا نام

هجرۃ الی اللہ اور ذہاب الی اللہ ہے - خدا کے ہر رسول اور انکے پیروؤں کو قیام حق کی راہ میں یہ منزل طی کرنی پڑی : انی مہاجر الی ربی - اور انی ذاہب الی ربی - چونکہ وطن و مکان کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جسکے ترک کرنے میں اہل و عیال ، مال و متاع ، دوست و احباب ، ہر طرح کے علاقوں کو ترک کردینا پڑتا ہے ، اور اسکی محبت و الفت کی زنجیر اور ساری زنجیروں سے بھاری ہے ، اسلیے ترک وطن کی ہجرۃ اعلی اور جامع قسم کی ہجرۃ ہوئی ، اور زیادہ تر مہاجرۃ کا اطلاق تارکین وطن ہی پر کیا گیا - " ولکل امری ما نوی - فمن کانت ہجرتہ الی اللہ ورسولہ ، فہجرتہ الی اللہ ورسولہ ، و من کانت ہجرتہ لدنیا یصیبہا ، او امرأۃ یتزوجہا ، فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ" (بخاری عن عمر رض) یعنی ہر شخص کیلیے وہ ہے جسکی اُس نے نیت کی - پس جس نے اللہ اور اسکے رسول کیلیے ہجرۃ کی، تو اسکی ہجرۃ اللہ اور اسکے رسول کیلیے ہوئی ، اور جس نے اسلیے گھر چھوڑا کہ دنیا کماے یا نکاح کرے ، تو اسکی ہجـــرۃ اسی کام کیلیے ہوئی جسکے لیے اس نے گھر چھوڑا - پھر ہجرۃ کے بھی اقسام ہیں اور مراتب - بعضہا فوق بعض - کتاب و سنت اسکی تفصیل سے لبریز ہیں - یہ موقعہ تفصیل کا نہیں -

پانچویں چیز "جہاد فی سبیل اللہ" ہے - "جہاد" جہد سے ہے جسکے معنی "استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاہراً و باطناً" ہیں (مفردات راغب) یعنی دشمن اور دشمن کی تمام قوتوں کے دور کرنے اور اپنے کو قائم و باقی رکھنے کیلیے انتہا درجہ کی کوشش کرنا - یہ کوشش زبان سے بھی ہوتی ہے - مال سے بھی ہوتی ہے - جان سے بھی ہوتی ہے - جس قسم کی کوشش کی ضرورت ہو - ہر قسم جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے - " و جاہدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السنتکم " (رواہ ابوداؤد ، و احمد ، و نسائی ، و ابن حبان ، عن انس)

یہ کہنا ضروری نہیں کہ یہی پانچ چیزیں دنیا میں قوموں اور ملکوں کے بقاۓ قیام کی اصلی بنیاد ہیں - دنیا میں کوئی قوم زندہ نہیں رہسکتی جسکی قومی ہستی ان پانچ عنـــروں سے مرکب نہو - سعی و عمل کا کوئی گوشہ ہو ، کامیابی بغیر ان اصول خمسہ کے نہیں مل سکتی - تم متھی بھر گیہوں کے طالب ہو یا قطب شمالی کی تحقیق کے ، مگر کوئی چیز بھی بغیر

جماعت' اطاعت' هجرۃ' اور جهاد کے حاصل نه هو سکیگي - دنیا نے آجتک جو کچهه پایا هے' غور کروگے تو وہ سب انهي پانچ سچائیوں کے ثمرات و نتائج هیں -

دنیا کے تمام نزاعات و اختلافات کي ایک سب سے بڑي علت حقیقت کي وحدت اور اسماء و مصطلحات کي کثرت هے - طلب صداقت کے اکثر جهگڑے حکایت شهد و عسل سے زیادہ نہیں - یعنی سچائي هر جگه اور هر گوشۂ عمل میں حقیقت و مسمی کے اعتبار سے ایک هي هے' لیکن بهیس مختلف هوگئے هیں اور نام متعدد - مصیبت یه هے که دنیا معاني کي جگه لفظوں کي پرستش کرتي هے' اور گو سب طلبگار و پرستار ایک هي حقیقت کے هیں' لیکن محض ناموں کے اختلاف کي وجه سے باهمدگر لڑ رهے هیں - ایک کهتا هے شهد - دوسرا کهتا هے عسل - مگر کوئي نہیں جو دونوں کو سمجها دے که مقصود دونوں کا ایک هي هے - اختلاف مسمی میں نہیں هے - صرف اسم میں هے - ایک شخص شب و روز ایک حقیقت کو مانتا اور جانتا هے' لیکن اپني اصطلاح و رسم میں کسي خاص لقب سے پکارتا هے - وهي حقیقت جب ایک دوسرے نام سے اسکے سامنے پیش کي جاتي هے تو فوراً انکار کردیتا هے اور اپنا فرض سمجهتا هے که اس سے هر طرح نفرت کرے - مذاهب کے اختلافات سے لیکر معاشرت و رسوم کے چهوٹے چهوٹے اختلافات تک' هر جگه یهي علت کام کر رهي هے - اگر کبهي ایسا هوسکے که ظواهر و اسماء کے تمام پردے اٹهادیے جائیں اور حقیقت بے نقاب هوکر سب کے سامنے آ جاے' تو یکایک دنیا کے تمام نزاعات ختم هو جائیں' اور تمام لڑنے والے دیکهه لیں که سب کا مطلوب ایک هي هے اگرچه بهیس مختلف هیں' اور سب کا مقصود ایک هي هے اگرچه نام بہت سے هیں :

عباراتنا شتی و حسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر !

علوم و حقائق کے مشاهد و مناظر میں یه مشهد سب سے اعلی و ارفع مقام رکهتا هے - اسي کو شاہ ولي الله رحمة الله علیه " علم الجمع بین المختلفات " سے تعبیر کرتے هیں (۱) اور عامۂ اصحاب اشارات

---

(۱) تفهیمات میں لکهتے هیں " لما تمت بي دورۃ الحکمة ' البسني الله خلعت المجددیة ' فعلمت علم الجمع بین المختلفات "

و سلوک نے "مشہد وحدۃ" کی اصطلاح اختیار کی ہے جو سالک طریق کیلیے کشف حجب اور سیر حقائق کا سب سے بلند تر مقام ہے - مقصود اس سے وہ قوت نظر و فکر ہے جو ظواہر سے گزرکر حقیقت تک پہنچ جاے' اور اسماء و تعبیرات کے اختلافات دور کرکے مقاصد و معانی کا اتحاد معلوم کرلے - بعدیکہ سارے نزاعات و اختلافات دور ہو جائیں' اور سخت سے سخت متنازع و متضاد راہوں پر چلنے والے بھی دیکھہ لیں کہ اصل مطلوب دونوں کا ایک ہی ہے -

اس اصل کو پیش نظر رکھکر اگر غور کروگے تو واضح ہو جائیگا کہ جماعت' تعلیم' اطاعت' ہجرت' اور جہاد' دنیا کی وہ عالمگیر صداقتیں ہیں' جنکی حقیقت سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہوسکتا - دنیا کی کوئی صالح جماعت ایسی نہیں ہے جس نے انسے الگ رہکر کامیابی حاصل کی ہو - ہر عقل نے انکا اقرار کیا ہے' ہر دل میں انکا اعتقاد موجود ہے' اور ہر عامل جماعت شب و روز انپر عمل کر رہی ہے - البتہ ناموں کے اختلاف نے ساری الجھن ڈال دی ہے - اسلام نے جن ناموں سے انکو تعبیر کیا ہے' انسے دنیا کو اختلاف ہے' لیکن اسلام جن حقیقتوں کو پیش کرتا ہے' انسے دنیا اختلاف نہیں کرسکتی - اگر کرے تو زندگی اور مراد سے محروم ہو جاے -

اس نظام میں پہلی چیز "جماعت" ہے جسکی مختصر تشریح اوپر گزر چکی - غور کرو' دنیا کا کونسا کام ایسا ہے جسکو بلا اجتماع و جماعت کے انجام دیا جاسکتا ہے؟ جماعت کی زیادہ دقیق اور فلسفیانہ تعریف چھوڑ دو - صاف اور سیدھے سادھے معنی جو ہوسکتے ہیں' صرف انہیں پر غور کرلو - سوسائٹی' پارٹی' کمیٹی' کلب' انجمن' کانفرنس' پارلیمنٹ' بلکہ قوم' ملک' فوج' ان سب سے مقصود کیا ہے؟ یہی کہ "جماعت" اور "التزام جماعت" - وحشی قوموں تک کو دیکھتے ہو کہ جنگل کے درختوں کے نیچے اکٹھے ہوجاتے ہیں' اور مل جلکر اپنے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں - پھر جماعت بے سود ہے اگر اسکا نظام نہو اور کوئی سردار و رہنما نہو - تم پانچ آدمیوں کی بھی کوئی مجلس منعقد کرتے ہو' تو سب سے پہلے ایک پریسیڈنٹ کا انتخاب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جب تک کسی کو صدر مجلس نہ مان لینگے' یہ پانچ آدمیوں کی مجلس بھی باقاعدہ کام نہ کرسکیگی - فوج ترتیب دیتے ہو تو دس آدمیوں کو بھی بغیر ایک افسر کے نہیں چھوڑتے -

اسکی اطاعت ماتحتوں کیلیے فرض سمجھتے هو اور یقین کرتے هو که بغیر اسکے فوج کا نظام قائم نہیں رهسکتا - پانچ دس آدمی بهی اگر بغیر امیر کے کام نہیں کرسکتے تو قومیں کیونکر اپنے فرائض بلا امیر کے انجام دے سکتی هیں ؟ اس سے بهی سادہ تر مثال یه هے که اپنے اپنے گهروں اور خاندانوں کو دیکهو ! خود تمہارا گهر بهی تو ایک چهوتی سی آبادی هے ؟ اگر بیوی تمہارا حکم نه مانے تو تم کیوں بگڑتے هو ؟ اگر گهر کے لوگ تمہارے کہنے پر نه چلیں ' تو تم کیوں لڑتے هو ؟ تم کہتے هو که فلاں گهر میں امن و انتظام نہیں - روزخانه جنگی هوتی هے - یه سب کیوں هے ؟ صرف اسلیے که " الجماعــــة ' والسمــــع ' والطاعــــة " کوئی جماعت امن و نظم نہیں پاسکتی جب تـک اسکا کوئی امیر نہو ' اور جب تـک امیر کی اطاعت نه کی جاے - گهر اور خاندان بهی ایک چهوتی سی جماعت هے - تم گهر کے بڑے هو - یعنی امیر هو - پس گهر کی عافیت و کامیابی اسپر موقوف هے که سب تمہاری سنیں اور تمہارے کہے پر چلیں -

" هجرت " کا لفظ کسقدر تمہارے لیے نا آشنا اور نا مانوس هے ؟ تم سمجهتے که یه دنیا کے اُس عہد جہل و وحشت کی یادگار هے جب مذهبی جذبات کی بر انگیختگی نے تمــــدنی احساسات کو مغلوب کردیا تها ' اور انسان دین پرستی کے جنون میں اپنی عقلی و تمدنی زندگی تـک کو قربان کردیتا تها - لیکن بتلاؤ ' اب دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ علمی و تمدنی ترقیاں بهی تم کو جس راہ کی طرف بلا رهی هیں ' وہ " هجرت " کی حقیقت سے کب خالی هیں ؟ اور خود علم و تمدن کا تمام ذخیرۂ عروج بهی کس عملی حقیقت کا نتیجه هے ؟ " هجرت " سے مقصود یه هے که اعلیٰ مقاصد کی راہ میں کمتر فوائد کو قربان کردینا ' اور حصول مقاصد کی راہ میں جو چیزیں حائل هوں ' اُن سب کو ترک کردینا - خواہ آرام و راحت هو ' مال و دولت هو ' نفسانی خواهشیں هوں ' حتیٰ که قوم هو ' ملک هو ' وطن هو ' اهل و عیال هوں ' سب کو چهوڑ دینا - پهر بتلاؤ ' علم و عمل کا کون گوشه هے جس میں کامیابی بغیر اس جذبه کے ملسکتی هے ؟ انسان کی مطلوبات میں سے کوئی چهوتی سے چهوتی چیز بهی ایسی بتلاسکتے هو جو بلا هجرت کے مقام سے گذرے اُسنے پالی هو ؟ یه دنیا کی علمی و تمدنی ترقیاں ' حیرت انگیز اکتشافات ' انقلاب انگیز ایجادات ' دولت کی فراوانی ' تجارت کی عالمگیری ' نئی نئی آبادیوں کا قیام ' طرح طرح کے وسائل معیشت و فلاح کا ظہور ' پهر

ملکوں کا عروج ' قوموں کي بالا دستي ' تمدن کي وسعت ' في الحقيقت انسان کے کس عمل حق کے نتائج و ثمرات هیں ؟ اگر کچھ نظري چھوڑ دو تو معلوم کرلوگے که صرف عمل هجرت کے - اگرانسان اور انسانونکي جماعتوں نے طلب مقاصد و عزائم میں هزاروں قربانیاں نه کي هوتیں ' هر طرح کے آرام و راحت سے مفارقت نه کرجاتے ' اپني ساري خواهشوں اور ولولوں کو ترک نه کردیتے ' گهر کے عیش ' اهل و عیال کي محبت ' خویش و یگانه کي الفت ' اور ملک و وطن کي دامنگیریوں سے بالکل آزاد هوکر راه هجرت میں قدم نه اٹھاتے ' تو آج دنیا میں علم کي جگه جهل هوتا ' تمدن کي جگه وحشت هوتي ' آبادیوں کي جگه جنگل هوتے ' اور ان تمام ترقیوں میں سے ایک ترقي بهي کرۂ ارضي کي پیٹھه پر نظر نه آتي - دنیا میں جس قدر علوم وفنون موجود هیں ' اُن سب کي تکمیل کیونکر هوتي اگر ولولۂ هجرت سے انسان کا قلب خالي هوتا ؟ کتنے هي انسانوں نے اپنے گهروں اور وطنوں سے هجرتیں کي هیں ' دنیا کے ایک ایک گوشه ایک ایک چپه کو چهان مارا هے ' جب کهیں جا کر فن طب کي تکمیل هوئي هے اور ادویۂ و اشیاء کے خواص کا علم مکمل هوا هے - اگر مهاجرین علم کے قافلے اپنے اپنے گوشوں سے نه نکلتے ' اور گهر کے آرام و راحت کي جگه سفر و غربت کي صعوبتیں گوارا نه کرلیتے ' تو اشیـــاء کي تحقیق کیونکر هوتي ؟ پیدا وار کي معلومات کیونکر تکمیل پاتي ؟ جغرافیـه کیونکر وجود میں آتا ؟ علم الحیـــات کے تجارب کي جزئیـــات کیونکر جمع هوسکتیں ؟ نئي نئي ایجادات اور اکتشافات کي کس طـــرح راه کهلتي ؟ کولمبس اگر هجرت نه کرتا ' تو آج دنیا کا نصف تمدن ناپید تها - یورپ اگر هجرت نه کرتا تو آج نیویارک اور واشنگٹن کي سر بفلک عمارتوں کا وجود نه هوتا - اگر یورپ کي قومیں اپنے ملکوں سے مهاجرت نه کرتیں ' تو آج تمام دنیا کي دولت اُن کے گهروں میں کهنچکر نه جاتي - یه کیسي عجیب بات هے که اگر صرف قطب شمالي کي تحقیق کے لیے مهـــاجرین کشف کے ڈیڑه سو قافلے یکے بعد دیگرے نکلیں ' اور یکسر قربان و هلاک هو جائیں ' تو تم کهو که یه تحقیق علم کا کمال اور جذبۂ نوع پرستي کي انتهـــا هے ' لیکن اگر اُسي چیز کو الله کي شریعت ایک جامع تر لفظ " هجرت " سے تعبیر کرے ' تو تم اسکا انکار کردو ؟ تمهارے نزدیک یه تو تمدن هے که دریاے نیل کا مخرج دریافت کرنے کیلیے سیکڑوں انسان اپنا گهر بار چهوڑ دیں اور هلاک هو جائیں ' لیکن یه وحشت هے که قیام حق اور اشاعت

صداقت کي راہ میں الله کے بندے ترک وطن کریں ؟ اگر نیوٹن اپني راتوں کي نیند اور بستر کي راحت چھوڑ دے تاکہ " کشش ثقل " کا قانون دریافت کرلے ' تو تم اسکي پرستش کرو اور کہو کہ یہ علـــم پرستي ھے - لیکـــن اگر تم عزم و طلب کے ایسے ھي پرستار ھو تو اُس عازم صـــادق کیلیے کیا کہتے ھو جو قانون کشش ثقل کیلیے نہیں بلکہ قانون نجات عـــالم کیلیے اپنا گھر بار چھوڑ دیتاھے اور کہتا ھے کہ یہ حق پرستي ھے ؟

آج تمام یورپ قومي ترقي اور ملکي استحکام کي سب سے بڑي بنیاد " کالونیل سستم " کو یقین کرتا ھے - یعني نو آبادیوں کے اصول کو ' اور اسکا اس درجہ پرستار ھے کہ صرف اسي کي خاطر پانچ سال تک دنیا کو عالمگیر جنگ و قتال میں مبتلا رکھتا ھے - لیکن نو آبادیوں کے اُصول کے کیا معني ھیں ؟ یہي کہ ترک وطن کرکے اپني نئي نئي آبادیاں قائم کرنا ' اور قومي دولت و طاقت کو بڑھانے کیلیے دنیـــا میں دور دور تک پھیل جانا - اب غور کرو کہ یہ وھي "ھجرت" اور ترک وطن کي بات ھوئي یا نہیں ؟ اور " الجمـــاعة ' و السمع ' و الطاعة ' و الھجرة " پر دنیا عمل کررھي ھے یا نہیں ؟ نام مختلف ھیں مگر حقیقت ایک ھي ھے -

"جہاد" کے معني یہ ھیں کہ دفع اعداء میں اپني جان و مال سے کمال درجہ سعي و محنت کرنا - کیا دنیا میں کوئي قوم ' کوئي ملک ' کوئي جماعت ' کوئي قبیلہ ' کوئي خاندان ' کوئي گھر ' کوئي انسان ' بلکہ کوئي وجود اور زندگي بغیر جہـــاد کے زندۂ و قائم رھسکتي ھے ؟ کون ھے جو زندہ رھنا چاھتا ھے اور جہاد نہیں کرتا ؟ جس چیزکو تم ھزاروں ناموں اور لفظوں میں بولتے ھو اور کارزار ھستي میں بقاؤ قیـــام کي اصلي بنیـــاد سمجھتے ھو ' اُسي کو اسلام نے ایک جامع لفظ " جہاد " سے تعبیر کیا ھے - اگر تم سے ڈارون اور رسل ریلیس تنازع البقـــاء (Struggle for existence) اور انتخاب طبیعي (Natural Selectian) اور بقاء اصلح (Survival of the fittest) کا ذکر کرتے ھیں اور کہتے ھیں کہ اس کارزار حیات میں بقـــا صرف اصلح و امثل کیلیے ھے ' تو تم پوري طـــرح کان دھرتے ھو ' اور فطـــرۃ کے قتل و غارت کا افسانۂ خونین تم کو پریشـــان خاطـــر نہیں کرتا - لیکن اُسي حقیقت کو قرآن و اسلام زیادہ مکمل شکل میں بیان کرتا ھے - وہ کہتا ھے کہ جو قانون الٰہي زمین کے کیڑوں مکوڑوں تک پر نافذ ھے ' اُس سے جمعیت بشري کیونکر بري ھوسکتي ھے ؟ پس دنیا میں

اسي قوم كو باقي رهنا چاهيے جو حق و هدايت کے اعتبار سے اصلح هو - غير اصلح عقائد و اعمال كو مٹ جانا چاهيے اور قانون الهي كا هاتهه بنكر مٹا دينا چاهيے - هدايت يافته اقوام كا يه حق هے كه غير هدايت يافته قوموں پر غالب آئيں : ليظهره على الدين كله - پهر اس بات پر تم كيوں مضطرب هوتے هو؟ كيوں اس قدرتي قانون هستي کے ذكر ميں تم كو قتل و غارتگري كي دهشت ناكي نظر آتي هے؟ يورپ كي قوميں تمام دنيا كو اپني نو آباديوں سے بهر ديں ، اور كهيں كه افريقه کے وحشيوں كي جگه هم متمدن اقوام زياده خدا كي زمين كي حقدار هيں - اسكو تو تم گوارا كرلو ، ليكن اگر اسلام كہے كه " ان الارض لله و لرسوله " خدا كي زمين حق پرستوں كيليے هے - كفر و ضلالت کے پرستاروں كيليے نہيں هے ، تو تم اسكو وحشت اور خوفناكي كہو؟

فصل

(جماعت و التزام جماعت)

يہاں ايک اور اهم اور قابل غور امر يه بهي هے كه اس حديث اور نيز ديگر احاديث ميں هميشه جماعت اور اطاعت خليفه كي زندگي كو اسلامي زندگي قرار ديا هے اور اسكے عكس كو جاهلية - جاهلية كي زندگي ميں هلاكت كا اصلي تخم كيا تها؟ قرآن نے واضح كيا هے كه تفرقه اور باهم دگر علحدگي ، اور كسي ايک مركزي قوت کے ماتحت نہونا - اسلام نے ظاهر هوكر زندگي كي جو تخم ريزي كي ، وہ كيا تهي؟ باهمي اتحاد و ائتلاف - تمام منتشر افراد كو ايک متحده جماعت بنا كر نفس واحده كرديا اور سب کے سر ايک هي چوكهٹ پر جهكادیے : واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداً ، فالف بين قلوبكم ، فاصبحتم بنعمته اخوانا - وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها " الخ -

پس جاهلية كا دوسرا نام تفرقة هوا ، اور اسلام كا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت - يہي وجه هے كه تمام احاديث ميں يه حقيقت واضح كي گئي ، اور اعلان كيا گيا كه جو شخص جماعت اور اطاعت امام سے الگ هوگيا ،

گویا وہ اسلام سے خارج ہوگیا - اسکی موت اسلام پر نہیں بلکہ جاهلیة پر ہوگی- اگرچہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو، اور اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو - مزید احادیث میں سے بعض روایات صحاح یہ ہیں : -

" من اطاعني فقد اطاع الله ، و من اطاع اميري فقد اطاعني ، و من عصى اميري فقد عصاني " (صحیحین عن ابي هريرة) جس نے میری اطاعت کی ، اُس نے اللہ کی اطاعت کی ، اور جس نے میرے امیر کی (یعنی میرے نائب کی) اطاعت کی ، اسنے خود میری اطاعت کی ، اور جس نے امیر سے روگردانی کی، اس نے میری اطاعت سے انکار کیا - یعنی امیر المــــومنین کی اطاعت عین رسول کی اطاعت ہے - مسلم کی ایک روایت میں " امیری " کی جگہ صرف " الامیر " ہے - یعنی جو شخص مسلمانوں کا امام ہو، اُسکی اطاعت -

" اِسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشي کان راسه زبيبة " (صحیحین عن انس) اگر ایک حقیر صورت حبشی غلام بھی تمھارا امیر بنا دیا جائے ، تو چاہیے کہ اسکی سنو اور اطاعت کرو -

معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ بار بار اور کثرت سے خطبوں میں آپ فرماتے تھے - اسی لیے مختلف لفظوں میں اور مختلف مواقع کی نسبت مروی ہے - حجة الوداع کے عظیم الشان اور یادگار عالم موقعہ پر (جبکہ دو تین ماہ کے بعد آپ دنیا سے تشریف لیجانے والے تھے اور ایک آخری اور وداعی پیام دنیا کو سنا رہے تھے) فرمایا " و لو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب الله ، اسمعوا و اطیعوا " (مسلم) اگر ایک حبشی غلام بھی تم پر امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے ساتھ تم پر حکومت کرے ، تو اُسکی سنو اور اطاعت کرو !

" من خرج من الطاعه و فارق الجماعه ، فمات ، مات میتة جاهلیة " و عن ابن عباس " من رای من امیرہ شیئا یکرهه ، فلیصبر ، فانه من فارق الجماعة شبرا ، فمات ، فمیتة میتة جاهلیة " و فی لفظ " فانه لیس احد من الناس خرج من السلطان شبرا فمات علیه ، الا مات میتة جاهلیة " (متفق علیه) یعنی جس نے جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا ، خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہوگیا ، اور اسی حالت میں بغیر توبہ کے مرگیا ، تو اُسکی موت جاهلیــة کی موت ہوئی (اسلام سے پہلے اهل عــرب پر جو زمانہ

گذرا هے ' اسکو عہد جاهلیة کہتے هیں - پس مطلب یه هوا که عرب جاهلیة کي طرح گمراهي پر موت هوئي) دوسری روایت میں هے - اگر کوئي شخص اپنے امیرکو ایسي بات کرتے دیکھے جو آسے پسند نه آے تو چاهیے که صبر کرے - اسکي اطاعت سے باهر نهو - کیونکه جو کوئي سلطان اسلام کي اطاعت سے بالشت بهر بهي باهر هوا اور اسي حالت میں مرگیا ' تو اسکي موت جاهلیة کي حالت پر هوئي - حضرۃ ابن عمر کي روایت میں هے :
" من خلع یدا من طاعة ' لقي الله یوم القیامة و لا حجة له ' و من مات و لیس في عنقه بیعة ' مات میتة جاهلیة " جس نے خلیفه کي اطاعت سے هاتهه کهینچا ' یعني اطاعت نه کي ' تو قیامت کے دن وہ الله کے سامنے حاضر هوگا اور اسکے لیے کوئي بچاؤ نهوگا - اور جو مسلمان دنیا سے اس حال میں گیا که خلیفه کي بیعت و اطاعت کے حلقه سے اُسکي گردن خالي هوئي ' تو یقین کرو که اسکي موت جاهلیة کي موت هوئي -

" من فارق الجماعة شبرا فکانما خلع ربقة الاسلام من عنقه " (ترمذي) جو جماعت سے بالشت بهر بهي باهر هوا ' اس کا حکم یه هے که گویا اس نے اسلام کي اطاعت کا حلقه اپني گردن سے نکال دیا - ایک روایت میں هے " دخل النار " (اخرجه الحاکم علي شرط الصحیحین) یعنے جو خلیفه کي اطاعت سے باهر هوا ' اُسکا ٹهکانا دوزخ هے -

" کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء - کلما هلک نبي ' خلفه نبي - و انه لا نبي بعدی - و سیکون خلفاء فیکثرون - قالوا - فما تامرنا ؟ قال - فوا بیعة الاول فا لاول ' ثم اعطوهم حقهم ' فان الله یسائلهم عما استرعاهم " (متفق علیه) بني اسرائیل کي رهنمائي و ریاست انبیاء کرتے تهے - ایک نبي گیا تو دوسرا اُسکي جگه مامور هوا - لیکن میرے بعد کوئي نبي نهیں هے - البته خلفاء هونگے - لوگوں نے عرض کیا - هم کو اُنکي نسبت کیا حکم هوتا هے ؟ فرمایا - جس سے پہلے بیعت کي یعني جس کي حکومت پہلے مان لي گئي ' اُسکي اطاعت مقدم هے - پهر کسي دوسرے کو خلیفه نه مانو - اور فرمایا - اُنکا تم پر جو کچهه حق هے ' وہ اُنکے حوالے کرو - یعني اُنکي اطاعت کرو - زکواۃ و خراج وغیرہ اُنهي کو دو -

انکے علاوہ بے شمار احادیث هیں - اجماع کے شواهد اور کتب عقائد و فقه کے اقوال نقل نهیں کیے گئے که مشهور و معروف هیں ' اور احادیث کے بعد اُنکي ضرورت بهي نهیں -

فصل

(شرائط امامت و خلافة)

تمام نصوص و دلائل کتاب و سنة اور اجماع امة پر غور کرنے سے معلوم هوتا هے که شریعت نے شرائط امامت و خلافة کے بارے میں دو صورتیں اختیار کي هیں - اور قدرتي طور پر بهي دو صورتیں اس مسئله کي هوسکتي تهیں -

اسلام نے اس بارے میں نظام عمل یه مقرر کیا تها که امام کے انتخاب کا حق امت کو هے - اور طریق انتخاب جمهوری تها نه نه شخصي و نسلي - یعنی قوم اور قوم کي اصحاب الراے جماعت (اهل حل و عقد) کو شرائط و مقاصد خلافت کے مطابق اپنا خلیفه منتخب کرنا چاهیے - بحکم و امرهم شوری بینهم - بنیاد تمام امور کي شرعا شوری یعني باهمي مشورہ هے - نه که نسل و خاندان - خلافت راشده کا عمل اسي نظام پر تها - خلیفۂ اول کا انتخاب عام جماعت میں هوا - خلیفۂ دوم کو خلیفۂ اول نے نامزد کیا اور اهل حل و عقد نے منظور کرلیا - خلیفۂ سوم کا انتخاب جماعت شوری نے کیا - خلیفۂ چهارم کے هاتهه پر خود تمام جماعت نے بیعت کي - نسل ' خاندان ' ولي عهدي ' کو اسمیں کوئي دخل نه تها - اگر دخل هوتا تو ظاهر هے که خلافت خلیفۂ اول کے خاندان میں آجاتي ' یا دوم و سوم کے خاندان میں ' مگر ایسا نهیں هوا - خلیفۂ دوم نے تو قوم کو بهي اسکا موقعه نه دیا که أنکے لڑکے کو خلیفه منتخب کرے - وصیت کردي که وہ کسي طرح منتخب هي نهیں هوسکتا -

پس پهلي صورت یه هے که اگر صحیح نظام شرعي قائم هو جو خالص جمهوري هے ' اور قوم کو اپنا خلیفه منتخب کرنے کا موقع ملے ' تو کیسا شخص منتخب کرنا چاهیے ؟ اور اُسمیں کیا کیا اوصاف هونا چاهیئیں ؟

دوسري صورت یه هے که اگر یه نظام باقي نه رها هو - قوم کي راے اور انتخاب کو اُسمیں دخل نهو - محض طاقت اور تسلط کي بنا پر کوئي خاندان یا کوئي طاقتور فرد تخت خلافت پر قابض هوجاے ' تو اُس صورت مین از روے شرع مسلمانوں کو کیا کرنا چاهیے ؟ اگر وہ اهل نهیں

ہے' ظالم ہے' جابر ہے' شرائط خلافت اسمیں نہیں پائے جاتے؟ تو اسکی اطاعت کرنی چاہیے' یا اس پر خروج کرنا چاہیے؟ وہ شرعاً خلیفۃ المسلمین ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اسکے ماتحت وہ تمام کام انجام پاسکتے ہیں یا نہیں جو از روے شرع خلیفۂ اسلام کی موجودگی پر موقوف ہیں؟ اسکو زکوٰۃ دینی چاہیے؟ اسکے پیچھے جمعہ پڑھنا چاہیے؟ اسکے تمام احکام کی اطاعت کرنی چاہیے؟

یہ مسئلہ امت کی اجتماعی زندگی کا بنیادی مسئلہ تھا' اور ممکن نہ تھا کہ شریعت اسکی پوری پوری تشریح و توضیح نہ کردیتی - اس بارے میں نصوص سنـــۃ بے شمار اور بالکل واضح ہیں - اسی لیے جب خلافۃ راشدہ کے بعد بنو امیہ کی حکومت جبرو استبداد کے ساتھہ قائم ہوئی' تو صحابۂ کرام کو اپنے طرز عمل کے فیصلے میں ذرا بھی تامل و تذبذب نہوا - بالکل اس شخص کی طرح جو پہلے سے ایک خـــاص وقت کا سمجھا بوجھا منتظر ہو' فوراً یکسوئی کے ساتھہ فیصلہ کرلیا - جو کچھہ انھوں نے بتلایا اور کیا' اسی پر اجماع امت کی مہر لگ گئی' اور تیرہ سو برس سے جمہور اہل اسلام کا وہی متفقہ اعتقاد و عمل قرار پاگیا - بلا شبہ پہلی صورت میں بعض اسلامی فرقوں کو اختلاف ہوا' مگر دوسری صورت میں قولاً و فعلاً سب متفق ہوگئے -

پہلی صورت میں شریعت نے اہلیت و صلاحیت کی وہ تمام شرائط اپنے انتہائی اور کامل مرتبہ میں قرار دی ہیں جو ایک ایسے مرکزی اور اہم تریں منصب کیلیے قدرتی طور پر ہونا چاہیئیں - کیا باعتبار قوت علمی کے - کیا بہ لحاظ قوت عملی کے - اور چونکہ یہ منصب متعدد حیثیتوں سے مرکب ہے' اسلیے ہر حیثیت کے لحاظ سے ضروری اوصاف بتلائے گئے - مثلاً اسلام' علم و نظر' عمل و تقوی' شجاعت و صولۃ' عدالۃ و ایثار' قدرت و نفوذ' طاقت و شوکت - چنانچہ تمام کتب عقائد میں صدیوں سے مسلمان پڑھتے پڑھاتے آے ہیں: " و یشترط ان یکون من اہل الولایۃ المطلقۃ الکاملۃ بان یکون مسلماً' حراً' ذکراً' عاقلاً' بالغاً' سائساً بقوۃ رائہ و رویتہ' ومعونۃ باسہ و شوکتہ' قادراً بعلمہ وعدالتہ وکفایتہ و شجاعتہ علی تنفیذ الاحکام' وحفظ حدود الاسلام' و انصاف المظلوم من الظالم عند حدوث المظالم" الخ - کذا فی شرح المواقف' و النسفی' و التمہید' و شرح فقہ الاکبر للقاری' و شرح المقاصد - ومن کتب المحدثین شرح عقیدہ ابن عقیل' و فتح الباری'

و شرح منظومة الاداب ' و خلاصه ابن مفلح ' و نيل الاوطار ' و وبل المرام للشوكاني ' والاقناع و شرحه ' وغيرهم - يعني ايسے شخص کو خليفه منتخب کرنا چاهيے جس ميں حسب ذيل اوصاف پاے جائيں - مسلمان هو ' آزاد هو ' مرد هو ' عاقل و بالغ هو ' صاحب راے و نظر هو ' تدبير و انتظام کي پوري قوت رکهتا هو ' احکام شريعت کا محافظ هو ' انکے جاري و نافذ کرنے اور اسلامي ممالک کي حفاظت اور دشمنوں کي روک تهام کيليے جسقدر علمي و عملي قوتوں کي ضرورت هے ' وه سب اس ميں موجود هوں - اتباع شريعت ' عدل و انصاف ' شجاعت و همت ' شوکت و صولت ' ساري صفتيں هوني چاهيئيں -

جس وقت تک خاندان عباسيه کي خلافت باقي رهي ' يعني خلافت خاندان قريش و عرب ميں رهي (سنه ۶۴۰ ه مطابق سنه ۱۲۴۳ع - تک اور اس کے بعد بهي کچهه عرصه تک بوجه بقاء خلافت عباسيهٔ مصر) علماء اسلام کي ايک بڑي جماعت کا يه خيال رها که بموجب حديث " ان هذا الامر في قريش " خليفه کو قرشي بهي هونا چاهيے - يعني اگر مسلمان خليفه مقرر کريں ' تو جهاں اور بهت سي باتيں اوسميں هوني چاهيئيں ' وهاں يه بات بهي هو که خاندان قريش ميں سے هو -

اسي طرح جماعت اماميه اس طرف گئي که خلافت آئمهٔ اهل بيت نبوة کيليے منصوص هے - آنکے اعتقاد ميں آنحضرة صلعم کے بعد حضرة علي عليه السلام کو خليفه هونا چاهيے تها - اور آنکے بعد آنکي نسل کے آئمهٔ عترة رضي الله عنهم کو -

زيديه اسطرف گئے که بني فاطمه يعنے تمام سادات مستحق خلافت هيں - آئمهٔ عترة کي خصوصيت ضروري نهيں - اور شرطوں کے ساتهه صرف اسقدر کافي هے که امام سيد يعني بني فاطمه ميں سے هو -

ليکن دوسري صورت ميں (يعني اگر نظام شرعي کي جگه ملکي قبضهٔ وتسلط کی صورت پيدا هوجاے ' اور جمهور کو انتخاب و نصب کا موقعه نه ملے ' تو اُس صورت ميں از روے شرع مسلمانوں کو کيا کرنا چاهيے ؟) سو اسکی نسبت چونکه خود احاديث صحيحه اور اجماع صحابهٔ و عترة بالکل صاف صاف موجود تها ' اسليے تمام اُمت بلا اختلاف اس پر متفق هوگئي که جب ايک مسلمان منصب خلافت پر قابض هو جاے اور اُسکي حکومت جم جاے ' تو

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اُسي کو خليفۂ اسلام تسليم کرے ، اُسي کے سامنے گردن اطاعت جھکاے - بالکل اُسي طرح ، جيسے ايک اهل و مستحق خليفه کے آگے جھکنا چاهيے - اطاعت و اعانت کي وہ تمام باتيں جو منصب خلافت کے شرعي حقوق ميں سے هيں ، ايسے خليفه کو حاصل هوجاتي هيں - اُس سے روگرداني کسي مسلمان کيليے جائز نہيں - اُسکے مقابلے ميں خروج اور دعوے کا حق کسي کو نہيں پہنچتا - اگرچه کيسا هي افضل اور جامع الشروط کيوں نه هو - جو کوئي ايسا کرے ، مسلمانوں پر واجب هے کہ اُسکے مقابلے اور قتال ميں خليفه کا ساتهه ديں - وہ شرعاً باغي هے - اُسکو قتل کرديٺا چاهيے -

شريعت نے دوسري صورت ميں يه حکم کيوں ديا ؟ اسکي علت و مصلحت اسقدر واضح هے که شرح و تفصيل کي حاجت نہيں - شريعت اور اُمت کا قائم و باقي رهنا حکومت کے وجود و قيام پر موقوف تها - ساري باتيں شاخ هيں - جڑ يہي مقام و منصب هے - پس اسکے ليے ايک نظام شرعي مقرر کرديا گيا جو بہتر سے بہتر نظـــام هوسکتا هے - يعني اســـلامي حکومت کي بنياد جمہور اور شوري کے انتخاب پر رکهي - شخص ، نسل ، تسلط ، اقتدار ، اور پادشاهي و ملوکي کو اسميں دخل نہيں - ساتهه هي اس منصب کي اهليت کيليے تمام ضروري شرطيں اور صفتيں بهي بتلاديں که اپنا خليفه بناؤ تو ايسے شخص کو بناؤ - ايسے کو نه بناؤ جو اُسکي اهليت نه رکهتا هو - پهر پورے زور کے ساتهه اسکا بهي اعلان کرديا که لوگوں کو خود خليفه بننے اور امارت و سرداري حاصل کرنے کا خواهشمند نه هونا چاهيے - نه دعويدار بنکر دوسروں سے لڑنا چاهيے - آنحضرة هميشه اس عهد پر لوگوں سے بيعت ليتے " لا ينازع الا مر اهله " سرداري کا جو اهل هوگا ، اسي پر سرداري چهوڑ دينگے - دنيا اگر اس چهوٹے سے جمله پر عمل کرے تو روے زمين کے سارے جهگڑے ختم هوجائيں - امام بخاري نے کتاب الاحکام ميں باب باندها هے " ما يکره من الحرص على الامارہ " (۱) اور

(۱) حق يه هے که بقول علامۂ ابن خلدون صحيح بخاري کي شرح و تفسير کا قرض ابتک اُمت کے ذمه باقي هے - بے شمار شرحوں اور حاشيوں کے بعد بهي يه قول ويساهي صحيح هے ، جيسا ابن خلدون کے عهد ميں تها - اس کتاب کے علوم و دقائق کا کوئي احاطه نه کرسکا - هر کتاب ، هر باب ،

ابو موسیٰ کي روایت لاے هیں جس میں آپنے فرمایا : " انا لا نولي هذا من سأله ' ولا من حرص علیه " جو شخص خود اس چیز کا طالب هو یا اسکي حرص رکھتا هو ' اسکو میں یه کام سپرد نه کرونگا - مقصود اس سے یه تھا که جب لوگ خود طلب و حرص نه کرینگے تو کشمکش اور مقابله بھي نه هوگا ' اور امت کیلیے نہایت آسان هوجائیگا که اهل و اصلح کو منتخب کرلے -

مسئلۂ خلافت کا اصلي نظام شرعي یه تھا - اگر یه قائم هو تو دنیا امن و سکون کي بہشت بن جاے - لیکن چونکه معلوم تھا که ابھي وہ وقت

[بقیه نوٹ صفحه ۴۵]

ابواب کي هر ترتیب ' اور هر هر عنوان و ترجمه ' اس فقیه الارض و اعجوبة الدهر کي فقاهة ربانی کي ایک آیة باهرہ و حجة قاهرہ هے - اسي مسئلۂ خلافت کو سامنے لاؤ ' اور دیکھو ' کس دقت نظر کے ساتھه محض ترتیب ابواب هي میں اسلام کا نظام شرعي واضح کردیا هے اور ساري مشکلات حل کردي هیں ؟ سب سے پہلي بات یه تھي که اسلام کا نظام مرکزیة اس بارے میں کیا هے ؟ تو پہلا باب " اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اولي الامر منکم " کا باندھا ' اور " من اطاع امیري فقد اطاعني " الخ کي روایت درج کرکے بتلادیا که مرکز کتاب الله هے ' رسول هے ' اور پھر خلیفۂ و امام هے - " اولوالامر " خلیفه کے سوا کوئي نہیں - اُسکي اطاعت (بشرطیکه کوئي خلاف شرع حکم نهو) مثل خدا و رسول کي اطاعت کے فرض هے - پھر باب باندھا " الا مراء من قریش " اور اسمیں ابن جبیر والي روایت لاے " ما اقاموا الدین " جب تک قریش میں دین قائم رکھنے کي اهلیت رهیگي ' خلافت بھي اُنھي میں رهیگي - یعنی واضح کردیا که ایک خاص مدت تک قرشي خلافت کي پہلے سے خبر دیدي گئي هے ' مگر خلیفه کا قرشي هونا کوئي شرط اصلي و تشریعي نہیں - صرف پیشین گوئی هے اور " ما اقاموا الدین " کے ساتھه مشروط - اسکے بعد ایک نہایت هی اهم اور دقیق نکته کی طرف متوجه هوے اور باب باندھا " أجـر من قضی بالحکمـة " افسوس اس باب کے ربط و ترتیب کي اصلي علت لوگ نه سمجھے - منصب خلافت کے اثبات کے بعد یه چیز سامنے آتي تھي که اعمال خلافت کي بنیاد کیا هے ؟ اور اسکا طریق کس منہاج سے ماخوذ هے ؟ امام صاحب واضح کرنا چاهتے هیں که بنیاد اُسکي طریق " حکمت " پر هے - یعني انبیاء کرام کے طریق تربیت امم پر جو " سنت " کا اصلي اور وسیع

نہیں آیا - یہ نظام تیس برس سے زیادہ قائم رہنے والا نہیں ' اسلیے شرع
و ملت کی حفاظت کیلیے ضروری تھا کہ نظام اصلی پر زور دینے کے

[بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵]

مفہوم ہے ' اور جسکو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں " حکمت " سے تعبیر
کرتا ہے - ترجمۂ باب میں اسپر قرآن سے دلیل بھی لاے " و من لم یحکم
بما انزل اللہ فاولئک ہم الفاسقون " حکم و قضا " ما انزل اللہ " کے مطابق
ہونا چاہیے - اگر خلاف ہو تو فسق ہے - " ما انزل اللہ " کتاب و سنۃ ہے :
" یعلمہم الکتاب والحکمۃ " پس ثابت ہوا کہ اعمال خلافت کی بنیاد حکمت
و منہاج نبوۃ پر ہونی چاہیے - اس بارے میں جو زیادہ واضح و مفصل
احادیث تھیں ' وہ چونکہ آنکی شروط کے مطابق نہیں لی جا سکتی
تھیں' اور بنیاد استدلال کی صرف مرفوع ہی پر رکھتے ہیں ' اسلیے آثار
و موقوفات بھی نہیں لے سکتے تھے ' پس مشہور حدیث " لا حسد الا فی
اثنتین " الخ درج کرکے قضاء بالحکمۃ کی اہمیت و مطلوبیت واضح کردی -
جب یہ مقدمات طے ہوچکے ' تو اب دکھلانا تھا کہ اس مرکز کی اطاعت
کس طرح آمت پر فرض کردی گئی ہے ؟ پس باب باندھا " السمع و الطاعۃ
للامام مالم تکن معصیۃ " آمت کا سننا اور اطاعت کرنا امام کے حقوق میں سے
ہے - بجز اس حکم کے کہ معصیت ہو - اسمیں وہ تمام حدیثیں لاے ہیں
جنمیں صریح حکم موجود ہے کہ خلیفہ اہل ہو یا نا اہل' جامع الشروط ہو یا فاقد
الشروط' عادل ہو یا جابر' مکروہات کا حکم دے یا محبوبات کا' جب تک
وہ مسلمان ہے ' نماز قائم رکھتا ہے ' اسکی اطاعت کرنی چاہیے - کسی
مسلمان کیلیے اسکی اطاعت سے باہر ہونا جائز نہیں - اسکے بعد بالترتیب
تین باب آتے ہیں - " من لم یسأل الامارۃ أعانہ اللہ " دوسرا " من سأل
الامارۃ وکل الیہا " تیسرا " ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ " حاصل ان تینوں
عنوانوں کا یہ ہے کہ جہاں شارع نے آمت کو خلیفۂ و امام کی ضروری صفتیں
اور شرطیں بتلا دی ہیں ' وہاں اس سے بھی روکدیا ہے کہ کوئی شخص
خود امامت و سرداری کا خواہاں ہو اور اسکے لیے مقابلہ کرے - حتی کہ
عبد الرحمن بن سمرۃ سے کہا " جو اہل اور احق ہو' اسی کا ساتھہ دو - خود
اپنے لیے خواہاں نہ ہو - اگرچہ اسکے لیے قسم بھی توڑنی اور کفارہ بھی دینا
پڑے " پس ان تمام ابواب کی یکے بعد دیگرے ترتیب سے واضح ہوگیا کہ
اس بارے میں نظام شرعی کی اصلی ترتیب یہ ہے :

ساتھہ آن وقتوں کیلیے بھی صاف صاف احکام دیدیے جائیں ' جب انتخاب و نصب خلافت کے بارے میں شریعت کا ٹھہرایا ہوا طریقہ باقی نہ رہے ' اور جمہوری حکومت کی جگہ شخصی و استبدادی طریقہ قائم ہوجاے -

ظاہر ہے کہ اس صورت میں دو ہی راہیں سامنے آتی تھیں - اگر ایسے لوگونکی خلافت تسلیم کرلی جاے تو اس سے اُمت کی جمعیۃ ' جان و مال کا امن ' ممالک اسلامیہ کی حفاظت ' احکام شرع کا اجراء ' جماعت کا قیام و بقا ' اور اسیطرح کے بے شمار مصالح و فوائد حاصل ہو جاتے ہیں ' کیونکہ بلا کسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵)

(الف) اُمت کیلیے حسب نص " و اولی الامر منکم " مرکز اجتماع و جماعت خلیفہ کا وجود ہے - اسکی اطاعت فرض ہے -

(ب) خبر دیدی گئی تھی کہ جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رہیگی ' خلافت پر قابض رہینگے - چنانچہ ایسا ہی ہوا -

(ج) بنیاد معاملۂ خلافت کی " حکمت " پر ہے - وہ حکمت کہ و یعلمهم الکتاب و الحکمۃ - یہ نیابت نبوت ہے ' اور اعمال و سنۃ نبوت ہی کا نام قرآن کی اصطلاح میں " حکمت " ہے - پس ضرور ہے کہ خلیفہ کے تمام کاموں کی بنیاد سنۃ پر ہو - بدعۃ و احداث پر نہ ہو - یہی معنی خلافۃ علی منہاج النبوۃ ہیں -

(د) جب خلافت منعقد ہوگئی تو تمام امت پر اسکی اطاعت فرض ہے - فی ما احب و یکرہ ' ما لم یؤمر بمعصیۃ -

(ہ) امت کو چاہیے کہ احق و اہل کو منتخب کرے - لیکن مستحق کو نہ چاہیے کہ خود خلافت کی خواہش کرے - جس نے ایسا کیا ' اللہ کے حضور شرمندگی پائیگا - نتیجہ یہ نکلا کہ جب لوگ خود خواہش نہ کرینگے ' اور حق انتخاب جمہور کو ہے ' تو کسی طرح بھی کشمکش نہوگی - نہ بہت سے دعویداروں میں باہم جھگڑا ہوگا - امن و سکون کے ساتھہ یہ معاملہ انجام پا جائیگا -

یہ تھا صحیح نظام شرعی ' جسکے علم و فہم کیلیے صرف صحیح بخاری ہی کافی ہے ' اور اسلام کی کونسی حقیقت ہے جسکے لیے صحیح بخاری کافی نہیں ؟ لیکن افسوس کہ نظام شرعی قائم نہ رہا - مجلس شوری کی جگہ میدان جنگ میں خلافت کا فیصلہ ہوا ' اور محض تسلط و جبر سے دعویدار قابض ہونے لگے - چنانچہ پہلے ہی سے اسکی خبر دیدی گئی تھی -

نزاع کے اسلامي حکومت قائم ہو جاتي ھے اور مزید جنگ و جدال اور کشت و خون کا سدباب ھو جاتا ھے - مگر ساتھہ ھي غیر مستحق کي خلافت اور غیر نظام شرعي کے قائم ہو جانے سے بہت سي خرابیاں بھي پیدا ہو جاتي ھیں -

لیکن اگر خــلافت تسلیم نہ کی جاے ' اُن پر خروج کرنے کی اجازت دیدي جاے ' اور اطاعت امت کا مستحق صرف اهل اور جامع الشروط خلیفہ ھی کو قرار دیا جاے ' تو پھر دائمی کشت و خون ' جنگ و قتال ' دعوؤں میں تصــادم ' قوتوں میں تزاحــم ' ھمیشگی کی بد امنی ' کبھی ختم نہ ھونے والی طوائف الملوکی اور انارکی ' امت کی تباھی ' ملکوں کی خرابی ' نظام جماعت کا اختلال ' احکام شرع کی تعطیل ' مسلمانوں کے جان و مــال کي بد امني ' اندروني خــانہ جنگي کي وجہ سے دشمنوں کا حملۂ و تسلط ' اور اسی طرح کی بے شمار ھلاکتوں اور بربادیوں کا ھمیشہ کیلیے دروازہ کھل جاتا ھے - مگر ساتھہ ھی اسکی امید بھی کي جاسکتي ھے کہ شاید ان بربادیوں کے بعد اصلی نظام خلافت قائم ھو جاے اور نا اھلوں کی جگہ کسی اهل اور جامع الشروط کو خلافت دلائی جاسکے -

پہلي صورت میں مصلحت کا بقاؤ حصول ' مگر خرابیوں کا امکان تھا -

دوسري صورت میں خرابیوں کا وقوع ' مگر مصالح کا امکان تھا -

اسلام نے پہلي صورت اختیار کي ' اور پوري قوت و اصرار کے ساتھہ دوسري راہ مسدود کردي - یعني مصالح کے امکان پر اُنکے وقوع کو ترجیح دي -

کیا دنیا میں ایک عقل صحیــح بھي ایسي ملسکتي ھے جو شریعت کے اس فیصــلہ کو غلط بتلاے ؟ اللــہ کي شریعت کا اصــل اصول جلب مصالح اور دفع مفاسد ھے - یعنے ھمیشہ فوائد حاصل کرنا اور مفاسد کو دور کرنا - اور جب مصالح کے ساتھہ مفاسد بھي جمع ھو جائیں ' تو جس راہ میں مصالح زیادہ ھوں اور خرابیاں کم ' اُسیکو اختیار کرنا - تمام احکام کا محور یہي اصل ھے - پس اگر پہلي راہ اختیار کي جاتي اور خلیفہ کي اطاعت کیلیے خلیفہ کا جامع الشروط اور بطریق صحیح منتخب ھونا شرط قرار دیدیا جاتا ' تو اسکا کیا نتیجہ نکلتا ؟ نصب و انتخاب کیلیے نظام شرعي درھم برھم ھوچکا تھا - ھر دماغ میں حرص و دعوا ' اور ھر ھاتھہ میں تلوار تھي - یہي نتیجہ نکلتا کہ ایک عام طوائف الملوکی اور انارکي پھیل جاتي - ھر شخص یہ کہکر کہ خلیفہ اهل و مستحق نہیں ھے ' بغاوت کیلیے اُٹھہ کھڑا ھوتا - تمام امت

میں خون اور موت کی وبا پھیل جاتی - شہروں کا کوئی محافظ نہ رہتا - آبادیوں کا کوئی حاکم نہ ہوتا - نہ مجرموں کو کوئی سزا دینے والا ' نہ ڈاکوؤں سے کوئی بچانے والا - زکواۃ کس کو دی جاتی ؟ جمعہ کون قائم رکھتا ؟ سرحدوں کی کون حفاظت کرتا ؟ تمام عالم اسلامی ایک دائمی خانہ جنگی و بد امنی میں مبتلا ہوجاتا - امن و نظم ہمیشہ کے لیے رخصت ہوجاتا - دشمنان اسلام ہرطرف سے اُمنڈ آتے - اُنکو روکنے کے لیے کوئی طاقت موجود نہ ہوتی - پس اگرچہ ایک نا اہل مسلمان کا خلیفہ ہوجانا برائی ہے ' لیکن اس سے بھی بڑھکر برائی یہ ہے کہ تمام ملک برباد ہوجاے - اسلام نے ملک و شرع کی حفاظت کو مقدم رکھا جو کلی مصلحت کا حکم رکھتی ہے ' اور نا اہل و فاقد الشروط کا تسلط گوارا کرلیا جس کا فساد جزئی فساد ہے -

فصل

(نصوص سنۃ و اجماع امت)

سب سے پہلے احادیث پر نظر ڈالنی چاہیے - اگر داعی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی صداقت کی اور کوئی دلیل نہ ہوتی ' تو صرف یہی ایک بات بس کرتی تھی کہ آنے والے واقعات کی تمام تفصیلات کس طرح اول روز ہی بتلادی گئیں ؟ اور ایک ایک جزئی حالت کا کیسا کامل نقشہ صدیوں پہلے کھینچ دیا گیا ؟ یہ معاملہ اسقدر یقینی اور ہرطرح کے شک و شبہ سے ما ورا ہے ' کہ اگر دنیا اس پر یقین لانے کیلیے طیار نہیں ' تو دنیا کے پاس ماضی کی جسقدر معلومات موجود ہیں اُن میں سے کوئی بات بھی یقینی نہیں ہوسکتی - نہ تو اس دنیا میں سکندر نامی کوئی پادشاہ گزرا ' نہ روما نامی کوئی سلطنت قائم ہوئی ' نہ ہم بیسویں صدی کے انسان اسکے لیے مجبور ہیں کہ نپولین کا وجود اور واٹر لو کی جنگ کا وقوع تسلیم کرلیں !

بہرحال احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ہونے والے واقعات پیشتر سے معلوم تھے - ہر حالت اور ہر وقت کیلیے صاف صاف حکم دیدیا گیا تھا - احادیث کے اس حصہ کا نہایت دقت نظر کے ساتھہ مطالعہ کرنا چاہیے - ہر دور کی خاص حالت ہے اور اسلیے اسی کے مطابق خاص حکم ہے -

سب سے پہلے وہ حدیثیں سامنے آتی ھیں جن میں خلافۃ خاصۃ و راشدہ کا ذکر کیا گیا ھے، اور چونکہ یہ خلافۃ ٹھیک ٹھیک طریق نبوۃ و سنۃ پر قائم ہونے والی تھی، اسلیے امت کو وصیۃ کی ھے کہ نہ صرف اُنکی اطاعت کی جاے بلکہ اُنکے تمام اجماعی باتوں اور کاموں کو مثل اعمال نبوۃ کے "سنۃ" سمجھا جاے اور اُسکی پوری طرح پیروی و تأسی کی جاے -

چنانچہ مشہور حدیث عرباض بن ساریہ " قام فینا رسول اللہ صلعم ذات یوم، فوعظنا موعظۃ بلیغۃ، وجلت منہا القلوب و ذرفت منہا العیون، فقیل یارسول اللہ! وعظتنا موعظۃ مودع فاعہد الینا بعہد - فقال علیکم بتقوی اللہ، و السمع و الطاعۃ و ان کان عبداً حبشیا، و سترون من بعدی اختلافاً شدیداً، فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین - عضوا علیہا بالنواجذ " (ابن ماجہ و ترمذی) اور حدیث " خیر القرون قرنی، ثم یلونہم " الخ اور " اما طبقتی و طبقۃ اصحابی فاھل علم و ایمان " الخ رواہ البغوی عن انس و امثالہا، اسی قسم میں داخل ھیں -

خلاصہ انکا یہ ھے کہ آنحضرۃ (صلعم) نے خطبہ دیا اور فرمایا - میں تم کو وصیت کرتا ھوں کہ اللہ سے ڈرو، اپنے امام کا حکم سنو اور مانو اگرچہ وہ ایک حبشی غلام ھو - اور دیکھو! میرے بعد بڑے سخت اختلافات پڑنے والے ھیں، پس چاھیے کہ فتنوں سے بچو اور ھمیشہ میری سنت اور میرے بعد کے جانشینوں کی سنت پر کاربند رھو، اور اسکو اسطرح مضبوطی سے پکڑ لو جیسے کوئی شخص دانتوں سے کوئی چیز پکڑ لیتا ھے - اور فرمایا: بہتر زمانہ میرا ھے، پھر وہ جو میرے بعد کا ھے - اور فرمایا: میرا اور میرے یاروں کا طبقہ علم اور ایمان کا طبقہ ھے - اسی طرح حضرت ابن مسعود کی حدیث " ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی، الا کان لہ حواریون و اصحاب، یاخذون بسنتہ و یقتدون بامرہ " الخ (مسلم) میں بھی اسی عہد خلافت کا ذکر کیا گیا ھے -

غرضکہ اس پہلے دور کیلیے دو حکم دیے گئے - ایک اطاعت کا، دوسرا اقتداء اور پیروی کا -

لیکن اسکے بعد وہ حدیثیں سامنے آتی ھیں جن میں خلافت کے دوسرے دور کا ذکر کیا گیا ھے - اس دور میں پہلا حکم توبدستور باقی رہا، لیکن دوسرا حکم بالکل بدل گیا - یعنے اس دور کے خلفاء و سلاطین کی اطاعت کی

تو ویسي هي وصیت کي جاتي هے ' جیسے پہلے دورکیلیے کي گئي هے ' لیکن اُنکے کاموں کي پیروي اور اقتداء کا حکم نہیں دیا جاتا ' بلکه بتدریج ترک اقتداء و مخالفت کا حکم دیا جاتا هے - اس سے صاف واضح هو جاتا هے که اس دور میں جو لوگ خلافت پر قابض و متسلط هونگے ' اُنکي خلافة شریعت کے مطلوبه نظام پر نه هوگي - نه اُنکا چلن قرآن و سنت کے مطابق هوگا - اُن میں اچھے بھي هونگے - اور برے بھي - اسلیے امت کو اب صرف اطاعت کا اور اُنکي خلافت کے آگے سر جھکا دینے کا حکم دیا جاتا هے - اُنکے طور طریقوں کي پیروي کرنے اور اُنکے کاموں کو شرعي کام سمجھه لینے کا حکم نہیں دیا جاتا - بلکه اس بات کی بھي وصیت کي جاتي هے که جب وہ لوگ برائیاں پھیلائیں ' تو جس کي طاقت جہاں تک کام دے ' برائیوں کے روکنے کي پوري کوشش کرے - هاتهه سے کام لے - زبان کو حرکت میں لاے - یہ دونوں درجے نصیب نه هوں تو کم از کم دل هي دل میں برائي کو برا سمجھے - " و ذلک اضعف الایمان " - لیکن برے کاموں کو اُنکي حکومت کے دباؤ سے اچھا نه سمجھه لے اور نه اُن کا ساتھه دے - " و لیس وراء ذلک من الایمان حبة خردل " (۱)

عن عبادہ بن الصامت - قال " بایعنا رسول الله صلعم علی السمع والطاعه في منشطنا و مکرهنا و عسرنا و یسرنا و اثرة علینا ' و ان لا ننازع الامر اهله ' الا ان تروا کفرا بواحا عندکم فیه من الله برهان " متفق علیه - عبادہ بن الصامت کہتے هیں - هم سے رسول الله (صلعم) نے اس بات پر بیعت لي

(۱) احادیث کا یہ حصہ نہایت اهم اور غور طلب هے - مختلف حدیثوں میں مختلف دوروں اور لوگوں کا ذکر هے ' اسلیے احکام بھي مختلف هوے - اس نکته پر جسکي نظر نه گئي وہ احکام و علائم کو مختلف و متضاد دیکھکر یا تو حیران رهگیا - یا سخت غلطیوں سے دو چار هوا - عهد نبوة سے لیکر آخر تک مختلف دور آنے والے تهے - هر دور کے خصائص و حالات دوسرے سے مختلف تهے - پس اُنکے احکام میں بھي اختلاف ضروري تھا پوري دقة نظر کے ساتھه احادیث کا مطالعه کرنا چاهیے - پہلے اُنکے باهمي مشترکات و مختلفات کو الگ الگ کردینا چاهیے - پھر هر حدیث اور هر حکم کو اُسکي صحیح جگه دیني چاهیے - ایسا نه کرنے سے لوگوں کو بڑي بڑي غلط فهمیاں هوي هیں -

که هر حال اور هر طرح کي زندگي میں امام کي اطاعت کرینگے - حکومت و سرداري کو اسکے کرنے والوں پر چھوڑ دینگے ' اور کبھي اس بارے میں کوئي

(بقیه نوٹ صفحه ۵۲)

بہتوں کو یه لغزش هوئي که " اطاعت " اور " اقتــدا " کا فرق نه سمجھے - جن حدیثوں میں " اقتدا " کي ممانعت بلکه خلاف کرنے کا حکم پایا ' اُنکو منع اطــاعت اور جواز خروج پر معمول کرلیا - خوارج اور معتزله کے ایک گروہ کو یہي دھوکا ہوا - ایک دوسري جماعت نے یه غلطي کي که حکم اطاعت کو عام مطلق سمجھه لیا ' اور منع اقتداء و تأسي اور وجوب امر بالمعروف نے جو تخصیص کردي تھي ' وہ اُنکي سمجھه میں نه آئي - یعني اس دھوکے میں پڑگئے که جب امراء و حکام کي اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ' خواہ اُنکے اعمال کیسے هي خراب هوں ' تو پھر چاهیے که نه کسي برائي پر ٹوکیں ' نه منکرات کے خلاف جد و جہد کریں - هر حال میں چپ چاپ بیٹھکر اطــاعت کرتے رهیں - یه جو صدیوں سے علمــاء و مشائخ نے اصحاب اقتدار کے خلاف امر بالمعروف یکقلم ترک کردیا ہے ' تو نفس خادع اُنکو بھي یہي دھوکا دے رہا ہے - بعض حدیثوں میں آیا ہے که اطاعت نه کرنے میں فتنه ہے - ان لوگوں نے چونکه " اطاعت " اور " اقتدا " کا فرق نہیں سمجھا ' اور دیکھا که پادشاهوں اور امیروں کو برائي پر ٹوکنے اور اُنکے خلاف حق کے اعلان میں بڑي بڑي مصیبتیں جھیلني پڑتي هیں ' اسلیے اس دھوکے میں پڑگئے که یہي مصائب فتنه هیں - پس اس فتنه سے بچنا چاهیے - نتیجه یه نکلا که حق و باطل میں کوئي تمیز باقي نه رهي - تمام زبانیں گونگي اور تمام دل مردہ هوکر رهگئے -

حالانکه دونوں جماعتوں نے ٹھوکر کھائي - دونوں نے حدیثوں کا صحیح مورد اور محل نه سمجھا -

ایک صورت یه ہے که مسلمان کسي کو اپنا قومي پادشاہ مان لیں ' اور ایک پادشاہ کي جیسي فرماں برداري رعایا کو کرني چاهیے ' ٹھیک ٹھیک ویسي هي فرماں برداري بجالائیں - کوئي بات ایسي نه کریں جس سے ثابت هو که اُسے اپنا حاکم نہیں سمجھتے - اسکا نام " اطاعت " ہے -

دوسري صورت یه ہے که کسي انسان کو اپنے دیني و اخلاقي اعتقاد و عمل میں پیشوا مان لینا ' اور راستي و هدایت کے اعتبار سے اُسکي

جهگڑا نہیں کرینگے- الا یہ کہ بالکل کہلا کہلا کفر امام سے ظاہر ہو- اور ایسی بات میں جسکےلیے اللہ کی کتاب میں حکم و دلیل موجود ہے- سو اُسوقت کسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ٥٢)

زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنالینا ' اور اُسکے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرنا - اسکا نام " اقتدا " اور " تأسی " ہے -

دونوں صورتیں الگ الگ ہیں - بلا شبہہ " اطاعت " ایک عام حالت ہے اور اس میں " اقتداء " کی حالت بہی داخل ہے ' لیکن " اقتداء " اطاعت سے زیادہ خاص ہے ' اور ضروری نہیں کہ ہر اطاعت اقتداء بہی ہو- احادیث میں خلفاء راشدین کی نسبت امت کو " اطاعت " اور " اقتداء " دونوں کا حکم دیا گیا ' لیکن بعد کے خلفاء و سلاطین کو صرف " اطاعت " کا مستحق بتلایا - " اقتداء " کا نہیں - کیونکہ معلوم تھا کہ اُنکے کام اچھے نہ ہونگے - شریعت و عدالت سے منحرف ہو جائینگے - اور چونکہ نظام جماعت کے قیام کے ساتھہ احکام کتاب و سنت اور عدل و صداقت کی حفاظت کا انتظام بہی ضروری تھا ' اسلیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ہر حال میں باقی رہا - یعنی حکم دیا گیا کہ ایسے وقتوں میں سلطان اسلام کو اپنا امام مانکر پوری پوری اطاعت کرو ' لیکن پادشاہ کی اطاعت کے یہ معنی نہیں کہ سفید کو سیاہ ' اور دن کو رات مان لو- حق حق ہے - باطل باطل - برائی جب دیکھو ' ٹوکو- ظلم جب کیا جاے ' روکو- اس کام میں ایک پادشاہ اور ایک مزدور ' دونوں برابر ہیں - " لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق " قاعدۂ کلیہ ہے ' اور و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر حکم عام و مطلق - کسی مخلوق کی ایسی اطاعت نہیں کی جا سکتی جس میں خالق کے حکم سے نافرمانی کرنی پڑے -

اور یہ جو جابجا کہا گیا کہ اطاعت نہ کرنے میں فتنہ ہے - تو یاد رہے کہ " اطاعت " نہ کرنے میں فتنہ ہے - نہ کہ " اقتداء " نہ کرنے میں ' اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں - یعنی خلیفۂ اسلام سے بغاوت نہ کرو- اسمیں جمعیت امت کیلیے بڑا ہی فتنہ ہے - یہ مطلب نہیں کہ برائی کی مخالفت اور حق کے اعلان میں فتنہ ہے - حق کا اعلان تو ہمیشہ اور ہر حال میں دنیا کیلیے نظم و امن ہے - وہ کبھی فتنہ نہیں ہوسکتا - اگر حق کی پکار فتنہ ہو جاے تو پھر نظام ہستی کس بنیاد پر قائم رہے ؟ و لو اتبع الحق اهوائهم ' لفسدت السماوات و الارض و من فيهن ! (٢٣ : ٧٤)

كي اطاعت بهي اللـــه كي اطاعت سے نه روک سکيگي - يعني جب تک امام سے صريح کفر نه سرزد هو' هرحال ميں اُسکي اطاعت واجب هے -

" خيار ائمـــتکم الذين تحبونهم و يحبونکم ' و تصلون عليهم و يصـلون عليکم ' و شرار ائمتکم الذين تبغضونهم و يبغضونکم ' و تلعنونهم و يلعنونکم" قال قلنا أفلا ننا بذ هم عند ذلک ؟ قال " لا ' ما أقاموا فيکم الصلوة ' الا من ولي عليه وال فراه شيئاً من معصية الله فـليکره ما يأتي من معصية اللـه ' ولا ينزعن يداً من طاعة " رواه احمد و مسلم -

وعن حذيفة أنه (صلعم) قال " يکون بعدي أئمة لا يهتـــدون بهدي و لا يستنون بسنتي ' و سيقوم فيکم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان انس" - قال قلت "کيف اصنع يا رسول الله ان أدرکت ذلک" ؟ قال " تسمع و تطيع و ان ضرب ظهرک و اخذ مالک فاسمع و اطع " رواه مسلم و احمد -

يعني فرمايا : تمهارے بهتر حاکم وه هيں که اُنکي محبت تمهارے دلوں ميں هو اور تمهاري انکے دلوں ميں - تمهاري زبانوں سے انکے ليے رحمت کي دعا نکلے اور اُنکي زبانوں سے تمهارے ليے - اور بدترين حـاکم وه هيں که تمهارے دلوں ميں اُنکي دشمني هو' اور وه تمهيں دشمن سمجهتے هوں - تم اُن پر لعنت بهيجو- وه تم پر- صحابه نے عرض کيا - يا رسول الله ! کيا ايسے حاکموں سے هم نه جهگڑيں ؟ فرمايا نهيں - جب تک وه تم ميں نماز قائم رکهيں - اُنکي اطاعت هي کرو - هاں جو بات گناه کي ديکهو اُسے پسند نکرو مگر امام کی طاعت سے هاتهه نه کهينچو - نيز فرمايا - ميرے بعد ايسے امام هونگے جو ميرا طور طريق چهوڑ دينگے - ميري سنة پر نهيں چلينگے - عنقريب تم پر ايسے لوگ حکمراں هونگے که اُنکا جسم تو انسانوں کا هوگا مگر دل شيطان کا سا- راوي نے پوچها - اگر همنے ايسا زمانه پايا تو کيا کريں ؟ فرمايا - سنو اور اطاعت کرو - اگر وه تمهاري پيٹهه پر تازيانے لگائيں اور تمهارا مال چهين ليں ' جب بهي اُنکي سنو اور اطاعت کرو !

" ستکون بعدي اثرة و امور تنکرونها " قالوا - فما تأ مرنا ؟ قال " تؤدون الحق الذي عليکم ' و تسألون الله الذي لکم " متفق عليه عن ابن مسعود ' واخرجه ايضاً الحرث بن وهب و أورده الحافظ في التلخيص ' وعن جابر بن عتيک مرفوعاً عند ابي داؤد بلفظ " سياتيکم رکب مبغضون ' فاذا اتوکم فرحبوا بهم و خلوا بينهم وبين ما يبتغون - فان عدلوا ' فلا نفسهم ' وان ظلموا ' فعليهم "

و عن وائل بن حجر- قال سمعت رسول الله صلعم و رجل يسالہ - فقال- ارایت إن کان علینا امراء یمنعونا حقنا و یسألونا حقهم ؟ قال " اسمعوا و اطیعوا ' فانما علیهم ما حملوا ' و علیکم ما حملتم " (مسلم و الترمذي و صححه)

" علي المرء المسلم السمع و الطاعة فیما أحب و کرہ ' الا ان یومر بمعصیة ' فان امر بمعصیة فلا سمع و لا طاعة " (شیخان و غیرهما عن ابن عمر)

سب کا خلاصہ وهي هے جو اوپر گزرچکا - آخري روایت میں فرمایا - ایک مسلمان کا فرض هے کہ خواہ گوارا هو یا ناگوار ' مگر امام کا کہا سنے اور مانے - هاں اگر وہ ایسا حکم دے جسکي تعمیل میں گناہ هو ' تو پھر اُس حکم میں نہ تو سننا هے اور نہ ماننا -

بڑے سے بڑے مخلوق کي خاطر بھي خدا کا چھوٹا سے چھوٹا حکم نہیں ٹالا جا سکتا ' اور نہ مخلوق کی خاطر خالق سے نافرماني کي جاسکتي هے - یہ اسلام کا ' اور در اصل دنیا کي تمام سچي تعلیموں اور سچے انسانوں کا عالمگیر قاعدۂ کلیہ هے -

اور یهي وجہ هے کہ صدقات و زکواۃ و غیرہ مالیات کي ادائیگي کی نسبت حکم دیا گیا کہ اگرچہ وصول کرنے والے حکام ظالم و جابر هوں ' یا بیت المال کا روپیہ ناجائز طور پر خرچ کر رهے هوں ' لیکن اگر امام کي طرف سے مامور هیں تو اُنکي اطاعت هی کرنی چاهیے - جس شخص نے زکواۃ ایسے عامل کو دیدي ' اُسکی زکواۃ ادا هوگئي - بلاشبہ قوم کو کوشش کرنی چاهیے کہ ایسے عامل معزول کیے جائیں - لیکن جب تک معزول نہوں ' نظام شریعت و حکومت کے قیام کیلیے ضروري هے کہ اُنکے احکام کي تعمیل کي جاے - بشیر بن خصاصہ کي روایت میں هے کہ لوگوں نے کہا " ان قوماً من اصحاب الصدقة یعتدون علینا " عمال صدقہ لینے میں هم پر ظلم کرتے هیں- کیا حق سے زیادہ نہ دینے میں اُنکا مقابلہ کریں ؟ فرمایا نہیں- (ابوداؤد) سعد بن وقاص کي روایت میں فرمایا " ادفعوا الیهم ما صلوا " ابن ابی شیبہ میں حضرۃ ابن عمر کی نسبت هے کہ کسی نے کہا - زکواۃ کسے دیں ؟ کہا وقت کے حاکموں کو - سائل نے کہا " اذا یتخذون بها ثیاباً و طیباً " وہ تو زکواۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور زینت میں خرچ کرڈالتے هیں - فرمایا " و ان " اگرچہ ایسا کرتے هوں مگر زکواۃ اُنهي کو دو-

اسی بنا پر محدثین نے باب باندھا ھے " برآة رب المال بالدفع الی السلطان مع العدل و الجور " کما فی المنتقی - یعنی صاحب مال نے جب اپنی زکواة عمال کے حوالے کردی تو وہ شرعاً بری الذمة ھوگیا اگرچہ وہ ظالم و جابر ھوں - اور اسی لیے جمہور فقہا کا بھی یہی مذھب قرار پایا کہ اگر حکام جور کو زکواة دیدی گئی تو ادا ھوگئی - آئمۂ اھل بیت و عترة نے بھی قولاً و فعلاً اس سے اتفاق کیا جیسا کہ حضرة امام باقر (علیه و علی آبائه السلام) سے اصول میں منقول ھے - اور اسی لیے محققین امامیه و فقہاء زیدیه بھی اس فیصله میں جمہور کے ساتھه ھیں -

فصل

(اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا اخرهما)

اگر ایک خلیفه کی حکومت جم چکی ھے اور قائم ھے اور دوسرا مدعی کھڑا ھو ، تو اُسکا حکم یه ھے کہ وہ باغی ھے - فرمایا اُسے قتل کردو - اُسکی زندگی تمام اُمت کے نظم و امن کیلیے فتنه ھے - وہ امت میں پھوٹ ڈالنا اور جمے ھوے انتظام کو درھم برھم کردینا چاھتا ھے - والفتنة اشد من القتل -

عن عرفجة الاشجعی - قال : سمعت صلعم یقول " من أتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد ، یرید ان یشق عصاکم أو یفرق جماعتکم ، فاقتلوه " (احمد و مسلم)

اسی لیے جمہور اھل اسلام نے اتفاق کیا کہ خلیفه خواہ اھل ھو یا نا اھل ، لیکن اگر اسکی حکومت قائم ھے تو جو اُس پر خروج کرے ، اُسکا حکم باغی کا ھوگا اگرچہ کتنا ھی افضل اور جامع الشروط ھو - اُس سے لڑنا اور اُسکی جماعت کو قتل کرنا جائز ھے - بشرطیکه تبلیغ و دعوة اور دفع شکوک کے بعد بھی باز نه آے - ایک گروہ علماء نے کہا کہ نه صرف جائز ھے بلکه بحکم فقاتلوا التی تبغی (٤٩ : ٩) واجب ھے - " و قد حکی فی البحر عن العترة جمیعاً ان جهادهم افضل من جهاد الکفار الی دیارهم ، اذ فعلهم فی دار الاسلام کفعل الفاحشة فی المسجد " (نیل الاوطار - جلد ٧ صفحه ٨٠) یعنی تمام أئمۂ اهل بیت و عترة سے منقول ھے کہ ایسے باغیوں سے جہاد کرنا کفار پر حمله کرنے سے بھی افضل ھے -

مصلحت و حکمت اس حکم کي ظاهر هے - اگر اول روز هي سے دعوؤں اور خروج کا دروازه بند نه کردیا جاتا ' توکوئي بهتر سے بهتر اسلامي حکومت بهي خروج و شورش سے محفوظ نه رهسکتي - ایک جامع الشــروط خلیفه کي موجودگي میں بهي صدها دعویدار آٹهه کهڑے هوتے اور کهتے که جمع شرائط و اهلیت میں هم زیاده احق و افضل هیں - اوصاف و فضائل کا قطعي فیصله کرنا نهایت مشکل هے ' اور نه افضل و مفضول کے امتیاز کیلیے کوئي قطعي معیار هوسکتا هے- نتیجه یه نکلتا که همیشه کشت و خون کا بازار گرم رهتا اور امت کا نظام جمعیت کبهي نه سدهرتا - پس ناگزیر تها که خلافت قائمه کي موجودگي میں هر طرح کے دعوے کو بغاوت و جرم قرار دیدیا جاے' اور اسکے لیے ایسي سزا تجویز کي جاے جو سخت سے سخت سزا هوسکتي هے - یعني قتل - ایک انسان کو قتل کردینا بهتر هے - بمقابلهٔ اسکے که هزاروں انسان قتل هوں - یهي وجه هے که حدیث میں حکم کي علت کي طرف واضح اشارہ کردیا گیا که " یرید ان یشق عصا کم "

یه مضمون مختلف الفاظ و اسناد سے صحاح میں مروي هے - هم نے صرف ایک روایت پر اختصاراً اکتفا کیا -

فصل

(اجماع امت و جمهور فقهاء و اعلام)

امراء بنو اُمیه کي حکومت جبر و استبداد کے ساتهه قائم هوئی اور اُسوقت ایک جم غفیر صحابهٔ کرام و ائمهٔ اهل بیت نبوۃ کا موجود تها - عهد عباسیه کي پوري پانچ صدیاں گذرگئیں' اور یهي زمانه تمام علوم شرعیه کي تدوین و ترتیب کا هے - تمام آئمهٔ و اعلام اور فقهاء مذاهب اسي عهد میں پیدا هوے اور عقائد و مسائل نے آخري ترتیب و تنظیم پائي - لیکن ان تمام عهدوں میں سب کا اتفاق اسي اعتقاد و عمل پر رها - عقائد ضروریه اور ارکان اربعه کے بعد شاید هي کسي اسلامي اعتقاد پر اس درجه محکم و یقیني اجماع و تعامل امت ثابت کیا جاسکے -

صحابهٔ کرام و ائمهٔ تابعین کا حال معلوم هے - مروان مدینه کا گورنر تها اور حضرت ابو هریره مسجد نبوي میں مؤذن تهے - مروان کي عبادت سے بد ذوقي کا یه حال تها که سورهٔ فاتحه کے بعد آمین کهنا اور مقتدیوں

کو شرکت کا موقعہ دینا بھی اسکی جلد بازی پر نہایت شاق گزرتا تھا - سورۂ فاتحہ ختم کرتے ہی بلا سکتہ کے قرأت شروع کردیتا حالانکہ احادیث میں آمین کہنے کی نہایت درجہ فضیلت وارد ہے " فمن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ " (بخاری) ابو ہریرہ اس سے وعدہ لے لیتے " لا تفتنی بآمین " قرأت میں ایسی جلدی نہ مچائیو کہ میری آمین ضائع جائے ' لیکن نماز اُسی کے پیچھے پڑھتے اور اُسکی اطاعت سے انکار نہ کرتے - (بخاری)

لوگ اُنکی یاوہ گوئی سننا پسند نہیں کرتے تھے - اسلیے اکثر ایسا ہوتا کہ عید کے دن نماز کے بعد ہی مجمع منتشر ہو جاتا - خطبہ کا لوگ انتظار نہ کرتے - یہ حال دیکھکر مروان نے ایک مرتبہ چاہا - عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ دیدے تا کہ نماز کے انتظار کی وجہ سے لوگوں کو مجبوراً خطبہ سننا پڑے - حالانکہ یہ صریح سنت کے خلاف تھا - سنۃ ثابتۃ خطبۂ عید کے بارے میں یہی ہے کہ نماز پہلے ادا کی جاے - پھر خطبہ دیا جاے - صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اسپر فوراً ایک شخص نے ٹوکا اور حضرت ابو سعید خدری نے " من رای منکم منکراً فلیغیرہ " الخ - والی روایت بیان کی -

ایسی بے شمار باتیں کی جاتی تھیں - صحابۂ کرام نہایت بے باکی سے امر بالمعروف کا فرض ادا کرتے اور ہمیشہ ٹوکتے - لیکن خلیفہ اُنہی کو مانتے اور اطاعت اُنہی کی کرتے - کسی صحابی نے بھی اطاعت سے پہلے اسکی جستجو نہ کی کہ خلیفہ میں ساری شرطیں خلافت کی پائی جاتی ہیں یا نہیں ؟ اگر اسکی جستجو کرتے تو سب سے پہلی شرط یعنی بطریق انتخاب شرعی و شوری منتخب ہونا ہی مفقود تھا - باقی شرطیں تو سب اسکے بعد کے دیکھنے اور جانچنے کی ہیں -

حضرۃ سید التابعین سعید بن المسیب کہا کرتے - بنی مروان انسانوں کو بھوکا مارتے ہیں اور کتوں کو کھلاتے ہیں (۱) اور پھر اُنکے ہاتھوں ہر طرح کے مظالم و شدائد بھی سہتے ' مگر ساتھہ ہی بہ حیثیت سلطان اسلام کے اطاعت بھی اُنہی کی کرتے -

مامون و معتصم کے عہد میں بدعت اعتزال اور قول بخلق قران کی وجہ سے ایک فتنۂ عظیم برپا ہوا - علماء سنۃ پر جو جو مظالم و شدائد ہوے '

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی - ۱ : ۴۷ -

معلوم هیں - حضرۃ امام احمد بن حنبل نے اسي کوڑوں کي ضرب اور برسوں تک قید خانے میں رہنا گوارا کرلیا ' اور مامون و معتصم کي دعوۃ بدعت کي پیروي نه کي - لیکن اطاعت کا مستحق أنهي کو سمجها ' اور اپنے نامۂ وصیۃ میں لکھا تو یہي لکھا " والـدعاء لائمة المسلمین بالصلاح ' ولا تخرج علیهم بالسیف ' ولا تقاتل هم في الفتنه " کذا نقل عنه ابن الجوزي في سیرته -

حافظ عسقلاني نے ابن التین کا ایک قول نقل کیا هے " قد اجمعوا انه (ای الخلیفه) اذا دعی الی کفر أو بدعة ' انه یقام علیه " یعني علما نے اسپر اجماع کیا که اگر خلیفه کفر اور بدعت کي طرف بلاے تو اسپر خروج کرنا چاهیے - پھر اس قول کي نسبت لکھتے هیں " ما ادعاه من الاجماع علی القیام في ما اذا دعا الی البدعة ' مردود ' الا اذا حمل علی بدعة تؤدي الی صریح الکفر ' والا ' فقد دعا المـامون والمعتصم والواثق الی بدعة القول بخلق القرآن و عاقبوا العلماء من اجلها بالقتل والضرب والحبس وأنواع الاهانة ' ولم یقل أحد بوجوب الخروج علیهم بسبب ذالک ' و دام الا مر بضع عشرة سنة حتی ولی المتوکل الخلافة فابطل المحنه " (فتح - ١٣ : ١٠٣) یعنی یه جو ابن التین نے کہا که اگر خلیفه بدعت کي طرف بلاے تو اسپرخروج کرنا جائز هے اور اسپر اجماع هوچکا هے ' تو یه قول مردود هے - الا یه که بدعت سے اسکا مقصود ایسي بدعت هو جو صریح طور پر کفر تک پہنچ جاتي هو - کیونکه یه معلوم هے که مامون ' معتصم ' الواثق ' تینوں خلیفوں نے بدعت خلق قرآن کي طرف دعوت دي ' اور اسکي وجه سے علماء سنة کو طرح طرح کے مصائب و شدائد جھیلنے پڑے - قتل هوے' پیٹے گئے' قید کیے گئے' لیکن پھر بھي کسي نے انپر خروج واجب نہیں بتلایا ' اور برابر انکي اطاعت کرتے رهے - حتی که تقریباً دس برس تک یہي حالت رهي - خلیفه متوکل نے تخت نشین هوکر اس مصیبت کو دور کیا - انتهی -

حقیقت یه هے که صاحب شریعت صلی الله علیه وسلم نے خلافت و اطاعت کے بارے میں جو کچھه فرمایا تھا ' عهد سلف کے مسلمانوں نے کرکے دکھلا دیا که اسکا اصلي مفهوم و مقصد کیا هے ؟ وہ اپنے طرز عمل میں احکام خلافت کے هر تکرہ اور هر قسم کي ایک عملي تفسیر و شرح تے - گذشته فصول میں آن احادیث پر نظر ڈال چکے هو جن میں آنے والے وقتوں کي نسبت امت کو احکام دیے گئے هیں - خلافۃ راشدہ کا عهد فتنوں فسادوں سے محفوظ

تھا - لیکن اسکے بعد جو سلسلۂ خلافت شروع ہونے والا تھا ' وہ اپنے متضاد خصائص وحالات کي وجہ سے امت کیلیے ایک بڑي ھي سخت کشمکش اور ابتلا رکھتا تھا - وہ ایک ھي وقت میں سیاہ بھي تھا اور سفید بھي ' نور بھی تھا اور ظلمت بھي ' حق بھي تھا اور باطل بھي - حب و بغض ' ھجر و وصل ' ترک و طلب ' اطاعت و مخالفت ' دونوں چیزیں ایک ھي وجود میں جمع ہوگئي تھیں ' اور حکم شریعت یہ تھا کہ بہ یک وقت دونوں کو نبھاؤ ' اور اپني اپني جگہوں پر دونوں باتیں بجالاؤ - ایک طرف تو اسپر زور دیا گیا کہ وہ خلیفہ و امام ھیں - اسلیے واجب الاطاعت ھیں - جب تک کفر صریح ظاھر نہو ' انکي فرمانبرداري سے منہ نہ موڑو - دوسري طرف یہ بھي کہدیا گیا کہ اُنکے اعمال اچھے نہ ہونگے - پس اطاعت کرو - مگر پیروي و اقتداء نہ کرو - برائیوں کي طرف بلائیں تو ھاتھہ سے ' زبان سے ' دل کے اعتقاد سے ' جس طرح بھي بن پڑے ' پوري طرح مخالفت کرو اور اُنکے قہر و تسلط سے دب کر حق کا ساتھہ نہ چھوڑو غور کرو ! معاملہ کسدرجہ کٹھن اور جذبات انساني کیلیے کیسا پر از امتحان تھا ؟

انسان ایک وقت میں ایک ھی جذبہ کام میں لاسکتا ھے - یا محبت کریگا یا دشمني - یا اطاعت کریگا یا نافرماني - جسکو اطاعت کا مستحق سمجھیگا ' اسکي ھر بات اسکي نظروں میں محبوب ھوجائیگي - جسکو برا سمجھیگا ' اُسکي فرمانبرداري کبھی اُسکے نفس کو گوارا نہ ھوگي - لیکن یہ وہ منزل عمل تھي جس میں ایک ھي وجود ممدوح و مذموم اور محبوب و مبغوض ' دونوں صورتیں رکھتا تھا - ایک ھي انسان کے آگے جھکنا بھي تھا ' اور پھر اُسي کے سامنے سرکشي بھی کرني تھی - البتـــہ جھکنے کا موقعہ دوسرا تھا - سرکشی کی گھڑي دوسري - جـــذبات و عواطف کیلیے سخت آزمایش اسمیں آ پڑی تھي کہ ھر جذبہ اپنے صحیح موقعـــہ پر کام میں لایا جاے - ورنہ ذرا سي بے اعتدالی بھي سخت گمـــراھي و ھلاکت کا موجب ھوجاتي - اطاعت کیشي میں اگر بے اعتدالی ھوتي ' تو وہ اقتداء اور تأسی ھوجاتي جسکا نتیجہ باطل پرستی اور حق سے انحراف تھا - عدم اقتداء اور امر بالمعروف میں اگر بے اعتدالي ھوتي ' تو وہ خروج و بغاوت تک پہنچادیتي ' جسکا نتیجہ بد امنی و خونریزي ھوتا اور سخت معصیت و فسق کا وقوع - اس تیرہ سو برس میں کتنے ھی فتنے صرف اسی بے اعتدالي اور افراط و تفـــریط سے پیدا ھوے - کتنوں ھي نے جوش حق پرستي میں

بغاوت و خروج کرکے جمعیت امت و استحکام خلافت کو نقصان پہنچایا ' اور کتنوں ھی نے افراط اطاعت کیشي میں حق کو باطـــل اور باطل کو حق بنا کر امت کا نظام حق و عدل درھم برھم کردیا -

دنیا میں کوئي قوم نہیں جسکے اجتماعي اعمال کي تاریخ میں کوئي ایسي نظیر مل سکے کہ ایسے سخت و نازک حکم پر عمل کیا گیا ھو' اور پوري کامیابي کے ساتھہ اسکے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا ھو - لیکن عہد صحابۂ و سلف کے مسلمانوں نے صدیوں تــک عمل کرکے ثابت کردیا کہ سچائي اور اخلاق کي کوئي عملي مشکل ایسي نہیں جو پیروان اسلام کیلیے مشکل ھوسکے - انھوں نے نہ صرف اسپر عمل کیا ' بلکہ پوري کامیابي کے ساتھہ اس اخلاقي امتحان سے عہدہ برا ھوکر نکلے - انھوں نے ایک ھي وقت میں دونوں متضاد عمل کر دکھلاے - اطاعت بھي کي اور مخالفت بھي - لیکن اطاعت اُسي بات میں کي جو مستحق اطاعت تھي ' اور مخالفت وھیں کي جہاں مخالفت کرني تھي - " اطاعت " اور " اقتداء " کے اُس نازک فرق کو جسکو فلسفۂ اخلاق بڑي بڑي دقیقہ سنجیوں کے بعد حل کرسکتا ھے ' انھوں نے اپني عملي زندگي کي سادگي سے حل کر دکھایا ' اور دنیا پر ثابت کردیا کہ اخــلاق کے فلسفہ کیلیے جو چیز سب سے زیادہ مشکل ھے ' وھي ایک مومن کے عمل کیلیے سب سے زیادہ آسان ھے !

قومي حکومت کي اطاعت اور فرماں برداري اس سے بڑھکر اور کیا ھوسکتي ھے جو صحابۂ و تابعین نے بنو امیہ کے امراء جور کي کي ؟ اور اُنکے بعد علماء سلف نے بنوعباس کے دعاۃ بدعت کي ؟ ھر طرح کے مظالم سہے ' ھر طرح کي مصیبتیں جھیلیں ' قید کیے گئے ' دروں سے مارے گئے ' قتل ھوے ' مگر پھر بھي اطاعت سے باھر قدم نہ رکھا ' اور ھمیشہ یہي کہتے رھے " ینصب لکل غادر لواء یوم القیامہ ' و نحن بائعنا ھم " وہ جو فرمایا تھا کہ " قیــد شبر " بالشت بھر بھي اطاعت سے الگ نہو ' ھو واقعي ویسا ھي عمل کرکے دکھا دیا !

مگر ساتھہ ھي استقامت حق اور امر بالمعروف و دعوۃ الی السنۃ کا بھي یہ حال تھا کہ نہ تو عبد الملک کي بے پناہ تلوار اسپر غالب آ سکتي تھي ' نہ حجاج کي خون آشامي ' اور نہ مامون و معتصم کي قہرمانیۃ - قدم جب اُٹھتا تھا تو حق کي طرف ' زبان جب کھلتي تھي تو سچائي کیلیے ' اور دل میں کسي کی گنجائش نہ تھي مگر عشق کتاب و سنۃ کي -

انھوں نے جس طرح اس حکم کی پیروی کی کہ " تسمع و تطیع و ان ضرب ظہرک و اخذ مالک فاسمع و اطع " رواہ مسلم - ٹھیک ٹھیک اُسی طرح اس فرمان کی بھی کی کہ " فان امر بمعصیة فلا سمع و لا طاعة " اور " من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ' فان لم یستطع فبلسانه ' و ان لم یستطع فبلقبه ' و ذلک اضعف الایمان " رواہ مسلم -

حضرة امام احمد بن حنبل کی پیٹھہ پر نو جـلاد تازیانے مار رہے تھے - خود المعتصم سر پر کھڑا تھا - تمام پیٹھہ سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے - اور یہ سب کچھہ صرف اتنی بات کیلیے ہورہا تھا کہ قرآن کی نسبت ایک ایسے سوال کا جواب دیدیں جسکا جواب اللہ کے رسول اور اُسکے یاروں نے نہیں دیا ہے اور نہ دینے کا حکم دیا ہے - وہ سب کچھہ سہہ رہے تھے مگر جواب نہیں دیتے تھے - اگر کوئی صدا نکلتی بھی تھی تو یہی نکلتی " اعطونی شیئاً من کتاب اللہ او سنة رسوله حتي اقول " درے مارنے سے کیا ہوتا ہے ؟ اللہ کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت سے ثابت کر دکھاؤ تو اقرار کرلوں - اسکے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے جسکے آگے اقتداؤ اتباع کا سر جھک سکے -

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس !

فصل

(سنی اور شیعہ دونوں متفق ہیں)

اسی طرح تمام آئمۂ اہلبیت کا زمانہ خلفاء بنو اُمیۂ و عباسیہ کے عہدوں میں گزرا - یہ معلوم ہے کہ وہ خلافة کا مستحق صرف اپنے ہی کو یقین کرتے تھے نہ کہ بنو اُمیۂ و عباسیہ کو - با ایں ہمہ کسی نے بھی اُنکے خلاف خروج نہ کیا اور نہ اطاعت سے انکار کیا - سب اسی پر متفق ہوے کہ حکومت اُنکی قائم ہوچکی ہے ' اسلیے سلطان وقت وہی ہیں -

خاندان اہل بیت میں سے جس کسی نے خروج کیا ' آئمہ نے برابر اپنی مخالفت اُن سے ظاہر کی - جیساکہ حضرت زید کے خروج اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے انکار سے ثابت و معلوم ہے -

حضرۃ امام علي رضا کو مامون الرشید نے اپنا ولي عهد قرار دیا - امام موصوف نے ولي عهدي قبول کرلي - یعنے تسلیم کرلیا که مامون خلیفه هے ' اور اُسکو اپنے استخلاف اور ولي عهدي کا حق پهنچتا هے - اگر وہ خود خلیفه نه تها تو دوسرے کو ولي عهدي کیونکر مل سکتي تهي ؟

آئمۂ اهل بیت کي پوري تاریخ میں ایک واقعه بهي موجود نهیں که انهوں نے لوگوں کو بنو اُمیۂ و عباسیه کي اطاعت سے روکا هو- بر خلاف اسکے کتب حدیث امامیه (مثلاً اصول کافي وغیرہ) میں ایسي تصریحات موجود هیں که با وجود اظهار استحقاق خود و شکوۂ غصب و تعدي ' عدم اطاعت و حکم خروج سے همیشه مانع رهے -

سب سے زیادہ قاطع اور فیصلـــه کن اسوۂ حسنه اس بارے میں خود حضرۃ علي علیه السلام کا هے - حضرات امامیه انکي خلافت کو منصـــوص تسلیم کرتے هیں ' اور کهتے هیں که انکي موجودگي میں اور کوئي جائز خلیفه نهیں هوسکتا تها - با ایں همه ظاهر هے که یکے بعد دیگرے تین خلیفه هوے ' اور حضرۃ علي نے نه تو خروج کیا ' نه بیعت سے انکار کیا ' نه علحدگي اختیار کي - متصل بیس برس تک اُنکا یهي طرز عمل قائم رها - اس سے بڑهکر قاطع و فاصل دلیل اس بات کیلیے اور کیا هوسکتي هے که جب امت ایک سلطان پر مجتمع هو جاے ' تو پهر کسي طرح بهي اسکي مخالفت جائز نهیں - اور اسکي اطاعت کرنا هر فرد پر واجب هے ؟ جب ایک خلیفۂ و امام منصوص من الله کیلیے انکار جائز نه تها ' تو عامۂ امت کیلیے کب جائز هوسکتا هے ؟

غرضکه اس بارے میں اهل سنت و امامیه دونوں متفق هیں -

یهیں سے یه حقیقت بهي واضح هوگئي که حضرات امامیه اور اهل سنت میں مسئلۂ خلافۃ کي نسبت جو مشهور اختلاف هے ' وہ صرف پهلي صورت میں هے ' نه که دوسري صورت میں - یعني اس بارے میں هے که اگر امت خلیفه و امام منتخب کرے تو کس کو اور کیسے کو منتخب کرے ؟ شیعه کهتے هیں که اسکا استحقاق صرف آئمۂ اهل بیت کو هے - وهي امام هوسکتے هیں - اهل سنۃ کهتے هیں که یه شرط ضروري نهیں :

لیکن اگر اصلي نظام باقي نه رها هو اور غلبۂ و تسلط سے کوئي شخص اسلام کي مرکزي سلطنت پر قابض هوگیا هو ' تو اُسکي اطاعت پر جسطرح

اهل سنة کي تمام جماعتيں متفق هيں' ٹهيک أسي طرح شيعة بهي متفق هيں-
اهل سنة کے نزديک خلافة کي تمام شرطيں صرف خلفاء راشدين هي ميں جمع
تهيں اور اُنهي کا انتخاب صحيح نظام شرعي کے مطابق هوا - اُنکے بعد پهر نه
هوا - اماميه کے نزديک ابتدا هي سے نه هوا- ليکن اطاعت دونوں عهدوں ميں
اهل سنة نے بهي ضروري قرار دي -شيعوں نے بهي ضروري قرار دي- نتيجه يه
نکلا که ايک قائم و نافذ اسلامي سلطنت کی اطاعت پر سني و شيعه '
دونوں متفق هيں - يهي حال زيديه وغيره فرقوں کا هے -

فصل

(بعض کتب مشهورۂ عقائد و فقه)

تمام اسلامي مدرسوں ميں صديوں سے جو کتابيں پڑهي پڑهائي جا رهي
هيں' ان ميں سے بعض کي عبارتيں هم نقل کرينگے :

شرح مقاصد ميں هے : " و اما اذا لم يوجد من يصلح ذالک ' او لم يقدر
علی نصبه لاستيلاء اهل الباطل و شوکة الظلمة و ارباب الضلال ' فلا کلام في
جواز تقليد القضاء و تنفيذ الاحکام و اقامة الحدود و جميع ما يتعلق بالامام
من کل ذي شوکة " اور شروط امامة بيان کرکے لکهتے هيں " نعم' اذا لم يقدر
علی اعتبار الشرائط ' جاز الابتداء للاحکام المتعلقة بالامامة علي کل ذي شوکة
يقتدر' تغلب او استولي " اور أسي ميں هے " فان لم يوجد من قريش من
يجمع الصفات المعتبرة ' و لي کنانيٍ' فان لم يوجد ' فرجل من ولد اسماعيل '
فان لم يوجد فرجل من العجم " -

مرقات شرح مشکواة ميں هے " و اما الخروج عليهم و قتالهم ' فمحرم
و ان کانوا فسقة ظالمين " اور حديث " من اتاکم و امرکم جميع علی
رجل واحد " کي شرح ميں لکهتے هيں " اي له اهلية الخلافة ' او التسلط
و الغلبة " -

شامي ميں هے " و يثبت عقد الامامة اما باستخلاف الخليفة اياه کما
فعل ابوبکر' و اما ببيعة جماعة من العلماء او من اهل الرأے " -

مسامرہ میں ہے " و المتغلب تصح منه هذه الامور (ای ولایة القضاء و الامارة و الحكم بالاستفتاء و نحوها) للضرورة ، و صار الحال عند التغلب كما لم يوجد قرشي عدل ، او وجد و لم يقدر (ای لم توجد قدرة على توليته لغلبة الجورة) ان يحكم في كل من الصورتين بصحة ولاية من ليس بقرشي و من ليس بعدل للضرورة "

اور شرح مواقف میں امامت کی شرطیں بیان کرکے لکھتے ہیں :
" لكن للامة ان ينصبوا فاقد ها ، دفعا للمفاسد التي تندفع بنصبه " (۶۱۴)

سب سے زیادہ مشرح بحث حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں کی ہے : " و قد اجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب و الجهاد معه ، و ان طاعته خير من الخروج عليه لما في ذلک من حقن الدماء و تسكين الدهماء ، و لم يستثنوا من ذلک الا اذا وقع من السلطان الكفر الصريح ، فلا يجوز طاعته في ذلک بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها كما في الحديث " (جلد ۱۳ : ۷)

اور روایت حذیفہ " فاعتزل تلک الفرق كلها " الخ مندرجۂ کتاب الفتن کی شرح میں لکھتے ہیں " قال ابن بطال : فيه حجة لجماعة الفقهاء في وجوب لزوم جماعة المسلمين و ترک الخروج على أئمة الجور ، لانه وصف الطائفة الاخيرة بانهم دعاة على ابواب جهنم ، مع ذالک امر بلزوم الجماعة " (۱۳ : ۳۱)

اور حدیث " اسمعوا و اطيعوا و ان استعمل عليكم عبد حبشي " کی شرح میں لکھتے ہیں " و اما لو تغلب عبد حقيقة بطريق الشوكة ، فان طاعته تجب اخماداً للفتنة " (۱۳ : ۱۰۹)

حافظ نواوی شرح مسلم میں لکھتے ہیں " و هذه الاحاديث في الحث على السمع و الطاعة في جميع الاحوال ، و سببها اجتماع كلمة المسلمين ، فان الخلاف سبب لفساد احوالهم في دينهم و دنيا هم - و قوله صلعم : و ان كان عبد مجدع الاطراف - يعني مقطوعها ، و المراد اخس العبيد - اے اسمع و اطيع للامير و ان كان دني النسب * * * * و يتصور امارة العبد اذ ولاه بعض الائمه ، او يغلب على البلاد بشوكته " الخ - (جلد ۲ : ۱۲۵)

اور قاضی شوکانی درر البهیه میں لکھتے ہیں " و طاعة الائمة واجبة الا في معصية الله ، و لا يجوز الخروج عليهم ما اقاموا الصلوة " (شرح درر: ۴۱۴)

اور حجة الله البالغه ميں هے " ان الخليفة اذا انعقدت خلافته ثم خرج آخر ينازعه حل قتله "

اور ازالة الخفاء ميں ايک مفصل اور دقيق بحث مسئلۂ خلافت و حقيقت خلافت پر کرتے هوے (جس سے بهتر اور جامع بحث شائد هي کسي دوسري جگه مل سکے) لکھتے هيں " وحرام ست خروج بر سلطان بعد ازان که مسلمين بر وے جمع شدند مگر آنکه کفر بواح از وے ديده شود اگرچه آن سلطان مستجمع شرائط نه باشد واين مضمون متواتر بالمعني ست " (جلد - ١ : ١٣٧)

حاصل ان تمام عبارتوں کا رهي هے جو اوپر گزر چکا - يعني هر زمانے ميں امت کيليے ايک خليفه هونا چاهيے جو صاحب طاقت و اقتدار هو - اگر امت منتخب کرے تو اسکے ليے فلاں فلاں شرطيں هيں - ليکن اگر کسي مسلمان کي حکومت قائم هوگئي هے اور وهي صاحب اقتدار و شوکت هے' تو اُسي کو خليفه ماننا چاهيے - خواه تمام شرطيں اُسميں پائي جائيں يا نه پائي جائيں - قرشي هو يا غير قرشي ' ظالم هو يا عادل ' عالي خاندان هو يا دني النسب ' حتى که ايک حبشي غلام هي کيوں نهو ' ليکن اُسکي اطاعت و حمايت هر مسلمان پر واجب هے - جب تک کفر صريح اس سے ظاهر نهو - ليکن اگر ايسا هوا ' تو پھر نه بيعت قائم رهي نه عهد اطاعت باقي رها - اُس حالت ميں مسلمانوں پر واجب هو جائيگا که اسکا مقابله کريں - جو شخص مقابله کي طاقت اپنے ميں نه ديکھے ' وه اسکے ملک سے هجرت کر جاے - " فمن قام على ذلک فله الثواب - و من داهن ' فعليه الاثم - و من عجز ' وجبت عليه الهجرة من تلک الارض " کذا في الفتح (١٣ : ١٠٩)

فتح الباري کي اس عبارت سے ضمناً يه بات بھي معلوم هوگئي که جس ملک ميں کفار کي سلطنت قائم هو جاے ' وهاں مسلمانوں کو خروج کرنا چاهيے ' اور حق کے اظهار و اعلان ميں کسي طرح کي مداهنت گوارا نه کرني چاهيے - ليکن اگر اسکي طاقت اپنے اندر نه ديکھيں ' تو پھر اس ملک سے هجرت کر جائيں - يعني يه کسي حال ميں جائز نهيں که تسلط کفر پر قانع و رضامند هوکر زندگي بسر کريں -

فصل

(من حمل علينا السلاح فليس منا)

سورۂ نساء میں ھے :

ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزآؤه جهنم خالداً فيها و غضب الله عليه و لعنه و اعدله عذاباً عظيماً - (۴ : ۹۵)

جو مسلمان کسي دوسرے مسلمان کو جان بوجھکر قتل کرڈالے تو اسکي سزا دوزخ کي ھمیشگي ھے ' الله کا غضب ھے ' اسکي پھٹکار ھے ' اوربڑاھي درد ناک عذاب ھے جو ایسونکے لیے طیار ھوچکا ھے -

یه آیت اس بارے میں نص قطعي و ظاھر ھے که جو مسلمان دانسته بلا کسي حق شرعي کے دوسرے مسلمان کو قتل کرے ' وہ دوزخ میں ڈالا جائیگا ' الله کے غضب و لعنت کا مورد ھوگا ' اور عذاب الیم کا مستحق -

بخاري و مسلم میں ھے " سباب المسلم فسوق و قتاله کفر " (و رواه الترمذي و صححه و لفظه " قتال المسلم اخاه کفر و سبابه فسوق ") یعني مسلمان کو دشنام دینا فسق ھے اور اُس سے لڑائي لڑنا کفر -

آنحضرۃ نے آخري حج کے موقعه پر جو یادگار عالم خطبه دیا تھا ' اور جو خطبۂ حجة الوداع کے نام سے مشھور ھے ' اسمیں ھمیشه کیلیے تمام امت کو وصیت فرمائي " لا ترجعوا (و في رواية لا ترجعون) بعدي کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض " (بخاري) میرے بعد کافروں کي طرح نه ھوجانا که تم میں سے ایک دوسرے کي گردن اڑاے -

اور بخاري میں حضرۃ ابو ھریرہ سے مروي ھے " لایشیر احد کم علی اخیه بالسلاح فانه لا یدري لعل الشیطان ینزغ فی یده (و في رواية ینزع بالعین) فیقع في حفرة من النار " (و ایضاً اخرجه مسلم عن ابن رافع ' و ابو نعیم في المستخرج من مسند ابن راھویه) یعنی فرمایا : کبھي اپنے بھائي مسلمان کي طرف ھتیار سے اشارہ نه کیا کرو - ممکن ھے که ھتیار لگ جاے اورتم جھنم کے گڑھے میں گر پڑو - یعنی اگر اشارہ کرنے میں تلوار کام کرگئي اور مسلمان کا خون ھوگیا ' تو ایک ایسے فعل کا ارتکاب ھو جائیگا جسکي پاداش عذاب جھنم ھے -

اور ابن ابي شيبه نے ابو هريرہ سے مرفوعاً روايت كيا هے " الملائكة تلعن أحدكم اذا أشار الى الاخر بحديدة وان كان اخاه لابيه و امه " اور امام ترمذي نے ايک دوسري اسناد سے موقوفاً روايت كيا هے "من اشار الى اخيه بحديدة لعنه الله الملائكة " (قال حسن صحيح غريب - وكذا صححه ابوحاتم من هذا الوجه) يعني فرمايا - جب كبهي كوئي مسلمان دوسرے مسلمان كي طرف هتيار سے اشارہ كرتا هے تو فرشتے اسپر لعنت بهيجتے هيں - فتح الباري ميں هے " قال ابن العربي اذا استحق الذي يشير بالحديدة اللعن ' فكيف الذي يصيب بها ؟ و انما استحق اللعن اذا كانت اشارته تهديداً ' سواء كان جاداً أم لاعباً " (جلد ١٣ : ٢١) يعنے ابن العربي نے كہا : جب صرف هتيار اُتهاكر اشارہ كرنے كي نسبت ايسى شديد وعيد آئي كه فرشتے لعنت بهيجتے هيں ' تو اُس بد بخت كا كيا حال هوگا جو صرف اشارہ هي نه كرے ' بلكه سچ مچ اپنے هتيار سے ايک مسلمان كو قتل كر ڈالے ؟ اور يه جو فرمايا كه اشارہ كرنے والا مستحق لعنت هوتا هے ' تو اس سے مقصود وهي شخص هوگا جو ڈرانے كيليے ايسا كرے - خواہ غصه سے هو خواہ هنسي سے - انتهى - اس سے معلوم هوا كه اگر هنسي دل لگي سے بهي كوئي شخص هتيار اُٹهاكر كسي مسلمان كو ڈرائے ' تو وہ لعنت كا مستحق هوگا - يعني كسي حال ميں بهي يه بات مسلمانوں كيليے جائز نهيں - اور يه فعل اسدرجه شريعت كے نزديک مبغوض هے كه اُسكي هنسي دل لگي بهي لعنت كا موجب ٹهري !

حضرة عبد الله بن عمر سے مرفوعاً مروي هے " زوال الدنيا كلها اهون على الله من قتل رجل مسلم " (اخرجه الترمذي و قال حديث حسن ' و اخرجه النسائي بلفظ " لقتل المومن اعظم عند الله من زوال الدنيا ") يعني آنحضرة نے فرمايا - الله كي نظروں ميں تمام دنيا كے زائل هوجانے سے بهي بڑهكر جو چيز هے ' وہ ايک مسلمان كا قتل هونا هے - اور اسي بنا پر فرمايا " اول ما يقضي بين الناس في الدماء " (رواہ البخاري عن ابن مسعود و زاد مسلم " في يوم القيامه ") قيامت كے دن سب سے پہلے جس معامله كا فيصله چكايا جائيگا وہ انسان كا خون هے - (١)

---

(١) يهاں يه شبه وارد نهو كه يه حديث محاسبۂ صلوات كي مشهور حديث سے معارض هے ' كيونكه نماز كي نسبت قضاء كا لفظ نهيں آيا هے - حساب كا آيا هے - بخاري كي روايت ميں هے " اول ما يحاسب به المرء

حضرة عبد الله بن عمر کے سامنے جب ایک قاتل لایا گیا تو آپنے فرمایا " تزود من الماء البارد، فانك لن تدخل الجنة " (رواه البیهقي) ہن پترے تو اچھي طرح ٹھنڈے پاني کي طیاري کرلے کیونکہ تیرا ٹھکانا دوزخ ھے - تو یقینا جنت میں نہ جائیگا !

حقیقت یہ ھے کہ ایک مسلمان کے لیے شرک کے بعد اس سے بڑھکر اور کوئي کفر نہیں ھوسکتا کہ اپنے مسلمان بھائي کے خون سے ھاتھہ رنگین کرے -

---

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۹)

صلاتہ " قیامت میں سب سے پہلے آدمي سے جس عمل کا حساب لیا جائیگا وہ نماز ھے - اس سے معلوم ھوا کہ جن کاموں میں محاسبہ ھوگا ' اُن میں سب سے پہلا کام نماز ھے - لیکن جن کاموں میں فیصلہ چکایا جائیگا ' اُن میں سب سے پہلا معاملہ خون کا ھوگا - پس دونوں میں کوئي تعارض نہیں - چنانچہ نسائي نے یہ دونوں ٹکڑے ایک ھي متن و اسناد سے روایت کیے ھیں " اول ما یحاسب بہ العبد الصلاة ' واول ما یقضي بین الناس في الدماء " امام بخاري نے مندرجۂ متن حدیث ابن مسعود سے بہ طریق اعمش عن ابي وائل روایت کي ھے اور منجملہ ثلاثیات بخاري کے ھے - نسائي بھي یہ روایت ابو وائل ھي کے طریق سے لاے ھیں - پس سنداً و متناً روایت ایک ھي ھوئي - باقي رھا محاسبہ و قضاء کا فرق ' تو وہ بالکل ظاھر ھے - بعض اعمال انسان کي ذات خاص سے تعلق رکھتے ھیں - بعض دوسروں کے حقوق سے - شریعت نے اسي فرق کو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے تعبیر کیا ھے - پہلي قسم کے کاموں میں قضاء اور فیصلہ کي ضرورت نہیں کیونکہ ھر شخص کي ذات خاص سے تعلق رکھتے ھیں - کوئي دوسرا نفس مدعي نہیں ھوتا - البتہ پرسش ھو سکتي ھے کہ وہ فرائض انجام دیے گیے یا نہیں ؟ لیکن دوسري قسم کے لیے پرسش کافي نہیں - فیصلہ چکانے کي ضرورت ھے - کیونکہ وہ ایسے کام ھیں جن میں دوسروں کے حقوق تلف ھوے ھیں اور وہ بہ حیثیت مدعي کے کھڑے ھونگے - نماز پہلي قسم کے اعمال میں سب سے زیادہ اھم ھے ' اور قتل نفس کا معاملہ دوسري قسم میں سب سے زیادہ اھم - پس جب حساب ھوگا تو سب سے پہلے نماز کي نسبت پوچھا جائیگا ' اور جب فیصلہ چکایا جائیگا تو سب سے پہلے قتل نفس کا معاملہ پیش ھوگا -

شریعت نے مسلمانوں کی جمعیت و قومیت کی بنیاد باهمی مواخات پر رکھی هے - یعنی هر مسلمان کا شرعی رشته دوسرے مسلمان سے بهائی کا رشته هے : فاصبحتم بنعمته اخوانا (۳ : ۱۰۳) انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم (۴۹ : ۱۰) مسلمان آپس میں بهائی بهائی هیں - پس جب دو بهائیوں میں رنجش هوجائے تو صلح کرادو - مسلمانوں کی قومی سیرة جا بجا یه بتلائی - اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین (۵ : ۵۹) اشداء علی الکفار رحماء بینهم (۴۸ : ۲۹) ان میں جس قدر بهی نرمی هے ' مسلمانوں کے ساتهه هے - جسقدر بهی سختی هے ' غیروں کے ساتهه - وه سب سے زیاده نرم بهی هیں اور سب سے زیاده سخت بهی - نرم اپنوں کے لیے ' سخت غیروں کے لیے - انکے پاس محبت بهی هے ' عداوت بهی - لیکن محبت پرستاران حق کے ساتهه کرتے هیں ' عداوت دشمنان حق کے ساتهه -

احادیث میں اس حقیقت کی جو بے شمار تشریحات و تمثیلات ملتی هیں ' وه مشهور و معلوم هیں ' اور مهاجرین و انصار اور عموم صحابۂ کرام نے انکی عملی تصویر بنکر همیں بتلا دیا هے که اخوت دینی کے معنی کیا هیں ؟ هر مسلمان پر اسکی نماز اور روزه سے بهی بڑهکر جو چیز فرض کردی گئی ' وه یهی هے که مسلمانوں سے محبت کرے ' جهانتک بن پڑے انکی بهلائی چاهے ' اور کوئی بات ایسی نه کرے جس سے کسی مسلمان کو نقصان پهنچے - اگر یه چیز نهیں هے تو ایمان و اسلام بهی نهیں - پهاڑوں جتنا بهی زهد و عبادت هو اور سمندر جتنی بهی دولت خرچ کرڈالی جاے ' لیکن اگر یه چیز نهیں تو بالکل بیکار و عبث هے -

فرمایا " لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه " (رواه الشیخان) کوئی شخص مومن نهیں هوسکتا جب تک اس میں یه بات پیدا نه هوجاے که جو بات اپنے لیے پسند کرے ' وهی اپنے بهائی مسلمان کے لیے بهی پسند کرے -

اور فرمایا " لا تدخلون الجنة حتی تومنوا و لا تومنون حتی تحابوا " (شیخان) تم کبهی جنت میں داخل نهیں هوسکتے جب تک ایمان نه لاؤ ' اور کبهی مومن نهیں هوسکتے جب تک آپس میں محبت و پیار نه کرو -

اور فرمایا " لا تحسسوا ' و لا تجسسوا ' و لا تناجشوا ' و لا تباغضوا ' و لا تدابروا ' ولا تنابزوا ' و کونوا عباد الله اخوانا " (شیخان) ایک دوسرے کي ٹوہ میں نہ رہو ' باهم کینه اور عناد نہ رکھو ' بدگوئي نہ کرو ' اور ایسا کرو کہ آپس میں بھائي بھائي ہو جاؤ -

حضرۃ جابر کو وصیت کي " ان تصبح و تمسي و لیس في قلبک غش لاحد " (مسلم) تجھپر صبح کا سورج چمکے تو اس حالت میں چمکے کہ اسکي کرنوں کي طرح تیرا دل بھي صاف هو ' اور شام آے تو اسطرح آے کہ کسي کے طرف سے تیرے اندر کھوٹ نہو -

اور فرمایا " المسلم من سلم المسلمون من یدہ و لسانه " (بخاري) مسلمان وہ هے کہ اسکے هاتھہ اور زبان سے مسلمانوں کو کوئي گزند نہ پہنچے -

اور فرمایا " المسلم اخو المسلم ' لا یظلمه ' و لا یخذله ' و لا یحقرہ " (مسلم) مسلمان مسلمان کا بھائي هے - پس اپنے بھائي کے ساتھہ نہ تو ظلم کرے ' نہ اُسے ذلیل کرے ' نہ اُسکو حقیر جانے -

اور فرمایا " لا یحل لرجل ان یهجر اخاہ فوق ثلاث " (شیخان) کسي مسلمان کیلیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسي مسلمان سے روٹھا رهے -

اور فرمایا " ملعون من ضار مومنا او مکر به " (ترمذي) الله کي اسپر پھٹکار جس نے مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اسکو دھوکا دیا -

ایک حدیث میں یہانتک زور دیا کہ " من کان یومن بالله و الیوم الاخر ' فلا یحد النظرالی اخیه " (رواہ الحاکم و صححه) جو شخص الله اور قیامت پر ایمان رکھتا هے ' اسکو نہ چاهیے کہ اپنے بھائي مسلمان کي طرف تیز نظروں سے گھورے - یعني جب مسلمان بھائي کو دیکھے تو محبت اور پیار کي نظروں سے دیکھے -

پس جب الله کي شریعت حقه نے مسلمانوں کي قومیت کي بنیاد هي باهمي محبت و برادري پر رکھي ' اسي کو ایمان کي جڑ قرار دیا ' وهي اسلام کي اصلي پہچان هوئي ' اسي پر ایمان کي تکمیل موقوف ٹھہري ' تو ظاهر هے کہ جو مسلمان خدا کے اس جوڑے هوے رشتے کو توڑ دے ' اور اپنے اُنھي هاتھوں سے جو مسلمانوں کي دستگیري و مددگاري کیلیے بناے گئے ' مسلمانوں کي گردنیں کاٹے ' اس سے بڑھکر خدا کي زمین پر اُسکي

شریعت کا کون مجرم ہوسکتا ہے ؟ اور اگر انسان کی برائیاں اور بد عملیاں اللہ کی لعنت کا مستحق ہوسکتی ہیں ، تو اس فعل سے بڑھکر اور کونسا فعل ہے جو اللہ کے عرش جلال و غیرت کو ہلا دے ، اور اسکی لعنتیں بارش کی بوندوں کی طرح آسمانوں سے زمین پر برسنے لگیں ؟

جس مومن کا وجود اللہ کو اس قدر محبوب و محترم ہو کہ تمام دنیا کا زوال اس کی ہلاکت کے مقابلے میں ہیچ بتلائے ، اسی کا خون خود ایک مسلمان کے ہاتھوں بہے ؟ اس سے بڑھکر شریعت الہی کی کیا توہین ہوسکتی ہے ؟ اور ان سارے گناہوں میں جو انسان کے ہاتھہ پانوں کرسکتے ہیں ، کونسا گناہ ہے ، جو اس سے زیادہ ملعون و مردود ہوسکتا ہے ؟

دنیا کی کونسی بڑائی او ر عظمت ہے جو کلمۂ لا الہ الا اللہ سے بڑھکر خدا کی نظروں میں عزت رکھتی ہو ؟ اور کونسی محبوبیت ہے جو اس کلمۂ عزیز کے اقرار کرنے والے کو اللہ کے حضور نہیں ملجاتی ؟ پس جس بد بخت کا احساس ایمانی یہانتک مسخ ہوجائے کہ با وجود دعوئے اسلام مسلمانوں کا خون بہانے لگے ، وہ یقیناً مسلمانوں کا خون نہیں بہاتا ، بلکہ اللہ کے کلمۂ توحید کو ذلیل و خوار کرتا ، اور اسکی عزت و اجلال کو بٹہ لگانا چاہتا ہے -

صحیح بخاری و مسلم میں حضرۃ اسامہ کی روایت ہے کہ انکو آنحضرۃ نے بنو الحرقہ کی طرف ایک فوجی مہم دیکر بھیجا تھا - لڑائی میں اسامہ نے ایک آدمی پر حملہ کیا - ساتھہ ہی ایک انصاری بھی حملہ آور ہوا - اسامہ کہتے ہیں کہ جب میری تلوار اسکے سر پر چمکی تو وہ پکار اٹھا " لا الہ الا اللہ " - میں نے کچھہ پروا نہ کی اور قتل کر ڈالا - لیکن کلمہ کی صدا سنکر انصاری نے تلوار روک لی - آنحضرۃ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو نہایت ناراض و غمگین ہوے اور فرمایا " أقتلته بعد ما قال لا اله الا الله " ؟ تونے اسے قتل کردیا باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا ؟ میں نے عرض کیا " انما كان متعوذا " وہ تو اس نے محض میری تلوار سے بچنے کیلیے کہدیا تھا - فی الحقیقت مسلمان نہیں ہوا تھا - " فما زال يكررها على حتى تمنيت أني لم أكن اسلمت قبل ذلك اليوم " لیکن آنحضرۃ برابر یہی جملہ دہراتے رہے " تونے قتل کرڈالا باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا " یہانتک کہ آنحضرۃ کا حزن و ملال اور اس واقعہ کا تاثر دیکھکر مجھے اسقدر ندامت ہوئی کہ دل نے کہا ، کاش آج کے دن

سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا - ایک روایت میں ہے " افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم " تونے اسکا دل چیر کر کیوں نہ دیکھہ لیا کہ واقعی دل سے اقرار کیا ہے یا نہیں ؟ یعنی جب زبان سے یہ کلمہ نکلا تو اُسکا احترام واجب ہوگیا - خواہ تلوار کے ڈر سے کہا ہو یا سچ مچ دل سے اقرار کیا ہو - دل کا حال صرف اللہ ہی کو معلوم ہے -

یہی واقعہ صحیح مسلم میں جندب بن عبد اللہ کی روایت سے بھی مروی ہے اور اسمیں بعض زیادات ہیں - وفیہ ان النبی صلعم قال لہ " فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ اذا أتتک یوم القیامہ " ؟ قال یا رسول اللہ استغفرلی - " قال فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ " ؟ فجعل لایزیدہ علی ذلک - یعنی آنحضرۃ صلعم نے اُسامہ سے کہا " قیامت کے دن جب وہ لا الہ الا اللہ کے ساتھہ تیرے سامنے آئیگا تو اسوقت تو کیا کریگا ؟ یعنے اللہ کو کیا جواب دیگا ؟ اُسامہ نے عرض کیا - یا رسول اللہ ! ابتو مجھہ سے یہ قصور ہوگیا - میری بخشش کیلیے دعا کیجیے - لیکن آنحضرۃ یہی کہتے رہے کہ قیامت کے دن لا الہ الا اللہ کا جب دعوا ہوگا تو تم کیا جواب دوگے ؟ اور اس جملہ کے سوا کوئی بات نہ فرمائی -

بخاری میں ہے کہ آپ سے مقداد بن عمرو الکندی نے پوچھا " ان لقیت کافراً فاقتتلنا ' فضرب یدی بالسیف فقطعھا ' ثم لاذ بشجرۃ و قال أسلمت للہ ' أ أقتلہ بعد ان قالھا ؟ " اگر ایسا ہو کہ ایک کافر سے مقابلہ کریں ' اور وہ تلوار میرے ہاتھہ پر اسطرح مارے کہ ہاتھہ کٹ جاے - پھر الگ ہوکر کہے میں اللہ پر ایمان لایا ' تو یہ کہنے کے بعد اُسے قتل کروں یا نہ کروں ؟ فرمایا " لا تقتلہ " مت قتل کر - " قال فانہ طرح احدی یدی ثم قال ذلک بعد ما قطعھا " مقداد نے عرض کیا - اس نے تو میرا ہاتھہ کاٹ ڈالا اور اسکے بعد اسلام لانے کا اقرار کیا - پھر کیوں نہ میں اُس سے اپنا بدلا لوں ؟ فرمایا " لا تقتلہ ' فان قتلتہ ' فانہ بمنزلتک قبل أن تقتلہ ' و انت بمنزلتہ قبل ان یقول کلمتہ التی قال " جو کچھہ بھی ہوا ہو ' لیکن جب کلمۂ توحید کا اقرار کرلیا تو پھر قتل نہ کر - اقرار کرنے سے پہلے وہ کافر تھا ' اور تو مسلمان ' لیکن اگر تونے اقرار کے بعد اُسے قتل کردیا تو وہ تیری جگہ ہو جائیگا اور تو اسکی جگہ -

یہ دو روایتیں اس بارے میں نہایت ہی عبرت انگیز ہیں - جب اللہ کے رسول کا یہ حال تھا کہ ایک مشرک دشمن کا جنگ کی حالت میں بھی

قتل ہو جانا گوارا نہ ہوا کیونکہ اُس نے خوف جان سے ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہدیا تھا ' اور اسپر اسقدر رنج و افسوس فرمایا کہ عرصہ تک صدائے الم زبان مبارک سے نکلتي رہي ' تو پھر غور کرو کہ جو مسلمان اُن مسلمانوں کو قتل کرے ' جنکي ساري زندگیاں اسلام و ایمان میں بسر ہوئي ہیں ' اور جنھوں نے محض خوف جان سے ایک مرتبہ ھي نہیں ' بلکہ دل کے یقین و ایمان سے لاکھوں مرتبہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار اور ورد کیا ہے ' اسکي شقاوت و خسران کا کون اندازہ کرسکتا ہے ؟ اور شریعت کے نزدیک اس فعل سے بڑھکر اور کون سا فعل ہے جو ایک مسلمان کیلیے عذاب الیم کا مستوجب ہو ؟

یہي وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس فعل کیلیے وہ وعید فرمائي جو کسي معصیت کیلیے نہیں فرمائي - یعنے فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا ' وغضب اللہ علیہ ولعنہ - اسمیں خلود فی النار ' غضب ' لعنت ' تین چیزوں کا ذکر کیا ہے ' اور تمام قرآن وسنت میں یہ تینوں کلمات وعید کفار کیلیے مخصوص ہیں - مسلمانوں کي نسبت کہیں استعمال نہیں کیے گئے - اس سے معلوم ہوگیا کہ عام معاصي و فسوق سے اس فعل کي برائي کہیں زیادہ ہے - کفر صریح و قطعي کے بعد ' اور عام معاصی سے اشد ' کوئي فعل ہوسکتا ہے تو وہ یہي ہے - اور اسي لیے تمام احادیث میں اس فعل کو کفر فرمایا کہ " وقتالہ کفر " اور " لا ترجعوا بعدی کفارا " معصیت و فسوق کا لفظ اسکي ناپاکي و ملعونیت ظاہر کرنے کیلیے کافي نہ تھا - جب مسلمان کو صرف دشنام دینا فسق ہوا کہ " سباب المسلم فسوق " تو پھر اسکو قتل کردینا صرف فسق ھي کیوں ہو ؟

ثانیاً ' جس طرح ایمان و اسلام کي ستر سے کچھہ اوپر شاخیں ہیں ' اور اُن میں سے ہر شاخ ایمان و اسلام ہے - " الایمان بضع و سبعون شعبة ' اعلاہا لا الہ الا اللہ و أدناہا اماطة الاذي عن الطریق " (رواہ مسلم و اصحاب السنن الثلاثہ ' و رواہ البخاري " بضع و ستون ") اسي طرح کفر کي بھي شاخیں ہیں اور اعلي و ادنی مراتب ہیں ' جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت ہوچکا ہے ' اور اسي لیے صحابۂ و سلف سے مروي ہے " کفر دون کفر و ظلم دون ظلم " (۱) - اور پھر جس طرح ایمان و اسلام اعتقادي بھي ہے

(۱) امام بخاري نے کتاب الایمان میں باب باندھا ہے " کفران العشیرة وکفر دون کفر " - لیکن دراصل یہ خود صحابۂ کرام کے آثار سے

اور عملي بهي - يعنے اعتقاديات و معنويات ميں بهي هے ' اور عمليات و ظواهر ميں بهي - فكر ميں بهي هے اور فعل ميں بهي - ايمان بالله و الرسل بهي اسلام هے اور نماز بهي اسلام هے - تهيک اسيطرح كفر اور نفاق كي بهي دو قسميں هيں - اعتقادي اور عملي - ايک كفر و نفاق اعتقاديات و افكار كا هے - ايک اعمال و افعال كا - شرک كفر اعتقادي هے ' اور ترک صلواة متعمداً كفر عملي - پس يه جو فرمايا كه " سباب المسلم فسوق و قتاله كفر "

اور فجزاوه جهنم خالداً فيهـا اور " لا ترجعوا بعدى كفارا " اور " فليس منا " تو ان ميں اور عموم احكام كفر و اسلام ميں كوئي تعارض نهيں - نه لفظ " كفر " كي يهاں كوئي تاويل كرني چاهيے ' اور نه نفي اسلام كو نفي كمال پر محمول كرنے كي ضرورت - شارع نے جس فعل كو كفر كها ' وه كفر كے سوا اور كچهه نهيں هوسكتا ' اور جب تک دنيا باقي هے وه كفر هي هے اور كفر هي رهيگا - البته يه كفر بهي مثل ديگر اعمال كفريه كے عملي كفر هے ' نه كه كفر اعتقادي و مخرج عن الملة - اسكا كرنے والا ويسا هي فعل كفر كا مرتكب هوگا ' جيسا نماز چهوڑ دينے والا مسلمان جسكے كفر پر صحابۂ كرام كو اتفاق تها " و كان اصحاب رسول الله صلعم لا يرون شيئاً من الاعمال تركه كفر غير الصلواة " (ترمذي) " من الاعمال " كي قيد اسي حقيقت كي طرف اشاره هے كه عمل كي باتوں ميں جو بات كفر هوسكتي هے ' وه بات ترک صلواة سمجهي جاتى تهى - ليكن بلاشبه يه وه كفر نهيں هے جو مخرج عن الملة هے - جبتک ايک شخص اعتقاد كے اس دروازه سے پلٹ نه جاے ' جس دروازه سے اسلام ميں داخل هوا تها ' اسوقت تک اس معنى ميں كافر نهيں هوسكتا -

ان الله لا يغفر ان يشرک به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء اور حديث ابو سعيد خدري كه " اخرجوا من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من الايمان " (رواه البخاري)

[بقيه نوٹ صفحه ۷۵]

ماخوذ هے - جيساكه امام احمد نے كتاب الايمان ميں عطاء بن أبي رباح وغيره كے طرق سے روايت كيا هے - اور امام ابو الحسن اشعري نے بهي مقالات طوائف اسلاميه ميں لكها هے كه يه قول متعدد صحابه سے منقول هے ' اور سلف ميں عام طور پر زباں زد تها - (كمانقل عنه شيخ الاسلام ابن تيميه في كتاب الايمان)

پس اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ مسلمانوں پر ہتیار اُٹھانا شریعت کے نزدیک اُن انتہائي معاصي میں سے ہے ' جو عملي کفریات کا حکم رکھتي هیں - اس لیے اُس کفر کے بعد جو مسلمان کو قطعاً کافر و مرتد کردیتا ہے ' اس کفر سے بڑھکر عند اللہ کوئي برائي نہیں ' اور قریب ہے کہ اِس کا مرتکب اُس کفر کے حـــدود میں بھي داخل هوجاے - کتاب و سنت نے جن جن لفظوں اور وعید و امتناع کے جیسے جیسے پیرایوں میں اس فعل کا ذکر کیا ہے ' وہ عام معـــاصي و فسوق کے لیے کبھي اختیار نہیں کیے گئے ' اور وہ ایسے سخت و شدید هیں کہ جس دل میں رائي برابر بھي اللــہ اور یوم آخرت پر ایمان هو ' اس کو لرزا دینے اور خوف الٰہی سے بد حال کر دینے کے لیے بس کرتے هیں - اگر ایک مسلمان کا ایمان بالکل مردہ نہیں هوگیا ہے ' تو وہ سارے گناہ جو زمین پر کیے جاسکتے هیں ' اس سے سر زد هو جا سکتے هیں ' مگر اس کفر کے ارتکاب کا کبھي دھیان بھي نہیں کر سکتا -

قرآن میں " لعنت " اور " غضب " کا لفـــظ کفار و منافقین کے لیے مخصوص ہے - " لعنت " کے معنی یہ هیں کہ رحمت الٰهي سے مہجوري اور هر طرح کي کامیابیوں اور فلاح سے محرومي - یہودي ملعون و مغضوب هوے اور عزت و حکومت سے همیشہ کیلیے محروم هوگئے - سورۂ احزاب میں " منافقین " پر لعنت وارد هوئي : ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنهم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ - الخ - چنانچہ وہ سب نابود و مخذول هوگئے - چونکہ ایمان و اسلام کے خصائص بالکل اس سے متضاد هیں - وہ رحمت الٰہی کا مورد اور فلاح و مراد کا سر چشمہ ہے - اس لیے کبھي ایسا نہیں هوسکتا کہ جہاں ایمان هو ' وهاں لعنت الٰہی کا بھی ورود هوسکے - احادیث میں جا بجا ایسے واقعات ملینگے کہ سخت سے سخت معاصي و فسوق کا جن لوگوں سے ارتکاب هوگیا تھا ' ان پر بھی " لعنت " کرنے سے آنحضرۃ نے روکا -

امام بخاري نے باب باندھا ہے " ما یکرہ من لعن شارب الخمر " یعنی جو مسلمان شراب پینے کي معصیت میں مبتلا هو جاے ' اسپر لعنت کي ممانعت - اسمیں عبد اللہ ملقب بہ " الحمار " کا واقعہ بروایت حضرۃ عمر لاے هیں - یہ شخص بار بار شراب نوشي کے جرم میں ماخوذ هوچکا تھا - سزائیں پاتا تھا ' توبہ کرتا تھا ' پھر مبتلا هوجاتا تھا - ایک مرتبہ جب ماخوذ هوا ' تو بعض مسلمان بول اُٹھے " اللهم العنہ - ما اکثر ما یوتی بہ " اسپر خدا کي لعنت هو - لیکن انحضرۃ نے نہایت سختي سے روکا " لا تلعنوہ

(وفي لفظ لا تلعنه) فو الله ما علمت انه يحب الله و رسوله " (وفي رواية - فانه يحب الله و رسوله) اسپر لعنت نه بهیجو - یه الله اور اسکے رسول کو دوست رکھتا ھے ! حافظ عسقلاني نے حافظ ابن عبد البر کا قول نقل کیا ھے " انه اتی به اکثر من خمسین مرة " فتامل !

اسي طرح حضرة ابو هريرة کي روایت مندرجۂ کتاب الدیات بخاري که ایک شخص اسي جرم میں ماخوذ هوا اور اسکو پیٹنے کا حکم دیا گیا - کسي نے کہا " اخزاک الله " خدا تجھے رسوا کرے - فرمایا " لا تقولوا هکذا - لا تعینوا علیه الشیطان " اور سنن ابوداؤد میں ابن وهب کے طریق سے ھے " ولکن قولوا اللهم اغفر له - اللهم ارحمه " بد دعا نه دو - بلکه یوں کہو - خدایا اسپر رحم کر - خدایا اُسے بخشدے ! قلت وما املح في هذا المقام قول الشاعر العـــارف :

فدائے شیوۂ رحمت ، که در لباس بہار
بعذر خواهي رندان باده نوش آمد !

لیکن صرف قتل مسلم هي ایک ایسي معصیت ھے جسکے لیے قران نے " لعنت " اور " غضب " کے الفاظ استعمال کیے ، اور احادیث میں بهي جا بجا لعنت و ملعون کا لفظ وارد هوا - صرف اسي ایک بات سے فیصله کرلو - خواه یه فعل کفر قطعي و مخرج عن الملة هو یا نهو ، لیکن الله کي شریعت کے نزدیک اُسکا ارتکاب کس درجه مبغوض و ملعـــون ھے ؟ اور جو مسلمان اسکا ارتکاب کرتا ھے ، وہ الله کے حضور کس طرح اپنے اسلام و ایمان کي ساري رحمتیں اور برکتیں کهو دیتا ھے ؟

ثالثاً ، اس باب میں فیصله کن حدیث وہ ھے جسکو هم نے به اتباع تبویب بخاري ، اس فصل کا عنوان قرار دیا ھے - اور جسکو امام موصوف اور امام مسلم نے مختلف طریقوں سے روایت کیا ھے - یعنی " من حمل علینا السلاح فلیس منا " (رواه ابن عمر ، و سلمه ، و ابو موسی الاشعري - و في رواية سلمه " من سل علینا السیف ") جس مسلمان نے مسلمانوں کے مقابلے میں هتیار اُٹهایا - یعنی حمله کیا یا لڑائي کي ، وہ مسلمانوں میں سے نہیں ھے - " و معني الحدیث حمل السلاح علی المسلمین لقتالهم به بغیر حق " (فتح ۱۳ : ۲۰)

یہ حدیث نہایت اہم ہے' اور من جملہ قواعد و کلیات شریعت کے ہے - اسی لیے امام بخاری نے کتاب الفتن میں ایک خاص عنوان باب قرار دیا' اور امام مسلم کتاب الایمان میں لائے تاکہ حقیقت ایمان و کفر کی تحقیق میں اس سے مدد لیں' اور حافظ نواوی نے ایک مستقل عنوان قرار دیکر باب باندھا -

" لیس منا " کے معنی ہیں " ہم میں سے نہیں ہے " یعنی ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے - آنحضرۃ صلعم کے طرز تکلم و خطاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ " لیس منا " وعید کا ایک ایسا جملہ تھا جو اُن موقعوں پر آپ استعمال فرماتے (۱) جہاں صریح و قطعی کفر کی جگہ کفر سے کوئی بہت ہی قریب اور اسلامی زندگی سے بہت ہی بعید حالت کا بتلانا مقصود ہوتا تھا - عام معاصی و فسوق سے یہ حالت زیادہ سخت مگر کفر قطعی سے کم ہوتی تھی - جن جن احادیث میں یہ لفظ آیا ہے' اُن سب پر غور کیا جائے' اور ایمان و کفر کے عملی مراتب کی حقیقت بھی پیش نظر ہو جو اوپر گزر چکی' تو یہ بات واضح ہو جائیگی - پس کچھہ ضروری نہیں ہے کہ " لیس منا " کے یہ معنی کیے جائیں کہ " لیس علی ھدینا " یا ظاہر منطوق کو چھوڑ کر کوئی اور تاویل کی جائے - یا نفی کو نفی کمال پر محمول کیا جائے -

صاحب شریعت نے جن کاموں کیلیے جو احکام دیے اور جو الفاظ استعمال کیے' ہمیں حق نہیں ہے کہ تاویل و توجیہہ کر کے اُنکے لغوی مفہوم کا اصلی زور و اثر گھٹانے کی کوشش کریں - ایسی کوششیں جن لوگوں نے کیں' اُنھوں نے مسلمانوں کو اسلام و ایمان کی عملی زندگی سے محروم کردیا -

---

(۱) احادیث میں بعض اعمال کی نسبت " لیس منا " آیا ہے اور بعض کی نسبت " لیس منی " - جیسے " النکاح من سنتی فمن رغب عنها فلیس منی " دونوں میں فرق ہے - " لیس منا " میں جمع کا صیغہ ہے جس سے مقصود امت ہے - اور " لیس منی " میں اپنی ذات خاص کا ذکر ہے' جس سے مقصود ترک سنت ہے - پس جن احادیث میں " لیس منا " کی وعید آئی ہے' اُنسے مقصود وہی ہوگا جو متن میں لکھا ہے' اور جن میں " لیس منی " ہے ان سے مقصود صرف ترک اتباع سنت و اسوۂ نبوت ہوگا -

یہ جو آج تمام عالم اسلامي میں تقریباً دو تہائي مسلمان عملاً یکقلم مرجي و جہمي زندگي بسر کررہے ہیں اگرچہ اعتقاداً اہل سنت ہونے کا دعوا کرتے ہوں ' اور اسلام کي تعریف میں " عمل بالارکان " کا لفظ صرف درسي کتب عقائد کے صفحات پر رہگیا ہے ' عمل میں اسکا کوئي وجود نظر نہیں آتا ' تو اسکے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہي بدعت تاویل ہے - اسي بدعت کی وجہ سے اعمال کي اهمیت و مطلوبیت بالکل جاتي رهي اور ادعاء اسلام کا سارا دارومدار صرف چند جزئیات عقائد کے تحفظ و نزاع پر رہگیا - یہ کیا بات ہے کہ ایک شخص کتنا هي فاسق و فاجر ہو' لیکن اگر چند نزاعي عقائد میں همارا هم داستان هوتا ہے تو هم اسکو دنیا کي سب سے بہتر مخلوق یقین کرتے هیں ؟ اور ایک شخص کتنا هي صاحب عمل و صلاح هو' لیکن اگر چند اختلافی جزئیات عقائد میں هم سے متفق نہیں' تو پھر اُس سے زیادہ شر البریہ همارے نظروں میں آور کوئی نہیں هوتا ؟ رهي عملي مرجیة و جهمیة اگرچہ زبان سے اِدعاء اتباع سنت و سلف !

یہي وجہ ہے کہ آئمۂ سلف نے همیشه ایسي تاویلوں سے انکار کیا ' اور اُن تمام راهوں سے بچتے رہے جو راے اور تعمق کي بدعتوں تک لیجانے والي تھیں - اسي حدیث کي نسبت امام نواوي اور حافظ عسقلاني وغیرهما لکھتے هیں " و کان سفیان بن عیینه یکره قول من یفسره بلیس منا بلیس علی هدینا ' و یقول بئس هذا القول - یعني بل یمسک عن تاویله" (شرح مسلم مطبوعه احمدي : ۶۹ - و فتح الباري ۱۳ : ۲۰) یعنی سفیان بن عیینه اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ " لیس منا " کی تفسیر یوں کي جاے کہ " لیس علی هدینا " اور اس تفسیر کی نسبت کہا کرتے کہ کیا هی برا قول ہے - مقصود اُنکا یہ تھا کہ ان نصوص کي تاویل نہ کرني چاهیے -

اسی طرح شیخ عبد الوهاب شعرانی نے میزان میں امام سفیان ثوري کا قول نقل کیا ہے " و من الادب اجراء الاحادیث التی خرجت مخرج الزجر والتنفیر علی ظاهرها من غیر تاویل ' فانها اذا اولت ' خرجت من مراد الشارع' کحدیث : من غشنا فلیس منا - و لیس منا من لطم الخدود و شق الجیوب و دعی بدعوة الجاهلیه : فان العالم اذا اولها بان المراد لیس منا فی تلک الخصلة فقط ' ای و هو منا فی غیرها ' هان علی الفاسق الوقوع فیها ' و قال مثل المخالفة فی خصلة واحدة امر سهل "

" لیس منا " کے صاف معنی یہ ھیں کہ " وہ ھم میں سے نہیں "
یعنی مسلمانوں میں سے نہیں - اس سے ثابت ھوا کہ مسلمانوں کی کسی
جماعت پر بطور جنگ و قتال کے ھتیار اٹھانا ایک ایسا فعل ھے جسکے
کرنے کے بعد انسان مسلمانوں میں شمار ھونے کے قابل نہیں رھتا -

فصل

(اقسام ثلاثۂ قتل مسلم و حمل سلاح)

البتہ واضح رھے کہ قتل مسلم و حمل سلاح کی متعدد صورتیں ھیں '
اور ھر صورت کا حکم شرعی دوسرے سے مختلف ھے :

(۱) ایک صورت یہ ھے کہ مسلمان مسلمان کو قتل کرے ' لیکن اس
فعل کو جائز نہ سمجھے - اسکی حرمت کا معترف ھو' اور اس کے ارتکاب
پر شرمندہ و متاسف ' تو اسکا حکم وھی ھے جو گذشتہ فصل میں گزر چکا -
یعنی وہ عملی کفر ھے ' مگر اسکا کرنے والا ملت سے خارج نہیں ھو جائیگا -
دنیا میں اسلام کے قومی احکام و معاملات اس پر جاری ھونگے - عاقبت کا
معاملہ اللہ کے ھاتھہ میں ھے -

باقی رھی یہ بات کہ قاتل مسلم کی توبہ قبول ھوسکتی ھے یا نہیں ؟
تو اس بارے میں خود صحابۂ و سلف سے اختلاف منقول ھے - ایک
جماعت اس طرف گئی کہ سورۂ فرقان میں ھے : و الذین لا یدعون مع اللہ
الہا آخر و لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق الخ - پھر فرمایا :
الا من تاب و امن و عمل عملاً صالحاً فاولئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات
پس اس سے معلوم ھوا کہ تمام معاصی کی طرح قتل نفس کے مرتکب
کی توبہ بھی مقبول ھوسکتی ھے - لیکن حضرۃ عبد اللہ ابن عباس سے
بخاری و مسلم و غیرھما میں مروی ھے کہ جو مسلمان مسلمان کو قتل
کرے ' اسکی توبہ مقبول نہیں - وہ فجزاوہ جہنم خالداً فیہا الخ کے یہی
معنی کرتے ھیں کہ " لا توبۃ لہ " اور صحیح بخاری کتاب التفسیر میں
سعید بن جبیر سے مروی ھے کہ ابن عباس سے " الا من تاب " الخ کی
نسبت پوچھا گیا تو کہا " ھذہ مکیۃ - نسختہا آیۃ مدنیۃ التی فی النساء "

یعنی اس آیت کو سورۂ نساء کی آیت " من یقتل مومناً " نے منسوخ کردیا - پس قبولیت توبہ پر اس سے استدلال نہیں ہوسکتا - مسلم کی روایت زیادہ مفصل ہے: " لما أنزلت التي فی الفرقان قال مشرکوا مکہ قد قتلنا النفس ودعونا مع اللہ الہاً آخر و اتینا الفواحش - فنزلت الا من تاب و امن الخ - قال فھذہ لاولائک ' و أما التي فی النساء ' فھو الذي قد عرف الاسلام ثم قتل مؤمنا متعمداً ' فجزاؤہ جھنم لا توبة له " یعنی جب سورۂ فرقان کی آیت و الذین لا یدعون مع اللہ الہا آخر و لا یقتلون النفس اتری تو مشرکین مکہ نے کہا - ہم تو یہ سب کام کرچکے ہیں - اب مسلمان ہوے بھی تو نجات کب ملیگی ؟ اسپر یہ آیت اتری کہ " الا من تاب و امن " یعنی ہاں - لیکن جس شخص نے توبہ کی ' ایمان لایا ' اچھے کام کیے ' تو اللہ اسکی برائیوں کو محو کردیگا - لیکن " من یقتل مومناً " والی آیت مشرکین کیلیے نہیں ہے - مسلمانوں کیلیے اتری ہے - یعنی جو شخص مسلمان ہونے کے بعد مسلمان کو قتل کرے ' تو اسکی سزا جھنم ہے اور اسکے لیے توبہ نہیں - انتہی

اور امام احمد و طبرانی نے سالم بن أبي الجعد سے بطریق یحیی الجابر' اور نسائی و ابن ماجہ نے بطریق عمار ذھبی روایت کی ہے - ایک شخص نے ابن عباس سے اس بارے میں سوال کیا تو جواب دیا " لقد نزلت في آخر ما نزل و ما نسخھا شي حتی قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ما نزل وحي بعد رسول اللہ " اسپر سائل نے کہا " أفرأیت ان تاب و امن و عمل عملاً صالحاً ثم اھتدی " ؟ کہا " و أنی له التوبة و الھدی " ؟ یہ لفظ یحیی الجابر کا ہے - نسائی و ابن ماجہ کے الفاظ بھی قریب قریب ایسے ہی ہیں - حاصل ان تمام روایات کا یہ ہوا کہ ابن عباس سورۂ فرقان کی آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں ' اور اس بارے میں آخر تنزیل سورۂ نساء کی آیت " فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا " ہے - اور اسلیے وہ کہتے ہیں کہ مسلمان قاتل مسلم کیلیے توبہ نہیں -

اسمیں شک نہیں کہ حضرة ابن عباس کا مذھب کئی پہلوؤں سے قوی نظر آتا ہے:

اول تو اس بنا پر کہ سورۂ نساء کی آیت کا منطوق عدم قبولیت کیلیے ظاہر و نص ہے - خالداً فیھا و غضب اللہ علیه و لعنته کا مطلب اسکے

سوا کچھہ نہیں هو سکتا - اور منطوق مفہوم پر مقدم هے جب تک اسکے خلاف کوئی سبب قوي موجود نہ هو - کما تقرر في الاصول -

ثانیاً ' یہ کہنا کہ سورۂ فرقان کي آیت نے اسکو منسوخ کردیا ' صحیح نہیں هو سکتا - کیونکہ آیۂ فرقان مکي هے اور آیۂ نساء مدني - خود ترجمان القرآن اور حبــر الامة یعنی ابن عباس شہادت دے رهے هیں کہ " نزلت في آخر ما نزل و ما نسخها شي " اور معلوم هے کہ ناسخ کیلیے تقدم زماني هونا ضروري هے -

ثالثـاً ' دونوں آیتوں میں حکم مشترک نہیں هے کہ متـاخرین کا مصطلحـہ نسخ مانا جاسکے - دونوں کا مـورد الگ الگ هے - پس اگر نسـخ هوسکتا هے تو سلف کي اصطـلاح میں هوسکتا هے جیسا کہ ابن عباس نے کہا - یعني عام و خاص کا نسخ - سورۂ فرقان کی آیت میں ذکر کفار کا هے - اور حکم بھی جو دیا گیا هے وہ اُنھي کفار کی نسبت هے جو کفر سے توبہ کریں اور ایمان لے آئیں - اور چونکہ " الایمان یهدم ما قبله " هے - یعني اسلام تمام پچھلي برائیوں کو نابود کردیتا هے ' اسلیے جب شرک سے توبہ هوسکتی هے تو قتل نفس سے کیوں نہو ؟ قریش میں جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لاے ' اُن میں کون تھا جس نے خود مسلمـانوں سے قتال نہیں کیا تھا ؟ یہي وجہ هے کہ " الا من تاب " کے بعد " و امن " کا لفظ بھی موجود هے - یعنے " توبہ کي اور ایمان لایا " جس سے واضح هوگیا کہ یہ توبہ اسلام لانے والے کافر کی توبہ هے ' نہ کہ ایک مومن کی توبۂ معصیت بعد از اسلام - سورۂ فرقان کا آخري رکـوع " و عبـاد الرحمن " سے پڑھو تو تمام آیات کا ٹھیک ٹھیک محل و مورد واضح هوجایگا - وهاں ذکر خدا کے نیک بندوں کے اسلامی و ایماني اوصاف کا هے - انھي میں اِن اوصاف کو بھي داخل کیا هے کہ " نہ تو شرک کرتے هیں ' نہ کسي نفس کو قتل کرتے هیں ' نہ زنا کا اُنسے ارتکاب هوتا هے " - پھر بتلایا هے کہ مسلمان جن برائیوں سے بچتے هیں ' یہ وہ برائیاں هیں جنکا نتیجہ عـذاب جهنـم هے - اسکے بعد فرمایا " الا من تاب و امن " هاں ' لیکن جو لوگ مسلمان هو جائیں ' تو انھوں نے کفر کي حالت میں اسطرح کے جسقدر افعال کیے هوں ' اُنکا مواخـذہ نہ هوگا - اسلام اُنکي برائیوں سے آلودہ زندگي کو نیکیوں اور خوبیوں سے بھر دیگا -

پس اس آیت میں توبۂ کفر کي قبـولیت کا ویسا هي ایک حکم هے جیسا صدها مقامات میں وارد هے - اس کو مسلمان قاتل مسلم اور مرتکب

حمـــل سلاح علی المسلم کے معاملہ سے کیا تعلق ؟ اور اگر اسکا ذکر کسي دوسري آيت ميں آيا ہے تو کيوں ناسخ ومنسوخ ہونے کي ضـــرورت پيش آے ؟ دونوں صورتيں بالکل مختلف ہيں -

ليکن سورۂ نساء ميں قتل نفس کي ايک خاص حالت کا ذکر ہے- يعني اگر ايک مسلمان باوجود مسلمان ہونے کے مسلمانوں کو قتل کرڈالے تو اسکا کيا حکم ؟ فرمايا جزاوہ جہنم خالدا فيها چنانچہ اس آيت سے پہلے ہے - وما کان لمومن ان يقتل مومنا الا خطا - الخ پس زيادہ سے زيادہ دونوں آيتوں ميں عام و خاص کا تعلق ہے- يعني اس آيت نے آيت فرقان کي تخصيص کردي - اسي ليے حضرة ابن عباس نے کہا " نسختها آية مدنية في النساء " کيونکہ سلف کي اصطلاح ميں " نسخ " کا اطلاق ہر طرح کی تخصيص و تقييد پر ہوتا تھا - وہ معني نہ تھے جو بعد کو اصوليوں نے قرار ديے- اور اسي اختلاف حالت و حکم کو واضح کرنے کيليے انہوں نے کہا " فهذه لاولئک "يعني آيت فرقان ميں حکم کفار کيليے ہے - اور امام بخاري کي روايت ابن جبير بطريق شعبه مندرجۂ کتاب التفسير ميں کہا " کانت هذه في الجاهلية " يہ حکم مشرکين جاهلية کيليے تھا - نہ کہ مسلمانوں کيليے -

اور يہ جو انہوں نے کہا کہ والذين لا يدعون مع الله الها اخر و لا يقتلون النفس الخ کے نزول پر مشرکين مايوس ہوگئے تھے ' اسليے - " الا من تاب" اتري ' تو اسکي تائيد مفسرين کي اِس روايت سے بھي ہوتي ہے کہ " نزلت في قوم ييسوا من التوبة " يعني اُن لوگوں کے حق ميں اُتري جو زمانۂ کفر کي بد عمليوں کي بخشش سے مايوس ہوگئے تھے- ايک دوسري روايت ميں ہے کہ يہ آيت اور سورۂ نساء کي ان الله لا يغفـر ان يشرک به و يغفر ما دون ذلک لمن يشاء اور سورہ زمر کي آيۂ رحمت : يا عبادي الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله الخ وحشي قاتل حمزہ کے بارے ميں اُتريں - وہ کہتا تھا کہ شرک ميں ساري عمر کٹي ' پيغمبر کے چچا کو قتل کيا ' فواحش ميں ہميشہ مبتلا رہا - انهي تين برائيوں سے اجتناب کا خاص طور پر آيت فرقان ميں ذکر ہے - اب اگر ميں مسلمان بھي ہوگيا تو کيا فائدہ ؟ مجھے تو نجات مل ھي نہيں سکتي - اسپر " الا من تاب و امن " اتري ' اور پھر مزيد بشارت اميد کيليے سورہ نساء اور سورۂ زمر کي آيات نازل ہوئيں- تعجب ہے کہ بعض شارحين حديث کو مذہب ابن عباس کي شرح و تطبيق ميں مشکلات کيوں پيش آئيں ؟ انکا بيان تو بالکل صاف اور واضح ہے -

رابعاً ' احادیث سے بھی اس مذہب کی تائید ہوتی ہے - مثلاً امام احمد و نسائی کی روایت معاویہ بطریق ادریس خولانی مرفوعاً "کل ذنب عسی اللہ أن یغفرہ الا الرجل یموت کافراً ' او الرجل یقتل مؤمناً متعمداً " یعنی تمام گناہ اللہ بخشدیسکتا ہے لیکن وہ شخص جو حالت کفر میں مرے ' یا وہ جس نے جان بوجھکر مومن کو قتل کرڈالا -

باقی رہیں وہ احادیث جن میں وسعت رحمت ' و عموم عفو و بخشش ' و عدم جواز یاس و قنوط وغیرہ کا ذکر ہے ' تو اس مذہب کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی مثل تمام عمومات قرآن کے ہیں ' جنکی تخصیص آیۂ نساء اور اسکی موید ات فی السنۃ نے کردی - دونوں میں کوئی تعارض نہیں - قبل از اسلام معاصی کی بخشش تو مسلم ہی ہے - بحث بعد از اسلام ارتکاب قتل میں ہے - اسی طرح اگر حدیث اسرائیلی " الذی قتل تسعۃ و تسعین نفساً ثم اتی تمام المائۃ ثم تاب " پیش کی جاے ' تو جواب یہ ہوگا کہ اس کا محل بھی توبۂ اسلام ہے - نہ کہ توبۂ مسلم ' اور وہ بھی مثل عمومات بشارات رحمت و بخشش کے ہے - مخصصات پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑتا -

غرضکہ اس مذہب کی قوت میں کوئی شبہہ نہیں ' لیکن عام طور پر علماء نے دوسرے مذہب کو اختیار کیا - یعنی قبولیت توبہ کو - اور خوارج و معتزلہ کے غلو کی وجہ سے اہل سنت کا رجحان اسی کی طرف بڑھتا گیا - وہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کا معاملہ بڑا ہی سخت ہے لیکن توبہ قبول ہو سکتی ہے - اللہ کے ہاتھہ میں ہے - چاہے بخشدے چاہے نہ بخشے - اس میں شک نہیں کہ احتیاط حکم امید ہی میں ہے نہ کہ پیام یاس و قنوط میں - ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء کے حکم کا عموم بڑا ہی امید افزا ہے ' اور اگر اس پر نظر ڈالی جاے ' تو کچھہ شک نہیں کہ دوسرا مذہب ہی محتاط معلوم ہوتا ہے -

(۲) قتل مسلم کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس فعل کو حلال سمجھے - اور اس پر نادم و متاسف نہ ہو - مثلاً کوئی مسلمان فوج ہو - وہ یہ سمجھے کہ لڑائی لڑنا تو ہمارا کام ہی ہے - مسلمان سامنے ہونگے تو انہی سے لڑینگے - یعنی مسلمانوں پر تلوار اٹھانا کوئی گناہ کی بات نہیں - یا یوں سمجھیں کہ ہمارے مالکوں کا یہی حکم ہے - ہمنے انکا نمک کھایا ہے ' اسلیے ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے - یعنی اگر کوئی اپنا نمک کھلاکر حکم دے کہ مسلمانوں کو قتل کردو ' تو قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں - تو اس صورت میں تمام امت

کا اجماعی فیصلہ یہ ہے کہ وہ شخص قطعاً و حتماً کافر ہے - یعنی اُس کفر کا مرتکب ہوا ہے جو ملت سے خارج کردیتا ہے - اسکا حکم شرعاً وہی ہوگا جو تمام کفار و مشرکین کا ہے - دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی - کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس کو مسلمان سمجھے ' اور اس سلوک کا حقدار کہے جو مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھہ کرنا چاہیے - یہ حکم خاص اس مسئلہ ہی پر موقوف نہیں ہے - ہر محلل حرام غیر ماول کے لیے یہی حکم ہے -

(۳) تیسری صورت قتل مسلم کی یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کے ساتھہ ہوکر اُنکی فتح و نصرت کیلیے مسلمانوں سے لڑے ' یا لڑائی میں اُنکی اعانت کرے - اور جب مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ ہو رہی ہو ' تو وہ غیر مسلموں کا ساتھہ دے - یہ صورت اس جرم کے کفر و عدوان کی انتہائی صورت ہے ' اور ایمان کی موت اور اسلام کے نابود ہوجانے کی ایک ایسی اشد حالت ' جس سے زیادہ کفر و کافری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا - دنیا کے وہ سارے گناہ ' ساری معصیتیں ' ساری نا پاکیاں ' ہر طرح اور ہر قسم کی نا فرمانیاں ' جو ایک مسلمان جسم دنیا میں کرسکتا ہے ' یا انکا وقوع دھیان میں آسکتا ہے ' سب اسکے آگے ہیچ ہیں - جو مسلمان اسکا مرتکب ہو ' وہ قطعاً کافر ہے ' اور بدترین قسم کا کافر - اسکی حالت کو قتل مسلم کی پہلی صورت پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا - اس نے صرف قتل مسلم ہی کا ارتکاب نہیں کیا ہے ' بلکہ اسلام کے برخلاف دشمنان حق کی اعانت و نصرت کی ہے - اور یہ بالاتفاق و بالاجماع کفر صریح و قطعی مخرج عن الملۃ ہے - جب شریعت ایسی حالت میں غیر مسلموں کے ساتھہ کسی طرح کا علاقۂ محبت رکھنا بھی جائز نہیں رکھتی ' تو پھر صریح اعانت فی الحرب اور حمل سلاح علی المسلم کے بعد کیونکر ایمان و اسلام باقی رہسکتا ہے ؟

فصل

(واقعۂ امام حسین علیہ السلام)

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اگر سلطان اسلام کو خلیفہ مان لینا چاہیے گو نا اہل ہو ' تو پھر حضرۃ امام حسین علیہ السلام نے یزید بن

معاویہ کی حکومت کے خلاف کیوں خروج کیا ؟ اور کیوں اُنکو برسرِ حق اور شہید ظلم و جور تسلیم کیا جاتا ہے ؟

پس گو بحث کے اس حصے کا طول بقیہ مطالب کی تشریح میں مخل ہوگا ' لیکن چونکہ اس معاملہ میں عام طور پر ایک سخت غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے ' اسلیے صاف کردینا ضروری ہے - یہ بالکل غلط ہے کہ حضرۃ امام حسین اُس حالت میں لڑے ' جبکہ وہ یزید کی حکومت کے مقابلے میں خود مدعی امامت اور طالب خلافت تھے - جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں ' اُنھوں نے واقعۂ کربلا کا دقت نظر کے ساتھہ مطالعہ نہیں کیا - حالات میں اچانک ایسی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اس غلط فہمی کا پیدا ہوجانا عجیب نہیں - حضرۃ امام جب مدینہ سے چلے ' تو اُنکی حیثیت دوسری تھی - جب کربلا میں حق پرستانہ لڑکر شہید ہوے ' تو اُنکی حیثیت دوسری تھی - دونوں حالتیں مختلف ہیں - اس لیے دونوں کا حکم بھی شرعاً مختلف -

جب وہ مدینہ سے چلے ہیں تو حالت یہ تھی کہ نہ تو ابھی یزید کی حکومت قائم ہوئی تھی ' نہ اهم مقامات و مراکز نے اسکو خلیفہ تسلیم کیا تھا ' نہ اهل حل و عقد کا اسپر اجماع ہوا تھا - ابتدا سے معاملۂ خلافت میں سب سے پہلی آواز اهل مدینہ کی رہی ہے ' پھر حضرۃ علی کے زمانے میں مدینہ کی جگہ کوفہ دارالخلافۃ بنا - اهل مدینہ اسوقت تک متفق نہیں ہوے تھے - کوفہ کا یہ حال تھا کہ تمام آبادی یکقلم مخالف تھی اور حضرۃ امام حسین سے بیعت کرنے کیلیے پیہم اصرار و الحاح کر رہی تھی - انھوں نے خود خلافت کی حرص نہ کی ' بلکہ ایک ایسے زمانے میں جب تخت حکومت سابق حکمراں سے خالی ہوچکا تھا اور نئے حکمراں کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی ' ایک بہت بڑی مرکزی و موثر آبادی (یعنی کوفۂ و عراق) کے طلب و سوال کو منظور کرلیا - البتہ اس منظوری میں یہ مصلحت ضرور پیش نظر تھی کہ یزید جیسے نا اهل کی حکومت سے اُمت کو بچایا جاے -

اگر کہا جاے کہ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزید کو ولی عہد مقرر کردیا - تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرعاً اولاد کی ولی عہدی کوئی شے نہیں ہے - اصلی شرط خلافت کی انعقاد حکومت ہے - یزید کو گو ولی عہد

مقرر کردیا ہو، لیکن جب تک اسکی خلافت بالفعل قائم نہ ہوجاتی صرف یہ بات کوئی حجۃ نہ تھی - یہی وجہ ہے کہ جب یزید کی ولی عہدی کے لیے حضرۃ عبد اللہ بن عمر سے بیعت طلب کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کردیا اور کہا " لا أبایع لامیرین " میں دو امیروں سے بہ یک وقت بیعت نہ کرونگا - یعنی خلیفہ کا اپنی زندگی میں ولی عہدی کے لیے بیعت لینا ایک وقت میں دو امیروں کی بیعت ہے جسکی شرعاً کوئی اصل نہیں - (رواہ ابن حبان و نقلہ فی الفتح)

لیکن جب وہ کوفہ پہنچے، تو یکایک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے - تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھہ پر یزید کیلیے بیعت کرچکے ہیں، اور سر زمین عراق کی وہ بے وفائی و غداری جو حضرۃ امیر کے عہد میں بارہا ظاہر ہوچکی تھی، بدستور کام کر رہی ہے - یہ حال دیکھکر وہ معاملۂ خلافت سے دست بردار ہوگئے، اور فیصلہ کرلیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں - لیکن ابن سعد کی فوج نے ظالمانہ محاصرہ کرلیا اور مع اہل و عیال کے قید کرنا چاہا - وہ اس پر بھی آمادہ ہوگئے تھے کہ مدینہ کی جگہ دمشق چلے جائیں اور براہ راست یزید سے اپنے معاملے کا فیصلہ کرالیں، مگر ظالموں نے یہ بھی منظور نہ کیا -

اب امام کے سامنے صرف دو راہیں تھیں - یا اپنے تئیں مع اہل و عیال قید کرادیں - یا مردانہ وار لڑکر شہید ہوں - شریعت نے کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ناحق ظالموں کے ہاتھہ اپنے تئیں قید کرادے - پس انہوں نے دوسری راہ کمال عزیمۃ دعوۃ کی اختیار کی، اور خود فروشانہ لڑکر حالت مظلومی و مجبوری میں شہید ہوے -

پس جس وقت کربلا میں میدان کارزار گرم ہوا ہے، اسوقت حضرۃ امام حسین مدعی خلافت و امامت نہ تھے - نہ اس حیثیت سے لڑ رہے تھے - انکی حیثیت محض ایک مقدس اور پاک مظلوم کی تھی جسکو ظالموں کی فوج ناحق گرفتار کرنا چاہتی ہے - وہ اپنے آپکو زندہ گرفتار کرادینا پسند نہیں کرتا، اور چاہتا ہے کہ طاقتور ظلم کے مقابلے میں بے سر و سامان حق کی استقامت کا ایک یادگار منظر دنیا کو دکھلادے - تعجب ہے کہ یہ غلط فہمی صدیوں سے پھیلی ہوئی ہے - جسکو مفصل اور محققانہ بحث دیکھنی ہو، وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی منہاج السنہ جلد ۲ - کا مطالعہ کرے -

فصل

(شـــرط قـــرشيـــة)

مندرجۂ بالا فصول سے یہ بات واضح ہوگئي کہ انتخاب خلیفۂ و امام کیلیے متعدد شرطیں ہیں - ازانجملہ ایک عرصہ تک علماء کي راے رہي کہ خلیفہ کو خاندان قریش میں سے ہونا چاہیے - لیکن اگر امت کے لیے انتخاب کا موقعہ باقي نہ رہا ہو تو خلیفہ تسلیم کرلینے کیلیے بجز اسلام اور انعقاد حکومت (یعني حکومت کے جماؤ اور جگہ پکڑ لینے) کے اور کوئي شرط نہیں ہے - خلفاء راشدین کے بعد جامع الشروط سلسلۂ خلافت کوئي بھي قائم نہ ہوا - بنو امیہ و عباسیہ میں اگر ایک شرط قرشیۃ کي پائي جاتي تھي ' تو اور بہت سي اہم شرطیں مفقود تھیں - بنیادي شرط یہ ہے کہ حکومت تلوار کے زور سے نہ منوائي جاے بلکہ امت کے انتخاب و اجماع سے ہو' سو یہ شرط کسي کي خلافت میں بھي نہ تھي - پھر خلیفہ کو عادل و منصف ہونا چاہیے - حکومت نظام شوری کے ساتھہ کرني چاہیے - سنۃ رسول اور سنت خلفاء راشدین پر عامل ہونا چاہیے - بجز عمر بن عبدالعزیز (رح) کے کوئي بھي ان سب کا جامع نہ تھا - عباسیہ کے بعد حکومت عجمیوں کے ہاتھہ آئي - پھر مصر کے عباسي خلفا کے بعد ترکوں کا خاندان عثمانیہ خلافت پر قابض ہوا - آخري مصري خلیفہ نے خود سلطان سلیم کے ہاتھہ پر بیعت کي - یہ خلافت بلا نزاع آجتک قائم اور تمام عالم اسلامي کیلیے شرع و امت کا مرکزي اقتدار ہے - اگر بنو امیہ و عباسیہ میں پانچ شرطیں نہیں پائي جاتي تھیں تو ان میں سات نہ سہي - یعني یہ عرب بھي نہیں اور قرشي بھي نہیں - لیکن چونکہ سوال خلیفہ کے انتخاب کا نہیں ہے بلکہ ایک قائم و نافذ خلافت کے ماننے کا ' اسلیے شرائط کي بحث کا یہاں کوئي سوال ہي پیدا نہیں ہوسکتا -

منجملہ شروط خلافت کے ایک متفق علیہ شرط حریت کي ہے - یعني خلیفہ آزاد ہو - غلام نہو - مصلحت و ضرورت بھي اسکي ظاہر ہے ' مگر معلوم ہے کہ تمام دنیا کي تاریخ میں صرف مسلمانوں ہي کي تاریخ اسکي

نظیر پیش کرسکتی ھے کہ غلاموں نے امامت کی ھے' پادشاھت کی ھے' اور تمام سادات و قریش اور شرفاء عرب و عجم نے انکے آگے اطاعت کا سر جھکایا ھے۔ خود حدیث میں وارد ھے " اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشي کان راسه زبیبه " اور روایت ابوذر عند مسلم کہ " و ان کان عبدا مجدع الاطراف " اور روایت ابن حصین کہ " و لو استعمل علیکم عبد یقود کم بکتاب اللــــه ' اسمعوا له و اطیعوا " یعني اگر ایک ذلیل سے ذلیل حبشي غلام بھي تمھارا امیر ھوجاے تو اسکي سنو اور اطاعت کرو۔ حافظ نوادي اسکي شرح میں لکھتے ھیں " و المراد اخس العبید - ای اسمع واطیع و ان کان دني النسب' حتی لو کان عبد اسود مقطوع الاطراف ' فطاعته واجبة ' و یتصور امارة العبد اذا ولاه بعض الائمہ' او یغلب علی البلاد بشوکته و اتباعه ' و لا یجوز ابتـــداء عقد الولایة له مع الاختیار' بل شرطها الحریـة " (جلد ۲ : ۱۲۵) یعني یه جو فرمایا کہ اگرچه حبشي غلام ھو' تو مقصود اس سے یه ھے کہ اگرچه امیر نہایت ذلیل نسب و خاندان کا ھو' لیکن اگر خلیفه ھوگیا ھے تو اطاعت کرو' اور اسي بنا پر غلام امیر ھو سکتا ھے اگر کسي امام نے مقرر کردیا ھو - یا خود وہ شہروں پر غالب آکر مسلط ھوگیا ھو - البته جائز نہیں کہ ابتدا میں کسي غلام کو امیر منتخب کیا جاے کیونکہ آزاد ھونا شرائط امامت میں سے ھے " اور فتح الباري میں ھے " لو تغلب حقیقة بطریق الشوکة ' فان طاعته تجب اخماداً للفتنه" (۱۳ : ۱۰۹)

جب غلبۂ و تسلط کي صورت میں خود حافظ نوادي (جو شرط قرشیة کے سب سے بڑے حامیوں میں سے ھیں) نص حدیث کي بنا پر تسلیم کرتے ھیں کہ ایک دني النسب ' خسیس الحال ' حبشي غلام ' امیر ھوسکتا ھے اگرچه آزاد ھونا شرط ابتدائي ھے ' تو پھر ظاھر ھے کہ ایک غالب و مسلط خلیفه کي خلافت کیلیے شرط قرشیة کا موجود نہ ھونا کیوں مخل ھو اگرچه قرشیة ایک شرط ابتدائي مان لي جاے ؟

پس یه مان لینے کے بعد بھي کہ قرشي ھونا شرائط شرعیه میں سے ھے' ترکان عثماني کي خلافة مسلمۂ و منعقدہ پر کوئي اثر نہیں پڑتا ' اور شرائط کي پوري بحث موجودہ مسئله سے یکقلم غیر متعلق ھے' تاھم تحقیق مقام کے خیال سے بہتر ھوگا کہ اس شرط کي حقیقت پر بھي ایک فیصله کن نظر نظر ڈال لي جاے ۔

باب

" الائمة من قريش "

فصل

(تحقيق امارة قريش و شرط قرشية)

جهانتک قرآن و سنت، آثار صحابه، اور تمام دلائل شرعيه و عقليه کا تعلق هے، کوئي نص قطعي موجود نهيں، جس سے ثابت هو که اسلام نے معاملهٔ خلافت و امامت صرف خاندان قريش کيليے شرعـاً مخصوص کرديا هے - احاديث اس بارے ميں جس قدر موجود هيں، سب صحيح هيں - يه بهي مروي هے که حضرة ابوبکر نے مجمع صحابه ميں اسکو پيش کيا اور کسي نے انکار نه کيا - يه بهي درست هے که صحابه ميں هميشه اس بات کی شهرت رهي - اور يه بهي غلط نهيں که جب تـک خاندان عباسيه باقي رها، لوگ اسکو بطور ايک شرط کے سمجهتے رهے - با ايں همه ان ساري باتوں کي حقيقت وه نهيں هے جو اب سمجهي جاتي هے - ان ساري باتوں کے سچ هونے کے ساتهه يه بهي سچ هے که اسلام نے خلافت کو نه کسي قوم ميں مخصوص کيا هے، نه کسي خاندان ميں - اسلام جو اس طرح کي تمام قومي و نسلي امتيازات مٹانے، اور هميشه کيليے صرف انسانيت کي بے قيد و عام عظمت کو قائم کردينے، اور " عمل " کے قانون الهي کے آخري اعلان کيليے آيا تها، اُسکے نام سے ساري باتيں مان لي جا سکتي هيں، ليکن اسکا وهم و گمان بهي نهيں کيا جاسکتا که اُسنے خاندان و نسل کا کوئي امتياز تسليم کيا هو - يه کيونکر ممکن هے که امتياز نسب کے جس بت کو خود اس نے توڑا هو، اُسي کے ٹکڑوں کو پهر جوڑ کر از سر نو ايک نيا بت خانه قائم کر جاے ؟

تفصيل و دلائل کي ضرورت نهيں - يه بات هر اُس شخص پر جو اسلام سے کچهه بهي واقفيت رکهتا هے، روشن هے که هر طرح کي نسلي و خانداني

امتیازات کے مٹانے میں اسلامی احکام و اعمال کا کیا حال رہا ہے ؟ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا جنکے غرور قوم و نسب کا یہ حال تھا کہ وہاں کا ایک چرواہا اپنے نسبی و خاندانی شرف کے سامنے قیصر و کسری کو بھی ذلیل و حقیر سمجھتا تھا - عرب کے علاوہ بقیہ دنیا بھی طرح طرح کے قومی و وطنی امتیازات کی پرستش کر رہی تھی - اسلام نے اپنی دعوۃ کی سب سے پہلی اور کاری ضرب اسی غرور نسل و قوم کے بت پر لگائی ' اور اللہ کے اس قانون فطرۃ کی عام منادی بلند کی کہ : یا ایہا الناس ! انا خلقنا کم من ذکر و انثی ' و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا - ان اکرمکم عند اللہ اتقا کم (۴۹ : ۱۴) یعنی بنیاد ہر طرح کی فضیلت و بزرگی کی صرف عمل ہے ' اور کوئی شے نہیں - قوموں اور خاندانوں کی تفریق صرف اسلیے ہے کہ باہمدگر پہچان اور تمئیز کا ذریعہ ہو - اسلیے نہیں ہے کہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلاے - سب سے بڑا انسان وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو - اور فرمایا : لا تزر وازرۃ وزر اخری ' و ان لیس للانسان الا ما سعی ' و ان سعیہ سوف یری - (۵۳ : ۴۶) ہر انسان اپنے کاموں کا خود ذمہ دار ہے ' اور انسان کی تمام کامیابیوں اور سعادتوں کی بنیاد صرف اسکی کوشش اور اسکا عمل ہے - آنحضرۃ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زندگی بھر قول و فعل یہ رہا کہ " لیس منا من دعی الی عصبیۃ " اور " لیس منا من قاتل علی عصبیۃ " اور " لیس منا من مات علی عصبیۃ " یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کی خصوصیت کے تعصب کی طرف لوگوں کو بلاے - وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی حالت میں دنیا سے جاے - وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی بنا پر لوگوں سے جنگ کرے ! دنیا کو چھوڑنے سے پہلے حجۃ الوداع میں جو آخری پیام امت کو سنایا ' اسمیں بھی سب سے پہلی چیز یہی تھی - یعنی نوع انسانی کی عام مساوات کا اعلان : " لا فضل لعربی علی عجمی ' و لا لعجمی علی عربی - کلکم ابناء آدم " (شیخان) اور فرمایا " لیس لاحد فضل علی احد الا بدین و تقوی - الناس کلہم بنو آدم ' و آدم من تراب " (رواہ الجماعۃ) یعنی اسلام کا ظہور و قیام نوع انسانی کی مساوات اور باہمدگر برابری کا اعلان ہے - اب نہ کسی عرب کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عرب پر ملک و قوم کی وجہ سے فضیلت ملسکتی ہے - سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں ' اور وہی سب سے بڑا ہے جو عمل میں بڑا ہو :

معمــورۂ دلے اگرت هست ٗ بازگــوے
کین جا سخن به ملک فریدون نمي رود

عملاً یه حال تها که آپنے اپنی زندگی میں سب سے آخری فوجی مہم جو بهیجی ٗ اسکی سرداری اُسامه کو دي جنکے والد زید آپکے غلام تهے - بعض ظاهر بینوں پر یه بات گراں گزري تو فرمایا " لقد طعنتم فی امارۃ ابیه و قد کان لها اهلاً ٗ و ان اسامه لها اهل " تم لوگ پہلے زید کي سرداري پر بهی طعن کوچکے هو ٗ حالانکه وہ اس کام کا اهل تها ٗ اور اب اُسامه سردار بنایا گیا هے اور وہ اس کام کا اهل هے - " اهل " کے لفظ پر زور دیا - یعنی طعن بیکار هے - کیونکه بنیاد معاملۂ امارت و سرداري کی صرف اهلیت و قابلیت هے - اور کچهه نهیں - حضرۃ عائشه کا قول مشهور هے " لو کان زید حیاً ٗ ما استخلف رسول الله غیرہ " اگر آنحضرۃ کے غلام زید زندہ رهتے تو آپ اُنکے سوا اور کسي کو اپنا جانشین نه بناتے - (۱) اُسامه کو جس لشکر کی سرداری دي گئی تهي ٗ جانتے هو اسمیں کیسے کیسے لوگ شریک تهے ؟ بڑے بڑے مہاجرین و قریش اور سادات عرب - جن میں سب سے پہلے حضرۃ ابوبکر صدیق کا نام نظر آتا هے - وهی ابوبکر (رض) جو چند دنوں کے بعد رسول الله کے جانشین اور تمام امت کے امیر هونے والے هیں !

بندۂ عشق شدي ٗ ترک نسب کن جامی
کین دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست !

---

(۱) الله الله ! اس بارے میں اسلام و پیروان اسلام کے معاملات کیسے عجیب و غریب رهچکے هیں ؟ آج مسلمانوں کو جو طرح طرح کے خاندانی امتیازات و تفریقات کی بت پرستانه پرستش کو رهے هیں ٗ کیونکر یاد دلایا جاے که کسي زمانے میں الله اور اُسکے رسول کے رشته کے سوا نه کوئی رشته مقبول تها - نه عمل کی بزرگی کے سوا کوئی بزرگی تسلیم کي جاتی تهی - حضرۃ عمر کا ایک واقعه اِنهي اُسامه کي نسبت ناقابل فراموش هے - اُنکے لڑکے عبد الله نے ایک بار شکایت کی که تقسیم اموال میں اُسامه بن زید سے مجهے کم درجه پر کیوں رکها جاتا هے ؟ حضرۃ عمر نے کہا " کان ابوہ احب الی رسول الله من ابوک ٗ و کان احب الی رسول الله منک " اسلیے که تیرے باپ سے زیادہ اُسکا باپ الله کے رسول کو پیارا تها ٗ اور اسلیے که وہ خود بهی تجهسے

بلال حبشي ، صہیب رومي ، سلمان فارسي (رض) کا جو حال تھا ، معلوم ھے - بلال کو عمر فاروق جیسے قرشي نے " ھمارا آقا و سردار " کہا - اور صہیب کو دیکھتے تو کہتے " نعم العبد صہیب ! لو لم یخف الله لم یعصه " صہیب الله کا کیا نیک بندہ ھے ! اگر خوف عذاب نه ھوتا جب بھي اُسکي فطرة بدي پرمائل نه ھوتي ! مرنے کے وقت وصیة کي که نماز جنازہ وھي پڑھائیں - سلمان کا یه حال تھا که حضرة علي علیه السلام فرماتے "سلمان منا اهل البیت" سلمان تو ھم اھل بیت نبوة میں سے ھے ! اسي چیز کا نتیجه تھا که ایک صدي کے اندر ھي اندر عرب کي نسلي عصبیة کا نام و نشان باقي نه رھا ، اور وہ زمانه آگیا جب بزرگي و فضیلت کے ھر میدان میں سرداری و ریاست عجمیوں اور غلام زادوں کے ھاتھه میں تھي - عرب اُنکے علم و عمل کے آگے اسي طرح جھک گئے تھے ، جس طرح ایک قرشي و ھاشمي کے آگے جھک سکتے تھے - حتی که خلیفهٔ ھشام بن عبد الملک کو امام زھری سے کہنا پڑا " و الله لیسودن الموالي العرب ، و یخطب لهم علی المنابر ، و العرب تحتهم ! " (عقد الفرید)

پھر کیا ایسي حالت میں ایک لمحه کیلیے بھي باور کیا جاسکتا ھے که اسلام کا داعي تمام دنیا کو تو قومي و نسلي امتیازات کي غلامی سے نجات دلانا چاھتا ھو اور مساوات عامه کی طرف بلا رھا ھو ، لیکن (نعوذ بالله) خود اس درجه خود غرض ھو که قیامت تک کیلیے پادشاھي و خلافت

(بقیه نوٹ صفحه ۹۳)

زیادہ رسول الله کے نزدیک محبوب تھا ! یعني بنائے استحقاق ھماری آپس کي رشته داریاں نہیں ھوسکتیں - الله اور اسکے رسول کے نزدیک جو محبوب ھو ، وھي سب سے زیادہ حقدار ھے ، اور اُسي کو ھر طرح کي بڑائي پہنچتي ھے - ایسے صدھا واقعات اُن عہدوں میں گزر چکے ھیں - اسلام نے یه انقلاب اُس ملک میں پیدا کردیا تھا جہاں کا بچه بچه غرور نسل و خاندان کے نشه میں بدمست رھتا تھا - جو مغرور قریش کل تک قبائل یثرب کے شرفاء کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے که جنگ بدر میں اُنسے مقابل ھوں ، وہ اب غلاموں اور غلام زادوں کی سرداري بھی مان لینے کیلیے بلا چون و چرا طیار ھیں - سلطان اسلام کے لڑکے کے استحقاق پر ایک غلام زادہ کو ترجیح دي جا رھي ھے - وہ گردن جھکا دیتا ھے اور تسلیم کرلیتا ھے !

صرف اپنے هي خاندان کيليے مخصوص کردے ؟ نہ تمام نوع انسانی سے کہے کہ تمہارے سارے بنائے ہوے حق جھوٹے ہیں - سچا حق صرف عمل اور اهلیت کا ہے - لیکن خود اپنے لیے یہ کرجاے کہ نہ تو عمل اور نہ اهلیت ' بلکہ صرف ملک ' صرف قوم ' صرف نسل ' اور صرف خاندان ؟

کیا اس سے بھی بڑھکر کوئی عجیب بات ہوسکتی ہے ؟

خیر' یہ بات کتنی ہی عجیب ہوتی' لیکن ہم بلا تامل باور کرلیتے اگر فی الحقیقت قرآن و سنت سے ٹھیک ٹھیک ثابت ہوتی - ہمارے نزدیک کسی اسلامی اعتقاد کی صحت و عدم صحت کا معیار صرف یہ ہے کہ کتاب و سنت سے بطریق صحیح ثابت ہو - یہ کچھ ضروري نہیں کہ ہماری نارسا سمجھہ اُسکا احاطہ و ادراک بھي کرسکے - لیکن استعجاب کي ساري بنیاد ہمارا عقلی و قیاسی استبعاد نہیں ہے - یہی ہے کہ کسی نص سے ایسا ثابت نہیں' اور چونکہ ثابت نہیں ' اسلیے ہم کو یقین ہے کہ اسلام کیلیے کوئی ایسی بات ثابت بھی نہیں ہونی چاهیے -

شارع کے بیانات ' انسان کی عام بول چال کی طرح مختلف قسموں کے واقع ہوے ہیں - از انجملہ ایک صورت احکام و اوامر اور تشریع کی ہے - یعنی بہ حیثیت شرع و دین کے کوئی حکم دینا اور قانون ٹھہرا دینا - دوسری صورت اخبار و اطلاعات کي ہے - یہ دوسري صورت مجرد بیان واقعہ و حال ہے ' اور اگر آیندہ کي نسبت ہے تو پیشین گوئي ہے - حکم اور تشریع نہیں ہے - یعنی صرف ایک خبر ہے کہ ایسا ہوگا - یہ نہیں ہے کہ ایسا کرنا چاهیے -

قریش کي خلافت کي نسبت جسقدر روایات موجود ہیں' سب دوسري قسم میں داخل ہیں - نہ کہ پہلی قسم میں - اور جب اس حدیث کے تمام طریقوں اور لفظوں کو جمع کرکے دیکھا جاے ' تو بلا کسي اضطراب کے یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے :

(۱) یہ حدیث حضرۃ ابو ہریرۃ' ابو برزۃ ' کثیر بن مرۃ' جابر بن عبد اللہ ' جابر بن سمرۃ' معاویہ بن سفیان ' وغیرهم مختلف صحابہ سے مروي ہے ' اور عمدہ طریق وہ ہیں جو بخاري ومسلم نے اختیار کیے ہیں - لیکن کسي طریق وروایت میں بھی کوئی ایسا لفظ مروي نہیں جس سے ثابت ہو کہ مقصود پیشین گوئی نہ تھا - تشریع و امر تھا -

عن ابي هريره " الناس تبع لقريش فی هذا الشان - مسلمهم لمسلمهم و کافر هم لکافر هم" (مسلم) دوسرے طریق میں زیادہ وضاحت ھے " مسلمهم تبع لمسلمهم ' و کافر هم تبع لکافر هم " (مسلم) جابرکی روایت میں " الناس تبع لقریش فی الخیر و الشر " هے - امام نواوي اسکی شرح میں لکھتے هیں " معناه في الاسلام و الجاهلیة - لانهم کانوا في الجاهلیة رؤساء العرب و اصحاب حرم الله و اهل الحج ' و کانت العرب تنتظر اسلامهم ' فلما اسلموا وفتحت مکه ' تبعهم الناس ' وجاءت و فود العرب من کل جهة ' و دخل الناس فی دین الله افواجا " (جلد ۲ : ۱۱۹) پس معلوم هوا که اس حدیث کو مسئلۂ خلافت کے اختصاص و شرائط سے کوئي تعلق نهیں - مقصود یه هے که عرب میں خاندان قریش حج کے اهتمام اور بیت الله کی همسایگی کی وجه سے تمام قبائل کی سرداري رکھتا تھا ' اور هرکام میں سب کي نظریں اسي پر اٹھتي تھیں - جب تک مکه فتح نهوا اور قریش مسلمان نه هوے ' تمام عرب کے قدم رکے رهے - جونهي قریش مسلمان هوے ' سب نے آنکي پیروي کي ' اور اپنے اپنے وفد بھیجنا شروع کردیے - حتی که تمام عرب مسلمان هوگیا - پس فرمایا " الناس تبع لقریش " لوگ جاهلیة اور اسلام ' دونوں حالتوں میں قریش کے تابع هوے - وه بگڑے رهے تو سارا عرب بگڑا رها ' وه سنورے تو سب سنورگئے - اور یه بالکل حق و معلوم هے - همیشه اور هر ملک میں سردار جماعتوں اور بڑے لوگوں کا ایسا هي اثر ملک و قوم پر هوتا هے - اچھي بري ' هر طرح کي باتوں میں لوگ آنهي کي پیروي کرتے هیں - حضرة ابو بکرکي روایت سے یهي حدیث مسند امام احمد میں یوں مروي هے " بر الناس تبع لبرهم ' وفاجرهم تبع لفاجرهم " اور بیهقي نے حضرة علي سے روایت کیا " کان هذا الامر في حمیر فنزعه الله منهم و جعله في قریش " لیکن اس سے یه بات کیونکر ثابت هوئي که مسلمانوں کا خلیفه بجز آنکے کوئي دوسرا هو هي نهیں سکتا ؟ اسلام صرف عرب هي کا اسلام نه تھا جس کے سردار قریش تھے - اسلام تمام عالم کیلیے اسلام هے جسکي سرداري و ریاست صرف علم و عمل حق هي کو ملسکتي هے اور یه سرداري اسلام هي نے دلائي هے !

(۲) امام بخاري نے جابر بن سمرة سے بطریق شعبه ایک اور حدیث روایت کي هے " سمعت النبي صلعم یقول یکون اثنا عشر امیراً - فقال کلمة لم اسمعها - فقال أبی أنه قال کلهم من قریش " یه حدیث مختلف

طریقوں اور لفظوں سے تمام اصحاب سنن و مسانید نے روایت کی ہے - صحیح مسلم میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے " لایزال امر الناس ماضیا ما ولیھم اثنا عشر رجلا - ثم تکلم النبی بکلمة خفیت علی - فسئلت ابی ماذا قال ؟ فقال کلھم من قریش " اور حصین بن عمران کے طریق سے " ان ھذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیھم اثنا عشرة خلیفة " اور سماک بن حرب سے " لا یزال الاسلام عزیزاً منیعاً الی اثنی عشر خلیفة " مروی ہے - شعبی کے طریق عند ابی داؤد میں ہے " فکبر الناس و ضجوا " اور اسماعیل بن ابی خالد عن ابیه سے اسی میں ہے " لا یزال ھذ الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلھم یجتمع الامة علیه " طبرانی نے اسود بن سعید کے طریق سے اسپر زیادت کی " لا تضرھم عداوة من عاداھم " بعض طریق میں ہے " لا یزال ھذا الامر صالحاً " اور " ماضیاً " (روا ھما احمد) اور بزار و طبرانی نے ابو جحیفه سے روایت کی ہے " لا یزال امر امتی قائما حتی یمضی اثنا عشر خلیفة کلھم من قریش " یہی روایت ابوداؤد میں اس اضافه کے ساتھه ہے " فلما رجع الی منزله اتته قریش فقالوا ثم یکون ما ذا ؟ قال ثم یکون الھرج " حاصل تمام روایتوں کا یه ہے که آپ آیندہ کی نسبت خبر دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں - ضرور ہے که بارہ خلیفه ہوں - سب قریش سے ہونگے - کسی دشمن کی دشمنی انکو نقصان نہیں پہنچا سکیگی - جبتک یه بارہ خلیفه حکمراں رہینگے ' اسلام با عزت رہیگا ' اور لوگ خوشحال -

اس طرز بیان کی وضاحت نے ظاہر کردیا که اس بارے میں جو کچھه کہا جا رہا ہے ' اس سے صرف آئندہ کی نسبت اطلاع دینا مقصود ہے - حکم و تشریع نہیں ہے - ہم نے تمام روایات و طریق نقل کردیے - کسی روایت اور طریق سے بھی ایسا لفظ ثابت نہیں جس سے حکم و تشریع نکل سکے -

(۳) ان سب کے بعد وہ حدیث آتی ہے جسکو امام بخاری نے باب " الامـــراء من قریش " کی بنیـــاد قرار دیا ہے - تمام روایات کے ساتھه یه حدیث سامنے رکھلی جائے ' تو پوری طرح اصلیت روشن ہو جائیگی - امیر معاویه کی مجلس میں ایک مرتبه ذکر آیا که عبد الله بن عمرو کہا کرتے ہیں " سیکون ملک من قحطـــان " قحطان میں سے ایک پادشاہ ہوگا - امیر معاویه یه سنکر غضبناک ہوے اور خطبه دیا : " بلغنی ان رجالاً منکم یحدثون احادیث لیست فی کتاب الله و لا تؤثر عن رسول الله " الخ - مجھه تک

یہ بات پہنچي ہے کہ تم میں کچھ لوگ ھیں جو ایسي باتیں کہتے ھیں کہ نہ تو قرآن میں ھیں نہ رسول سے ثابت ھیں : " انی سمعت رسول اللہ یقول : ان ھذا الامر في قریش ' لا یعادیھم احد ' الا کبہ اللـہ علی وجہہ ' ما اقاموا الدین " میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ یہ بات (یعني حکومت) قریش ھي میں رھیگي جب تک وہ دین قائم رکھینگے - جو اُنکي مخالفت کرے گا ' اُلٹا رسوا ھوگا - یعني کامیاب نہوگا -

اس روایت نے سارا معاملہ حل کردیا - معـلوم ھوگیا کہ ایک خاص وقت تک کے لیے یہ پیشین گوئي تھي ' اور حرف بہ حرف پوري ھوئي - یعني آپ نے بتلادیا تھا کہ قریش میں جب تک دین قـائم رکھنے کي قابلیت رھیگي ' حکومت اُنھي کے قبضے میں رھیگي - جو اُنکے خلاف اُٹھے گا ' نا کام رھیگا - چنانچہ ایسا ھي ھوا - جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رھي ' اسلامي خلافت کے وھي مالک رہے - جب اسکے اھل نہ رہے ' عجم و ترک نے یہ بار اُٹھالیا - بحکم ان یشا یذھبکم و یات بخلق جدید ' و ما ذلک علی اللـہ بعزیز (۳۰ : ۱۶) اور یستبدل قوماً غیرکم الخ - باقي رھا امیر معاویہ کا ابن عمرو پر انکار ' تو یہ بھي صحیح نہ تھا - وہ صرف یہ بات سنکر گھبرا اُٹھے کہ دوسري پادشاھت بننے والي ہے - اصلیت پر غور نہیں کیا - قحطانی والي حدیث بطریق رفع ثابت ہے ' اور قریش والي حدیث میں " ما اقاموا الدین " کي قید موجود ہے - پس دونوں میں کوئي تعارض نہیں - اسي بنا پر ائمـۂ حدیث نے حدیث قحطاني اور حدیث قریش میں تطبیق دیتے ھوے صاف صاف لکھدیا کہ امارۃ قریش والي روایت تشریع نہیں ہے - محض خبر ہے - اور وہ بھي " ما اقاموا الدین " کے ساتھہ مقید - شیخ الاسلام لکھتے ھیں " ھذا انکار من معـاویہ بلا تامل ' و الا ' فقـد جاء حدیث القحطاني مرفوعاً ' و ما ذکر في المعارضـہ ' فھو حجۃ لما فیہ من التقئید بقولہ : ما اقاموا الدین " اور حافظ عسقلاني نے فتح میں ابن التین کا قول نقل کیا ہے " الذي انکرہ معاویہ في حـدیث ما یقویہ لقولـہ ما اقامو الدین فربما کان فیھم من لا یقیمہ فیتسلط القحطاني علیہ و ھو کـلام مستقیم " (۱۳ : ۱۰۲) یعني امیر معاویہ کا انکار کردینا انکي بے غوري کا نتیجہ تھا - ورنہ قحطاني والي بات ثابت ہے - امیر معاویہ نے جو حدیث معارضہ میں پیش کي ' اس کا آخـري ٹکرہ خود انھي پر حجت ہے اور ابن عمرو کي تصدیق کر رھا ہے - یعني اس میں " ما اقاموا الدین "

کي قيد موجود هے - اس سے ثابت هوا کہ جب قريش ميں ايسے لوگ نہ رهينگے جو دين قائم رکهہ سکيں تو پهر کوئي غير قرشي مسلط هو جائيگا -

(۴) صحيح بخاري کے ترجمۂ باب سے واضح هوتا هے کہ امام بخاري کا بهي مذهب يهي هے - انهوں نے باب باندها هے " الامراء من قريش " قريش ميں امارت اور امراء - اس مضمون کا باب نهيں باندها کہ امارت هميشہ قريش هي ميں هوني چاهيے -

(۵) امام بخاری نے ايک دوسري روايت ابن عمر کي درج کي هے جو مسلم وغيرہ ميں بهي هے : " لا يزال هذا الامر في قريش ما بقي منهم اثنان " يعني يہ چيز قريش هي ميں رهيگي جب تک دو آدمي بهي اُن ميں باقي رهينگے -

اس روايت سے همارے بيان کي اور مزيد تصديق هوگئي - حديث کا منطوق صريح پيشين گوئي کا هے - اگر اسکا يہ مطلب قرار ديا جائے کہ جب تک دو انسان بهي خاندان قريش ميں باقي رهينگے ' خلافت اُنهي کے قبضہ ميں رهيگي ' تو يہ واقعات کے بالکل خلاف هے - دور کي جگہ هزاروں قرشي انسان موجود رهے اور خلافت قريش سے نکل گئي - پس ضرور هے کہ "ما بقي منهم اثنان" کے منطوق پر مفهوم کو ترجيح دي جاے - اور وہ يهي هے کہ اگر قريش ميں دو آدمي بهي ايسے باقي رهينگے ' جو خلافت کے اهل هونگے ' تو کبهي خلافت کے شرف سے يہ خاندان محروم نہ هوگا - مگر جب انقلاب حال سے ايسا وقت آجائے کہ دو آدمي بهي اهل نہ رهيں ' تو مشيت الهي اپنے قانون انتخاب اصلح کے مطابق دوسروں کو اس کام پر مامور فرماديگي ' اور قريش خلافت سے محروم هوجائينگے - چنانچہ تاريخ شاهد هے کہ ايسا هي هوا - معتصم کے بعد سے عباسيہ کا زوال شروع هوگيا تها - آخر ميں يهانتک پهنچ گيا کہ حکومت دوسروں کي تهي' عباسي خليفہ صرف اپنے عشرت کدوں کيليے رهگيا تها - تاهم اقتدار خلافت اُنهي کا رها - کسی کو جرأت نہ هوئي کہ خلافت کا دعوا کرسکے - کيسي کيسي طاقتور اور باجبروت عجمي و سلجوقي حکومتيں قائم هوئيں ؟ ليکن سب اپنا بڑا سے بڑا شرف يهي سمجهتے رهے کہ مقام خلافت سے اُنهيں خدمت و ياوري خلافت کا کوئي لقب ملجاے' اور بس - اگر ايک قرشي ' فاطمی ' عباسي ' تن تنها کسي هنگامۂ و قتال سے بچکر

نکل جاتا ' تو جس گوشۂ عالم میں پہنچ جاتا ' ایک عالم اُسکے ساتھہ هوجاتا اور اپني حکومت قائم کرلیتا - گویا هر قرشي کے وجود میں ایک خلافت پنهاں تهي - ایک اموي شهزاده شام کے قتل عام سے بچکر نکــلا اور افریقه هوکر یورپ جاپهنچا - وهاں پانچ صدیوں تک کیلیے اسپین کي عظیم الشان اسلامي سلطنت قائم هوگئي - لیکن جب عرب و قریش کے تنزل و ادبار کا وه آخري وقت آگیا که دو قرشي بهي دنیا میں حکمراني کے اهل و لائق باقي نه رهے ' تو تاریخ خلافت نے معاً صفحــه اُلٹ دیا ' اور یکقلم غیر عربي و غیر قرشي خلافت کا دور شروع هوگیا - و کان وعداً مفعولا !

(۹) اشتباه و اضطراب کے تمام پردے اُٹهه جاتے هیں جب ترمذي کي وه روایت سامنے آجاتي هے جس میں امارت قریش کے ساتهه دو اور باتوں کا بهي ذکر ایک هي سلسلے اور ایک هي اسلوب میں کیا گیا هے ' اور گویا روایت امارت کے متن کا وه ایک متمــم و مکمل ٹکره هے جو بقیه طرق میں رهگیا تها ' اس طریق میں ملجاتا هےتا که اسکو جوڑ کر مضمون حدیث کامل کر لیا جاے - قریش والي حدیث اگرچه مختلف راویوں سے مروي هے ' لیکن سب سے زیاده اور مشهور طرق ابو هریرة ' جابر بن سمرة ' اور ابن عمر پر جاکر ختم هوتے هیں - اور امام مسلم ' احمد ' ابو داؤد طیالسي ' بزار ' طبراني کے تمام طریق تو حضرت ابو هریرة هي کي روایت سے نکلے هیں - انهي ابو هریرة سے بطریق ابو مریم انصاري ترمذي نے روایت کیا هے :
" الملک في قریش ' والقضاء في الانصار ' والاذان في الحبشه " (اسناده صحیح)
اور امام احمد کثیر بن مرة سے یوں روایت کرتے هیں " الخلافة في قریش ' والحکم في الانصار ' والدعوة في الحبشه " (رجاله موثقون - و ایضاً رواه الطبراني و البزار من وجه آخر)

اس روایت میں ایک ساتهه تین باتوں کا ذکر هے - خلافت قریش میں - قضاء و حکم انصار میں - اذان و دعوة اهل حبش میں - پس جو معني ایک بات کے هونگے ' وهي بقیه دو کے هونگے - اور جو مطلب دو باتوں کا هوگا ' وهي پهلي بات کا بهي هوگا - اگر پهلي بات (یعني قریش کي حکومت) بیان حال اور پیشین گوئي نهیں هے - امر و تشریع هے - تو بقیه دو جملوں کو بهي امر و تشریع قرار دینا پڑیگا - یعني ماننا پڑے گا که قاضي همیشه انصاري هي هونا چاهیے ' اور مــؤذن بجز حبشي کے دوسرا هو نهیں سکتا - لیــکن

معلوم ہے کہ آج تک نہ کسی نے ایسا کہا ' نہ یہ مطلب سمجھا ' نہ قضاء و اذان کیلیے کوئی شرعی اشتراط ملک و نسل کا تسلیم کیا گیا ہے -

پس جو مطلب اُن دو باتوں کا ہے ' وہی خلافت قریش کا بھی ہے - یا تو یہ بیان حال ہے - یعنی آنحضرۃ صلی اللہ علیہ و سلم کے عہد میں ایسا ہوا کہ آپ خود قرشی تھے اور مسلمانوں کے امیر و رئیس کل - قضاء پر اکثر انصار مامور ہوے ' اور اذان حضرت بلال دیتے تھے - پس " الملک في قریش ' و القضاء في الانصار ' و الاذان في الحبشہ " کي تقسیم ہوگئي تھي - یا آیندہ کي نسبت خبر ہے کہ حکومت قرشیوں کے ہاتھہ میں رہیگی ' قضاء پر انصاري مامور ہونگے ' اور اکثر ایسا ہوگا کہ موذن حبشي ہوں - کوئي خاص آنے والا عہد پیش نظر ہوگا - اسي کي نسبت یہ خبر آپ کي زبان مبارک پر طاري ہوگئي -

(۷) اس حدیث کے جو متون و اسناد صحیحین نے اختیار کیے ہیں ' اُنکے بعد سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ہے جسکو ابو داؤد طیالسي ' امام احمد ' ابو یعلي ' طبراني ' وغیرہم نے حضرۃ ابوبرزہ اور انس سے روایت کیا ہے " الائمۃ من قریش ما حکموا فعدلوا ' و وعدوا ' فوفوا ' و استرحموا " اور طبراني نے حضرۃ علي سے مرفوعاً روایت کیا ہے " الا ان الامراء من قریش ما أقاموا ثلاثا " الخ - اسي متن کو امام بخاري نے تاریخ میں اور طیالسي و بزار نے مسند میں حضرۃ انس سے یوں بھي روایت کیا ہے " الائمۃ من قریش ما اذا حکموا فعدلوا " نسائي و حاکم نے بھي ایک دوسرے طریق سے یہ روایت لي ہے - حاصل ان سب کا یہ ہے کہ فرمایا - امرا اور آئمہ قریش میں سے ہیں - جب تک ان میں عدل گستري ' ایفاء عہد ' اور رحم و شفقت کے اوصاف باقي رہینگے -

اس حدیث سے بھي ثابت ہوگیا کہ قریش کي خلافت اہلیت و صلاحیت کے ساتھہ مشروط تھي - یعني پہلے ہي سے کہدیا گیا تھا کہ جبتک صفات حسنہ اُن میں باقي رہینگے ' خلافت اُنہي کے قبضہ میں رہیگي - یہ بات نہ تھي کہ تشریعاً ہر حال میں خلافت کو اُنہي کا حق بتلایا ہو -

(۸) اس سے بھي بڑھکر یہ کہ بعض روایات میں قریش کي نسبت بصورت ظلم و جور و عدم اتباع شریعت ' سخت کلمات وعید بھي آئے ہیں - حتی کہ کلمۂ " لعن " بھي آیا ہے - یہ بھي صاف صاف موجود ہے کہ

الله تعالى اپني سنت عادله کے مطابق ایسے لوگوں کو اُنپر مسلط کردیگا جنکا تسلط اُنکے لیے سخت اذیت و عقوبت کا موجب هوگا - چنانچه طبراني کي سابق الذکر روایت " ما اقاموا ثلاثا " الخ میں یه بهي هے " فمن لم یفعل ذلک فعلیه لعنة الله " یعني تین وصف عدالت ' ایفاء عهد ' اور رحم و شفقت کے بیان کرکے فرمایا - اور جس نے ایسا نه کیا تو اسپر الله کي پهٹکار - اور احمد و ابو یعلي نے حضرة ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا " یا معشر قریش ! انکم اهل هذا الامر مالم تحدثوا ' فاذا غیرتم' بعث الله علیکم من یلحاکم کما یلحي القضیب " (رجاله ثقات الا انه من روایة عبید الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود' عن عم ابیه عبد الله ابن مسعود ' و لم یدرکه - و ایضاً اخرجه احمد عن ابي مسعود الا نصاري من طریق عبید الله و في سماعه نظر ' و له شاهد من مرسل عطاء بن یسار - اخرجه الشافعي و البیهقي بسند صحیح) یعني اے جماعت قریش ! جب تک تم کوئي نئي روش اختیار نه کرو' تم هي اس بات کے اهل هو - لیکن اگر تم نے اپني حالت بدل دي تو یاد رکهو - الله تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کردیگا جو تم کو چهڑي کي طرح موڑ دینگے -

پس ان روایات سے دونوں باتوں کي مزید تصدیق هوگئي - اول یه که خلافت قریش کے تمام بیانات محض خبر هیں - تشریع و امر نهیں - ثانیاً ' پہلے سے خبر دیدي گئي هے که همیشه خلافت اُنهي میں نهیں رهیگي - چنانچه حرف به حرف یه پیشین گوئي پوري هوئي ' اور قریش پر یکے بعد دیگرے ایسے لوگ مسلط هوے ' جنهوں نے انکا سارا زور توڑ دیا - حتی که حکومت قریش کا دنیا میں نام و نشان تک باقي نه رها - فصلی الله علی الصادق المصدوق الذي لا یخبر عن شيء ' الا و جاء مثل فلق الصبح !

(۹) چنانچه یهي وجه هے که جن لوگوں نے خلافت کو قریش میں مخصوص ثابت کرنا چاها ' انکو بهي تسلیم کرنا پڑا که ان تمام روایات کا منطوق خبر کا هے نه که امر کا - اور کوئي حدیث ایسی قوي ظاهر الدلالة موجود نهیں جس سے انکا مدعا ثابت هوسکے - وه مجبور هوے هیں که انهي احادیث کو تاویل و توجیه کرکے امر پر محمول کریں - حافظ ابن حجر نے قرطبي کي نسبت لکها هے " کانه جنح الی انه خبر بمعنی الامر " (۱۳ : ۱۰۵) اور ابن منیر نے کہا " و الحدیث و ان کان بلفظ الخبر فهو بمعنی الامر کانه قال ائتموا بقریش خاصه " (ایضاً) پس اسپر سب متفق

هیں که الفاظ حدیث میں صورت خبرکی ہے - امرکی نہیں - اور جب کوئی دلیل قوی و ظاهر موجود نہیں - نه قرآن میں ' نه سنت میں ' نه اقوال صحابه میں ' تو پهرکیا مجبوری پیش آئی ہے که یه تاویلات اختیارکی جائیں ' اور نص کو بلا وجه ظاهر و منطوق سے مصروف کیا جاے ؟

(۱۰) اس حـــدیث کی تمام روایات و طرق پر هم نے نظر ڈال لی - اب صرف دو روایتیں اور رهگئیں جو مناقب قریش میں آئی هیں ' اور جن سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے - بیہقی و طبرانی نے جبیر بن مطعم اور ابن سائب سے روایت کیا " قـــدموا قریشا و لا تقدموهـــا " یعنی قریش کو مقدم رکهو - یا زیادہ سے زیادہ یه که قریش کو هر بات میں آگے رکهو - خود پیچھے رهو -

لیکن قطع نظر قوت و ضعف روایت کے ' اس سے بهی یه بات نہیں نکلتی که قریش کے سوا دوسرے کی خلافت جائز نہیں - قریش کو عرب میں هر طرح تقدیم و ریاست حاصل تهی - لوگ انکی ریاست سے متاثر تھے - پس فرمایا که اس بات کا لحاظ رکھاکرو - اس سے یه کہاں ثابت هوا که امامت و خلافت کے حقدار همیشه قریش هی هیں ؟

دوسری روایت امام احمد نے عمرو بن العاص سے روایت کی ہے - آنحضرۃ نے فرمایا " قریش قادۃ الناس " قریش لوگوں کے سردار هیں - لیکن اسکو بهی اختصاص خلافت کے سوال سے کوئی تعلق نہیں - یه تو معلوم ہے که سردار قوم تھے - لیکن اسکا حکم کہاں ہے که مسلمانوں کا خلیفه صرف انہی میں سے هوسکتا ہے ؟ کیا ایک ایسے اهم مسئله کیلیے اس طرح کی باتیں " نص " کا کام دیسکتی هیں ؟

(۱۱) باقی رهی حدیث " الا ئمۃ من قـــریش " اور یه استدلال که حضرۃ ابوبکر نے سقیفۂ بنی ساعدہ کے مجمع میں بر خلاف انصار پیش کی اور سب نے تسلیم کرلیا ' تو اس سے بهی شرعاً اختصاص قریش کے دعوے کو کوئی مدد نہیں ملسکتی -

اولاً ' یه الفاظ اور حضرت ابوبکر والی روایت بطریق اتصال ثابت هی نہیں - فتح الباری میں ہے " الائمۃ من قریش - رجاله رجال الصحیح لکن فی سندہ انقطاع" (۱۳ : ۱۰۱)

ثانیاً ' اس سے بهی یه کہاں ثابت هوتا ہے که خلافت کا شرعاً حق بجز قریش کے اور کسی مسلمان کو نہیں؟ یه بهی آینـــدہ کی نسبت خبر ہے '

۔ - اور انھي حديثوں کا ايک ٹکڑہ ھے جو دوسرے طريقوں سے صريح پيشين گوئي کے لفظوں ميں پڑھ چکے ھو - حضرۃ ابوبکر نے يہ بات اسليے پيش کي تھی کہ پيشتر سے ھونے والے واقعات کي خبر ديدي گئي ھے - پس ايسا ھی ھونا ضروري ھے - اسکے خلاف بات نہ اٹھاؤ - يہ سنکر انصار مايوس ھوگئے اور تسليم کرليا -

ثالثاً " الناس تبع لقريش " والي روايت سے مدد لي جاے تو بالکل کھل جاتا ھے کہ سقيفہ ميں حضرت ابوبکر کا استدلال صرف قريش کي بزرگي وعظمت اور عرب ميں انکي رياست و سرداري سے تھا - نہ کہ شرعاً شرائط امامت سے - وہ بتلانا چاھتے تھے کہ خود آنحضرت نے فرماديا ھے - جاھلية اور اسلام ، دونوں ميں لوگ قدرتي طور پر قريش کي سرداری سے متاثر ھيں اور رھينگے ، اسليے يہ معاملہ بھي انھي کے قبضہ ميں رھيگا - چنانچہ حضرۃ ابوبکر کا يہ مشھور جملہ اس مطلب کو پوري طرح کھول ديتا ھے جو سقيفہ ميں کہا تھا " ان العرب لا تعرف ھذا الامر لغير ھذا الحي " يعنے اھل عرب قريش کے سوا اور کسي قبيلہ کي سرداري سے آشنا نہيں - پس يہاں سرے سے شرائط شرعيہ کا سوال ھي نہ تھا - صرف ملکي و وقتي مصالح کي بنا پر استدلال تھا کہ کس قبيلہ و خاندان سے امام ھونا چاھيے جسکي سرداري عرب کے تمام قبائل بلا چون و چرا تسليم کرليں ؟

رابعاً ، يہي روايت بعض ديگر طرق سے صاف صاف خبر کي صورت ميں آئي ھے - امر و تشريع کي اسميں گنجايش ھي نہيں - ابن اسحاق نے کتاب الکبير ميں روايت کيا ھے کہ حضرت ابوبکر نے سقيفہ کے مجمع ميں فرمايا " ان ھذا الامر في قريش ما اطاعوا اللہ و استقاموا على امرہ " (فتح ۱۳ : ۱۰۳) يعنے يہ بات قريش ميں رھيگي جب تک وہ اللہ کي اطاعت کرينگے اور اسميں مستقيم رھينگے - پس معلوم ھوا کہ امام احمد والي روايت ميں راوي نے بقيہ ٹکڑہ چھوڑ ديا ھے - صرف " الائمۃ من قريش " لے ليا - ورنہ حضرت ابوبکر نے وھي بات فرمائي تھي جو ديگر احاديث مرفوعہ ميں بطور خبر کے ثابت ھوچکي ھے - على الخصوص بخاري کي روايت معاويہ ميں -



فصل

(دعوٰئے اجماع)

اب صرف ایک بات رہگئي - یعني علماء اسلام کا شرط قرشیۃ پر زور دینا ' اور قاضي عیاض وغیرہ کا دعوٰئے اجماع ' تو اس بارے میں چند امور قابل غور و نظر ھیں :

اولاً اس امر کا کوئي ثبوت موجود نہیں کہ صحابہ خلافت کا شرعاً مستحق صرف قریش ھي کو یقین کرتے تھے ' بلکہ اسکے خلاف شواھد موجود ھیں - امام احمد نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ھے - اگر معاذ بن جبل میری وفات تک زندہ رھے تو اپنے بعد اُنھي کو خلیفہ بناؤنگا - یہ ظاھر ھے کہ معاذ قرشي نہ تھے - انصار مدینہ میں سے تھے - اگر خلافت کیلیے قرشیۃ شرط ھوتي تو حضرۃ عمر جیسا محرم اسرار خلافت کیونکر اُنکی خلافت کا تصور بھي کرسکتا تھا ؟ مسند امام احمد میں حضرۃ عمر کا ایک اور قول بھي ابو رافع کي روایت سے موجود ھے "لو أدرکني احد رجلین ثم جعلت ھذا الامر الیه ' ارثقت به - سالم مولي حذیفه و ابو عبیدۃ الجراح " اگر سالم مولی حذیفه اور ابو عبیدۃ الجراح میں سے کوئي ایک میري وفات تک زندہ رھتا اور خلافت اُسکے سپرد کردیتا ' تو مجھے اس بارے میں پورا اطمینان و اعتماد ھوتا - اگر حضرۃ عمر صدھا صحابۂ و مھاجرین قریش کي موجودگي میں سالم مولی حذیفه کو خلافت سپرد کردینے کا ارادہ کرسکتے ھیں ' تو پھر کیسے باور کیا جاسکتا ھے کہ شرعاً خلافت غیر قرشي کو نہیں ملسکتي اور صحابہ کا اس پر اجماع ھوگیا تھا ؟

چنانچہ اس بات کا خود آئمۂ متاخرین کو اعتراف کرنا پڑا - حافظ ابن حجر قاضي عیاض کا قول نقل کرکے لکھتے ھیں " قلت و یحتاج من نقل الاجماع الی تاویل ما جاء عن عمر من ذلك - فقد اخرج امام احمد عن عمر بسند رجاله ثقات ان ادرکني أجلي الخ " الی ان قال " فیحتمل ان یقال لعل الاجماع انعقد بعد عمر علی اشتراط ان یکون الخلیفة قرشیاً ' او تغیر اجتھاد عمر في ذلك - و الله اعلم " (١٣ : ١٠٦) یعني یہ جو قاضي عیاض نے کہا کہ خلافت کے مخصوص

بہ قریش ہونے پر اجماع ہوچکا ہے ' تو اجماع ماننے کی صورت میں حضرۃ عمر کے قول کی تاویل کرنی پڑیگی جو امام احمد نے بسند صحیح معاذ بن جبل کے استخلاف کی نسبت روایت کیا ہے - پھر کہتے ہیں کہ اس کی یوں تاویل کی جا سکتی ہے کہ شاید یہ اجماع حضرۃ عمر کے بعد ہوا ہو - یا یوں کہا جائے کہ حضرۃ عمر کا اجتہاد اس بارے میں بدل گیا -

لیکن یہ تاویلیں جس قدر نا قابل التفات ہیں ' اہل نظر سے مخفی نہیں - اول تو جب اختصاص قرشیۃ کیلیے کوئی نص شرعی موجود نہیں تو تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ ثانیاً کہاں تو یہ دعوی کیا جاتا تھا کہ حضرۃ ابوبکر کی بیعت کے وقت سقیفہ کے مجمع ہی میں اس مسئلہ کا فیصلہ ہوگیا ' اور تمام صحابہ نے اجماع کرلیا کہ خلافت کے حقدار صرف قریش ہی ہیں - اور کہاں اب یہ تاویل کی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر کا پورا زمانۂ خلافت گزرگیا اور اجماع نہ ہوا ' حضرۃ عمر کی زمانۂ خلافت کے دس برس گزر گئے اور صحابہ اس حکم سے بے خبر رہے ' لیکن اسکے بعد یکایک اس پر اجماع ہو گیا ؟ پھر اگر اجماع ہوا تو کب ؟ اور کونسی دلیل اس بارے میں موجود ہے ؟

اگر سقیفۂ بنی ساعدہ میں اجماع نہیں ہوا ' نہ خلافت صدیقی کے ڈھائی سال میں یہ مسئلہ چھڑا ' اور نہ عہد فاروقی کے بہترین دس سالوں میں صاف ہوا جو فقہ و علوم کی تنظیم و تحقیق کا اصلی عہد تھا ' تو پھر کیا یہ اجماع اُس وقت منعقد ہوا جب حضرت عثمان کی شہادت کا ہنگامہ ہوا تھا ' یا اُسوقت جب جمل و صفین کے میدان کارزار گرم ہو رہے تھے ؟

اصل یہ ہے کہ واقعات کے تسلسل و تواتر سے خود بخود ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ لوگوں کو اجماع کا خیال پیدا ہوگیا - یعنی چونکہ ابتدا سے خلافت پر قریش ہی کا قبضہ ہوا ' اور یکے بعد دیگر تمام سلاسل حکومت قرشی ہی ہوے ' اس لیے لوگوں نے سمجھہ لیا کہ شرعی فیصلہ بھی یہی ہے ' اور اس پر اجماع ہوگیا ہے - ورنہ اجماع صحابہ کا کوئی ثبوت موجود نہیں - اور نہ عرصہ تک کسی خاص خاندان میں حکومت کا رہجانا دلیل تشریع و انعقاد اجماع ہوسکتا ہے - خود خلفاء عباسیہ کے عہد میں متعدد غیر قرشی مدعی اُٹھے ' اور بعضوں کا ساتھہ ہزاروں مسلمانوں نے دیا - وہ نہ خوارج میں سے تھے - نہ معتزلہ میں - مگر یقین کرتے تھے کہ غیر قرشی خلیفہ ہوسکتا ہے - حجاج کے زمانہ میں ابن الاشعث نے خروج کیا اور امیر المومنین کا لقب اختیار کیا - حالانکہ قرشی نہ تھا -

اندلس اور افریقہ میں عبد المومن صاحب ابن تومرت نے خلافت کے دعوے کے ساتھہ حکومت قائم کی اور اُسکی نسل میں عرصہ تک قائم رہی - ابن تومرت کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ معتزلی تھا ؟ وہ امام غزالی کا شاگرد اور پکا اشعری تھا - عقائد اشاعرہ میں اسکا ایک رسالہ موجود ہے - مراکشی نے تاریخ مراکش میں تصریح کی ہے کہ بلاد مغرب میں اشعریۃ اُسیکے ذریعہ پہنچی اور اسی لیے خاندان عبد المومن کا سرکاری مذہب ہمیشہ اشعری رہا - لیکن یہ لوگ بھی قرشی نہ تھے - علاوہ بریں خود ائمۂ اشاعرہ میں سے بعض نے اس شرط سے انکار کیا ہے - جیسا کہ امام ابوبکر باقلانی کی نسبت ابن خلدون نے تصریح کی ہے - پس غور کرنا چاہیے کہ جس اجماع کی نسبت دعوا کیا جا رہا ہے ' اور جو کبھی حضرۃ ابوبکر کی بیعت سے پہلے مجلس سقیفہ میں رونما ہوتا ہے ' کبھی وہاں سے روپوش ہوکر ساڑھے گیارہ برس تک مفقود ہو جاتا ہے اور حضرۃ عمر غیر قرشی کے استخلاف کا ارادہ کرنے لگتے ہیں ' پھر انکے بعد یکایک نمایاں ہونا چاہتا ہے ' لیکن پھر بھی اُسکا کچھہ پتہ نہیں چلتا - حتی کہ غیر قرشیوں کو ہزاروں مسلمان خلیفہ مان لیتے ہیں ' اور ائمۂ عقائد و کلام مختلف فیہ نظر آتے ہیں ' فی الحقیقت اُسکا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں ؟

حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے -

ثانیاً ' یہ ظاہر ہے کہ قریش میں خلافت ہونے کی نسبت جو کچھہ فرمایا گیا ' وہ محض آیندہ کی پیشتر سے اطلاع تھی - یعنی پیشین گوئی تھی - اور پیشین گوئیوں کا یہ حال ہے کہ جب تک اُنکا ظہور کامل طور پر نہ ہو جاے ' اُنکے معانی و مطالب کی نسبت کسی قطعی بات کا اختیار کرنا مشکل ہوتا ہے - اجتہاد و قیاس کیلیے کسی چیز میں اتنی وسعت نہیں جسقدر پیشین گوئیوں میں ہوتی ہے - علی الخصوص جبکہ عموماً پیشین گوئیوں کا ایک خاص مبہم انداز بیان ہوتا ہے ' اور نہایت اجمال و اختصار کے ساتھہ محض اشارات کیے جاتے ہیں - جب تک اُنکا ظہور نہ ہو جاے ' اشارات کی تفصیل اور اوصاف کے انطباق میں طرح طرح کی لغزشیں پیش آجاسکتی ہیں -

ظہور دجال کی پیشینگوئی اس معاملہ کیلیے ایک واضح مثال ہے - آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے تمام غیر معمولی اوصاف بیان کردیے تھے - با ایں ہمہ خود صحابۂ کرام میں اختلاف ہوا ' اور اپنے عہد کے مختلف اشخاص کو

بعض اوصاف کے اشتراک کی وجہ سے دجال سمجھتے رہے - آنحضرة کے زمانے ھي میں ابن صیاد کي نسبت حضرة عمر کو خیال ھوا تھا - حتی کہ اسکو قتل کرنا چاھا جیسا کہ امام بخاری کي روایت ابن عمر مندرجہ کتاب الجنائز میں موجود ہے - اور ایک دوسری روایت مندرجہ کتاب الاعتصام بالسنة سے معلوم ھوتا ہے کہ حضرة عمر کو اسپر اسدرجہ یقین تھا کہ قسم کھا کر کہتے تھے - یہي دجال ہے - اور اسي لیے ابن جابر کو بھي اسپر پورا یقین تھا " روایت جابر بن عبد اللہ یحلف باللہ ان ابن الصیاد الدجال " اسي طرح ابو داؤد کي روایت نافع میں حضرة عبد اللہ بن عمر کي نسبت مروي ہے کہ قسم کھا کر کہتے تھے " واللہ ما أشک ان المسیح الدجال ھو ابن صیاد " لیکن دیگر صحابہ کو اس سے اختلاف تھا - ابو سعید خدري سے جب ابن صیاد کي صحبت ھوئي تو انکا شک دور ھوگیا حتی کہ معذرت کرنے کیلیے آمادہ ھوگئے (کما فی المسلم) اور مسلم میں قصہ تمیم داری موجود ہے جسکي بنا پر لوگوں کو ابن صیاد کے دجال ھونے سے انکار تھا -

پس چونکہ یہ پیشین گوئي تھي ' اسلیے مشکل تھا کہ جب تک تمام واقعات پوري پوري طرح ظاھر نہ ھو جائیں ' انکا ٹھیک ٹھیک مطلب متعین کیا جا سکے - خلافت کا یہ حال رھا کہ گو ابتدا سے بہت مدعي آٹھے ' مگر فی الجملہ نویں صدي ھجری تک قریش ھي میں رھي ' اور اسي بات کي احادیث میں خبر بھي دی گئي تھي - جن علمـــاء کي رائے پیش کي جاتي ہے ' وہ سب وھي ھیں جنکا ظہور ساتویں صدی اور اس سے پیشتر یعنی عہد خلافت قریش میں ھوا - پس ضرور تھا کہ معاملۂ خلافت کو ابتدا سے قریش ھي میں محدود دیکھکر یہ خیال پیدا ھو جاتا کہ خلافت اسي خاندان سے شرعاً بھي مخصوص ہے ' اور یہي مطلب تمام احادیث کا ہے - اگر وہ بعد کا حال دیکھتے تو معلوم کرجاتے کہ مقصود تشریع و حکم نہ تھا - محض خبر دي گئي تھي - وہ ان حدیثوں کا مطلب صرف اپنے وقت تک کے حالات کي روشني ھي میں دیکھہ رہے تھے ' اور اسکے لیے مجبور و معذور تھے -

حافظ نواوي شرح مسلم میں لکھتے ھیں " و قد ظھر ما قالہ صلعم - فمن زمنہ الی الآن الخلافة في قریش من غیر مزاحمة لھم فیھا ' و تبقی کذالک ما بقی منھم اثنان " (جلد ۲ : ۱۲۹) یعنی جیسا فرمایا تھا ' ویسا ھي

هوا - آنحضرت صلعم کے زمانے سے ابتک خلافت بغیر کسي رکارت کے قریش هي میں رهي - اور آیندہ بهي همیشه انهي میں رهیگي جبتک دو قرشي بهي دنیا میں باقي رهینگے -

حافظ نواري کا سال وفات سنه ۶۷۶ھ هے - اور سال پیدایش سنه ۶۳۱ - یا اس سے بهي پہلے - آخري خلیفۂ بغداد المستعصم کو هلاکو نے سنه ۶۵۶ میں قتل کیا - پس گو انکي وفات فتنۂ تاتار کے بعد هوئي ' لیکن تصنیف و تالیف کا زمانہ مستعصم کي خلافت هي کا زمانہ هے - اگر شرح مسلم وغیرہ بالکل آخري عمر کي تصنیف ثابت هوجاے تو پهر خلفاء عباسیۂ مصر کا زمانہ هوگا که في الجملہ قریش کي خلافت قائم تهي - پس وہ اپنے زمانے تک خلافۃ کو صرف قریش هي میں قائم دیکهکر احادیث باب کے اسي مطلب پر قانع اور جمے هوے هیں ' اور اسي لیے " ما بقي منهم اثنان " کا بهي یهي مطلب سمجهتے هیں که جب تک خاندان قریش کے دو انسان بهي دنیا میں باقي رهینگے ' خلافت انهي میں رهیگي -

لیکن اگر انکو اپنے بعد کا حال معلوم هوتا تو کیا ایسا دعوا کرسکتے تهے ؟ کیا اس صورت میں اپني تمام راے پر نظر ثاني نه کرتے ؟ وہ کیا جانتے تهے که عنقریب صفحه الٹنے والا هے' اور خلافۃ نه صرف قریش سے ' بلکه عرب هي سے رخصت هو جانے والي هے -

اس سے بهي زیادہ بهتر مثال حافظ سیوطي کي هے - حافظ موصوف عباسیۂ مصر کے آخري عهد میں تاریخ الخلفاء اور حسن المحاضرہ لکهه رهے هیں - یعني هزارویں صدي کے اوائل میں - چونکه اسوقت تک مصر میں عباسي خاندان منصب خلافت پر ممتاز تها ' اور گو عالم اسلامي بهت سي نئي عجمي حکومتوں میں بٹ چکا تها ' تاهم لقب خلافۃ بجز عباسیۂ مصر کے اور کسي کے قبضه میں نه تها ' اسلیے انهوں نے تاریخ الخلفاء کے ابتدا میں ایک باب باندها هے " احادیث المبشرۃ بخلافۃ بني العبـاس " اسمیں وہ تمام روایتیں جمع کي هیں جنمیں عباسیه کو خلافت پانے کي بشارت دي هے ' اور کہا هے که تمهاري خلافت حضرۃ عیسی کے نزول تک رهیگي - چنانچه ابو نعیم کي روایت میں هے - جب حضرۃ عبد الله بن عباس پیدا هوے تو آنحضرۃ نے فرمایا "هو ابو الخلفاء' حتی یکون منهم السفاح' حتی یکون منهم المهدي ' حتی یکون منهم من یصلي بعیسی بن مریم "

یعني آپنے فرمایا عبد اللہ بن عباس خلفاء کا باپ ھے یہانتک کہ انہي خلفاء میں سے سفاح ھوگا ' اور انہي میں سے مہدي ھوگا ' اور اُنھي میں وہ ھوگا جو حضرت عیسیٰ کے ساتھہ نماز پڑھیگا -

اگرچہ یہ تمام روایتیں قطعاً جھوٹي ھیں - ابو مسلم خراساني وغیرہ عباسي داعیوں کي بنائي ھوئي ھیں ' اور تمام ائمۂ حدیث و نظر نے اِنکے خرافات و وضعي ھونے پر اتفاق کیا ھے - لیکن چونکہ اُسوقت تک عباسیوں میں خلافت کا انتساب باقي تھا ' اور واقعات کي بنا پر اس پیشین گوئي کي تکذیب نہیں ھو سکتي تھي - نیز عباسي خلافت کا حاکمانہ اثر ان روایات کي مقبولیت کا باعث ھورھا تھا ' اسلیے حافظ سیوطي انکےلیے ایک خاص باب قائم کرتے ھیں' اور اگر کسي روایت کو سنبھالنے کا ذرا سا بھي موقعہ ملجاتا ھے تو نہیں چوکتے- چنانچہ ابو نعیم اور دیلمي کی روایات سے کچھہ تعرض نہیں کیا ھے ' حالانکہ حافظ مزي ' ابن دقیق العید ' ابن کثیر ' وغیرھم نے سخت انکار کیا ھے ' اور ابن جوزي کتاب الموضوعات میں لاے ھیں- اس سے بھي بڑھکر یہ کہ دیباچہ میں بنوعبید کی خلافت پر بحث کرتے ھوے ان احادیث سے یقین کے لہجہ میں استدلال کرتے ھیں " ان الحدیث ورد بان ھذ الامر اذا وصل الی بني العباس لا یخرج عنھم حتیٰ یسلمون الی عیسي بن مریم او المھدي " (تاریخ الخلفا ۸۰) یعني یہ بات حدیث میں آچکی ھے کہ جب خلافت آل عباس تک پہنچیگي تو پھر اُنھي کے قبضہ میں رھیگی - یہانتک کہ وہ حضرت عیسیٰ یا امام مہدي کے سپرد کردیں -

لیکن اگر حافظ سیوطي پچیس برس اور زندہ رھتے اور دیکھہ لیتے کہ خلافت و حکومت کا نام و نشان تک عباسیہ میں باقي نہ رھا ' تو پھر اُنکو پورا پورا یقین ھوجاتا کہ عباسیہ کو آخر عہد تک خلافت و پادشاھت کی کوئي بشارت نہیں دي گئي ھے ' اور یقیناً یہ تمام حدیثیں وضعی ھیں جیسا کہ ائمۂ اثر فیصلہ کرچکے ھیں -

چنانچہ یہ بات صاف صاف تتبع و نظر سے واضح ھوجاتي ھے کہ خلافت عباسیۂ بغداد کے تنزل اور عجمي حکومت کے ظہور و عروج کے ساتھہ ھي علماء کي آراء میں بھي تدریجي تغیر شروع ھوگیا تھا ' اور اشتراط قرشیۃ میں وہ زور باقي نہ رھا تھا ' جو قاضی عیاض وغیرہ کي مصنفات میں پایا جاتا ھے - اکثر

علماء نے جب دیکھا کہ " ما اقاموا الدین " کی شرط کا ظہور شروع ہوگیا ہے اور حکومت قریش کے قبضہ سے نکل گئی ہے ' تو اُنکی راے بدل گئی ' اور قاضی عیاض والے اجماع کے دعوے میں تامل کرنے لگے - علامۃ ابن خلدون (المتوفی سنہ ۷۴۲) مقدمۂ تاریخ میں شرط قرشیۃ پر بحث کرتے ہوے لکھتے ہیں : " لما ضعف امر قریش ' و تلاشت عصبیتھم بما نالھم من الترف و النعم و بما انفقتھم الدولۃ فی سائر اقطار الارض ' عجزوا عن حمل الخلافۃ ' و تغلبت علیھم الاعاجم و صار الحل و العقد لھم ' فاشتبہ ذلک علی کثیر من المحققین ' حتی ذھبوا الی نفی اشتراط القرشیۃ و عولوا علی ظواھر فی ذلک مثل قولہ صلعم : اسمعوا و اطیعوا و ان امر علیکم عبد حبشی ما اقام فیکم کتاب اللہ " یعنی جب قریش کی قوت کمزور ہوگئی - عیش پرستیوں میں پڑکر اپنی عصبیۃ مٹا دی - خلافت کا بوجھہ اُٹھانے سے عاجز ہوگئے ' تو عجمیوں نے اُنپر غلبہ حاصل کرلیا ' اور خلافت کا فیصلہ اُنھی کے ہاتھوں میں چلا گیا - یہ انقلاب دیکھکر بہت سے محققین کے نزدیک قرشیۃ کی شرط مشتبہ ہوگئی - یہانتک کہ انہوں نے اس شرط سے انکار کردیا - انتہی -

اشاعرہ کے امام الائمہ قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی یہی مذہب اختیار کیا تھا کہ قرشیۃ کی شرط ضروری نہیں - یہی ابن خلدون لکھتے ہیں " و من القائلین بنفی اشتراط القرشیۃ ' القاضی ابوبکر الباقلانی "

عباسیہ بغداد کے انقراض کے بعد مصر میں عباسی خلافت کا دوسرا دور شروع ہوا ' اسلیے اس عہد کے علماء مصر نے (مثلاً حافظ ابن حجر ' قاضی عینی ' جلال الدین سیوطی و غیرھم) قرشی خلافت کو فی الجملہ قائم پایا - لیکن جب یہ نقش بھی مٹ گیا ' اور وہ زمانہ آیا جسکی خبر دیدی گئی تھی کہ " بعث اللہ علیکم من یلحاکم کما یلحی القضیب " تو جو اہل نظر اس انقلاب کے بعد پیدا ہوے ' انہوں نے صاف صاف لکھدیا کہ اشتراط قرشیۃ کا کوئی ثبوت نہیں ' اور نہ خلافت قریش کا وہ مطلب ہے جو ابتک سمجھا جاتا تھا - چنانچہ تیرھویں صدی کے مشہور مجدد فقہ و حدیث امام شوکانی یمنی وبل الغمام میں شرط قرشیۃ کے دلائل نقل کرکے لکھتے ہیں " لاریب ان فی بعض ھذہ الالفاظ ما یدل علی الحصر ' ولکن قد خصص مفھوم الحصر احادیث وجوب الطاعۃ لغیر القرشی " الی ان قال " و الاخبار منہ صلعم بان الائمۃ

من قريش ' هو كالاخبار منه بان الاذان في الحبشة و القضاء في الازد ' و ما هو الجواب عن هذا ' فهو الجواب عن ذلك - و تخصيص كون الائمة من قريش ببعض بطونهم ' لا يتم الا بدليل ' و الاخذ بما وقع عليه الاجماع لا شك انه احوط ' و اما انه يتحتم المصير اليه ' فليس بواضح ' و لو صح ذلك ' لزم بطلان اكثر ما دونوه من المسائل و المقام و المراكز ' و ما احقه بان لا يدون كذلک " يعني اگرچه امامة قريش کي روايات ميں ايسے الفاظ هيں جنسے قريش کي خصوصيت معلوم هوتي هے ' ليکن وجوب طاعت امام کے عام احکام کتاب و سنة ميں موجود هيں - وه دلالت کرتے هيں که غير قرشي کي بهي اطاعت امت پر قرشي هي کي طرح واجب هے - باقي رهي يه بات که آنحضرة نے قريش ميں امامت کي خبر دي ' تو اس سے يه لازم نهيں آتا که انکے سوا کوئي دوسرا امام هو هي نهيں سکتا - يه ويسي هي خبر هے جيسي اس بارے ميں خبر دي که اذان کا کام اهل حبش ميں هے اور قضاء ازديوں ميں - جس طرح ان روايتوں سے يه بات نهيں نکلتي که مؤذن اور قاضي صرف حبشي اور ازدي هي هونے چاهئيں ' اسي طرح يه بات بهي ثابت نهيں هوتي که امام صرف قرشي هي هوسکتا هے - جو جواب انکا ديا جائيگا ' وهي اسکا هوگا -

يه واضح رهے که جن جن علماء حديث و کلام کے اقوال سے يه اجماع ثابت کيا جاتا هے ' وه سب کے سب اسي عهد کے هيں جبکه خلافت عباسي قائم تهي - بعد والوں نے جو کچهه ليا هے ' انهي سے ليا هے - سب سے زياده اعتماد اس بارے ميں قاضي عياض کے بيان پر کيا جاتا هے جنکا قول نواوي نے شرح مسلم اور منهاج ميں نقل کيا هے - انکا سال وفات سنه ۵۴۴ هجري هے -

پهر يه بهي واضح رهے که اجماع کے دعوے نے عام طور پر جو وسعت اختيار کرلي هے ' اور جس طرح بتدريج اس لفظ کا استعمال اپنے لغوی و اصولي معنی سے هٹ کر مختلف مصطلحه معنوں ميں هونے لگا هے ' اسکو فراموش نهيں کرنا چاهيے - علی الخصوص فقهاء مذاهب کے استعمالات متکلمين اور ارباب اصول کے مصطلحه اجماع سے بالکل مختلف هيں - هر مذهب کے فقها بلا تامل اپنے مسلک کو " جمهور " اور " اجماع " کے لفظ سے تعبير کر ديتے هيں - اسميں کسی کا مطلب کچهه هوتا هے کسي کا کچهه - صاحب هدايه وغيره کے نزديک عدم وجوب قرأة فاتحه خلف امام اور

افضلیت اسفار جمہور کا قول ہے - بعضوں نے اجماع تک کہدیا - لیکن
شوافع و محدثین کہتے هیں کہ قرأة فاتحہ هي جمہور کا مذهب ہے اور
اسي پر جماهیر علماء کا اتفاق ہے - انہی حافظ نواوي کي (جو اشتراط قرشیة
کو جمہور کا مذهب بتلاتے هیں) شرح مسلم دیکھه لي جاے - کس طرح
شافعیة کا هر مذهب اُنکے نزدیک " جمہور " کا مذهب ہے ' اور مخالف کا
هر قول شاذ - شافعیة اور حنفیة کي خلافیات میں تقریباً دو تہائي مسائل
تو ضرور ایسے هونگے جنکي نسبت هرجگه شرح مسلم میں پاؤگے :
" هذا مذهب الشافعي و الجماهیر ' و خالف فیه ابو حنیفة " یعني امام
شافعي اور جمہور کا مذهب یہي ہے مگر امام ابو حنیفه نے اس سے
خلاف کیا - اگر همارے علماء احناف حافظ نواوي کي ان تمام
جمہوریات و اجماعیات کو تسلیم کرلینے کیلیے طیار هیں ' تو خیر '
اشتراط قرشیة کا ایک اجماع اور سہي - لیکن یاد رہے کہ یہ وهي بات هوگي :

گو مشت خاک ما هم برباد رفته باشد !

ثانیا ' همارا خیال ہے کہ یہ بات بهي اور بے شمار باتوں کي طرح وقت
کے سیاسي اثرات کا نتیجه تهي - یہ ظاهر ہے کہ معاملۂ خلافت ابتدا
سے سخت کشمکش و تزاحم میں رها - جو خاندان قابض هوا ' اُسکو رقیبوں
اور دعویداروں کي طرف سے همیشه کهٹکا لگا رها - پس جبکه خلافت اهل
عرب کے هاتهه میں تهي ' تو وہ کیسے گوارا کرسکتے تھے کہ عجمیوں کے ولولوں
کي اس بارے میں جرأت افزائي کي جاے ؟ اور عرب میں سے بهي جب
خاص خاندان قریش میں تهي جو هر طرح سیادة و بزرگي رکهتا تها ' تو وہ
کیونکر پسند کرسکتے تھے کہ غیر قرشي خلافت کا وجود تسلیم کرکے غیر قرشیوں
کو همتیں دلائي جائیں اور مادي طاقت کے ساتهه شریعت کي حمایت
کا سهارا بهي انہیں حاصل هوجاے ؟ بخاري کي روایت میں پڑھچکے هو
کہ امیر معاویه نے قحطاني پادشاہ کے ظهور کي روایت سني تو کس درجه
مضطرب اور غضب ناک هوے ؟ اور کسطرح فوراً قریش والي روایت کا
اعلان کردیا تاکه پہلے هي سے سد باب هوجاے ؟ جن علماء کے اقوال پر
متاخرین فقہاء و متکلمین کا اعتماد ہے ' وہ سب کے سب وهي هیں جنکا
ظهور آخر عهد عباسیه میں هوا ہے جب قرشي خلافت قائم تهي - مثلاً
قاضي عیاض و امام نواوي و غیرهم - پس وقت کي حکومت کا جو پولیٹکل
اثر سب پر پڑ رها تها ' وہ بهي یہي تها کہ خلافت کو حکمران خاندان کي قوم اور

خاندان سے مخصوص سمجھا جائے اور تمام ایسی باتوں میں جس میں اجتہاد رائے کو دخل ہو' فکر و قیاس کا میلان قدرتی طور پر اُسی جانب ہو جائے - علی الخصوص جبکہ اسکے لیے کسی غلط بیانی یا تحریف احکام کی ضرورت نہ تھی - واقعی احادیث موجود تھیں - صرف مفہوم کی تعیین میں اجتہاد کو کام کرنا تھا - اس مسئلہ پر موقوف نہیں' وقت کے پولیٹکل اثرات بے شمار چیزوں میں اندر ہی اندر کام کرچکے ہیں' اور آج اُنکا پتہ لگانا بہت دشوار ہوگیا ہے - ساتویں صدی ہجری میں جب خلافت بغداد کا خاتمہ ہوگیا' تو آہستہ آہستہ اس اثر سے افکار خالی ہونے لگے' اور بتدریج بحث و نظر کی صورت دوسری ہوگئی - حافظ عسقلانی اور قاضی عینی جو آٹھویں صدی میں یا نویں کے اوائل میں بخاری کی شرح لکھہ رہے ہیں' اُنکے مباحث پڑھو تو قاضی عیاض اور نواوی سے اُنکا رنگ مختلف نظر آئیگا -

قاضی عینی بخاری کی حدیث معاویہ " ما اقاموا الدین " کی شرح میں لکھتے ہیں " ای مدة اقامتهم امور الدین - قیل یحتمل ان یکون مفهومه فاذا لم یقیموه لا یسمع لهم " یعنی یہ جو حدیث میں ہے کہ " جب تک دین قائم رکھینگے " تو اسکا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جب وہ وقت آجائے کہ قریش اقامت دین نہ کریں تو اُنکی بات نہیں سنی جائیگی - حافظ عسقلانی گو اشتراط قرشیة سے صاف صاف انکار نہیں کرتے - لیکن طرز بحث و نظر کے اضطراب وضعف نے خود بخود مسئلہ کا مخالف پہلو قوی کردیا ہے اور بہ یک نظر واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اس بارے میں کوئی مضبوط رائے نہیں رکھتے اور اگر مائل ہیں تو انکار کی طرف - اشتراط قرشیة کے مویدین کے جس قدر دلائل ہیں' اُن میں سے کوئی دلیل ایسی نہیں جس پر اُنہوں نے سنگین اعتراضات نہ کیے ہوں اور وہ مجروح ہوکر نہ رہگئی ہو - جو صاحب مزید بصیرت حاصل کرنی چاہیں' فتح الباری جلد ۳ - کتاب الاحکام کے ابواب " الامراء من قریش " اور " السمع و الطاعة للامام " ملاحظہ فرمائیں -

غرضکہ جہاں تک تمام احادیث و دلائل پر نظر ڈالی جاتی ہے' اشتراط قرشیة کیلیے کوئی نص موجود نہیں' اگرچہ بصورت اشتراط بھی موجودہ مسئلۂ خلافت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا - موجودہ مسئلہ انتخاب امام کا نہیں ہے - امام قائم و نافذ کی امامت و اطاعت کا ہے -

باب

خـــلافــــة آل عثمـــان

فصل

(چند لمحـــات تاريخيـــه)

اب بہتر ہوگا کہ تھوڑي دیر کیلیے ہم آگے بڑھنے سے رک جائیں ' اور گذشتہ تیرہ صدیوں کي طرف مڑ کے دیکھیں کہ خلافت اسلامیہ کے مختلف دوروں کا کیا حال رہا ہے ؟

" الخلافة بعدي ثلاثون سنة " (میرے بعد خلافة خاصة ۳۰ برس تک رهیگي) کي خبر کے مطابق خلفاء راشدین کا دور ۳۰ - برس تک رہا - سنه ۱۱ - هجري سے شروع ہوا اور ٹھیک سنة ۴۱ - تک باقي رہا - اسي سنه سے بنو امیه کي خلافت کا دور شروع ہوتا ہے اور سنه ۴۱ - ھ سے سنه ۱۳۲ - ھ تک قائم رہتا ہے - اسکے بعد خلافت نے ایک نیا ورق الٹا ' اور خاندان عباسیه کا سلسله شروع ہوا - خلافت کا سب سے بڑا سلسله یہي ہے جو سنه ۱۳۲ - سے ۶۵۲ - ھ تک قائم رہا - چونکه کامل پانچ صدیوں تک حکمراني ایک ہي گھرانے میں رہي ' اسلیے وہ تمام ذہني و جسماني اور اجتمـــاعي و مدني فسادات کمال درجه تک پیدا ہوگئے ' جو ہمیشه امتداد سلطنت اور عروج تمدن کے لازمي نتائج رہے ہیں - قریش کي نسبت فرمایا تھا " ما اقاموا الدین " جب تک وہ دین قائم رکھینگے ' حکومت انہي میں رهیگي - سو اب ٹھیک ٹھیک وہ وقت آگیا تھا - قریش و عرب میں دین قائم رکھنے کي صلاحیت مفقود ہوگئي تھي - قیـــام دین کا کام دوسري قومیں اور طاقتیں انجـــام دے رہي تھیں - پس وہي ہوا جو تاریخ عالم کے ہر ایسے دور میں ہوتا آیا ہے - سنه ۶۵۶ - میں ہلاکو خان تاتاري نے بغداد پر حملـــه کیا اور آخري خلیفۂ عباسي المستعصم

بالله کے خون نے بہکر ہمیشہ کیلیے عربی و قرشي حکومت کے خاتمہ کا اعلان کردیا - مستعصم کا قتل فی الحقیقت عربي خلافت کا قتل تھا : (۱)

و ما کان قیس هلکــه هلك واحد
و لکنــه بنیـــان قوم تهــدما !

یہ سب کچھہ ہوچکا ' مگر ابھي پیشین گوئي کي ایک آخري سطر باقي تھي - یعني " ما بقی منهم اثنان " قریش سے حکومت نکل جائیگي - پر نکل جانے پر بھي اُنکي عظمت رفتہ کا یہ اثر باقي رهیگا کہ اگر دو قرشي بھي کسي گوشہ میں نکل آئینگے تو لوگ خلافت کا اُنھي کو مستحق مانینگے - بغداد میں قرشي خــلافت مٹي ' لیکن مٹتے مٹتے بھي ایک آخري نقش چھوڑ گئی - وہ بغداد کي خون آلود خاک سے اُکھڑا اور تین سو برس تـک کیلیے مصر میں جاکر جم گیا - البتہ یہ جماؤ قرشي حکومت کا جماؤ نہ تھا - محض اُس کے نقش قدم کا تھا :

گو کہ هم صفحۂ هستي پہ تھے اک حرف غلط
لیکن اُٹھے بھي تو اک نقش بٹھا کے اُٹھے !

---

(۱) فتنۂ تاتار کا ظہور مسلمانوں کیلیے وهي معاملہ تھا جو بني اسرائیل کے لیے بخت نصر کے ظہور میں تھا - ثم بعثنا علیکم عباداً لنا اولي باس شدید - فجاسوا خلال الدیار - و کان وعداً مفعولا (۱۷ : ۶) بحکم " یأتي علی امتي ما اتي علی بني اسرائیل حذو النعل بالنعل " (صحیحین) اس اُمت پر بھي وہ سب کچھہ گذرنے والا ھے جو بني اسرائیل پر گزر چکا - بني اسرائیل پر غفلت و ضلالت کے دو سب سے بڑے دور آئے - اس لیے دو ھي مرتبہ عام بربادي بھي چھائي اور اُنکي تعذیب کیلیے دو جابر و قاھر قومیں مسلط ہوئیں : و قضینا الی بني اسرائیل في الکتاب لتفسدن في الارض مرتین و لتعلن علواً کبیرا (۱۷ : ۵) پہلي بربادي بخت نصر کے هاتھوں ہوئي : عباداً لنا اولي باس شدید - اور دوسري تیٹس قیصر روم کے هاتھوں - معلوم ہوتا ھے کہ اسي طرح اس امت پر بھي طغیان و عصیان کے دو بڑے وقت آنے والے تھے ' اور اُنکے نتائج دو معذب قوموں کي شکل میں ظاهر هوے - قوم تاتار اور اقوام یورپ - بني اسرائیل کی پہلي بربادي خود ایشیاء ھي کي ایک قوم کے هاتھوں ہوئي - یعني اهل بابل کے هاتھوں - اور دوسري کا ظہور یورپ سے هوا - یعني روم سے - ٹھیک اسي طرح اُس امت کیلیے بھي پہلا فتنہ ایشیاء کا تھا ' دوسرا یورپ کا - پہلا هوچکا - دوسرا هو رہا ھے -

عباسي خاندان کے دو چار آدمي بغداد کے قتل عام سے بچکر نکل گئے تھے - اُنہي میں مستعصم کا چچا احمد بن ظاهر عباسي بھي تھا - وہ سنه ۶۶۰ میں مصر پہنچا - وهاں ایوبي خاندان کے ممالیک کي حکومت قائم تھي اور ملک ظاهر بیبرس حکمراں تھا - اُسکو احمد کے خاندان کا حال معلوم هوا تو منصب خلافت کا حقدار تسلیم کرلیا اور اُس کے هاتھه پر بیعت کرلی -

احمد بن ظاهر نے المستنصر بالله کا لقب اختیار کیا اور بیبرس کي معیت و اعانت حاصل کرکے کوشش کي که دار الخلافة بغداد کو تاتاریوں کے تسلط سے نجات دلائے - لیکن کامیابي نہوئي اور لڑائي میں شہید هوا -

اب پھر وہ وقت آگیا تھا که قریش سے خلافت کا انتساب بالکل معدوم هو جائے ' لیکن " ما بقي منهم اثنان " کي پیشین گوئي آخر تک اپنے عجائب دکھلانے والي تھي - قتل عام بغداد سے ایک اور عباسي شہزادہ ابو العباس احمد بن علي بچکر نکل گیا تھا اور حلب میں مخفي تھا - اُس کا حال بیبرس کو معلوم هوا تو بڑے اعزاز و اکرام سے مصر لایا اور اس کے هاتھه پر بیعت کرلي - حاکم بامر الله کے لقب سے وہ مشہور هوا - اسی کی نسل میں مصرکي عباسی خلافت ۲۹۱ برس تک قائم رهي - یعني سنه ۶۶۰ ھ سے سنه ۹۲۳ هجري تک -

اس عرصه میں عالم اسلامي دو صدیوں تک طرح طرح کے انقلابات وحوادث سے تہه و بالا هوکر بالاخر ایک نئے دور میں منتقل هوچکا تھا - عثماني ترکوں کي حکومت قسطنطنیه میں قائم هو کر یورپ و ایشیا کے اندر هر طرف پھیل رهي تھي - سنه ۹۲۳ - ھ (۱۵۱۷ - مسیحي) میں سلطان سلیم خاں اول نے مصر و شام پر قبضه کیا ' اور آخري عباسي خلیفه المتوکل نے اُسکے هاتھه پر بیعت کرکے تمام حقوق و امتیازات خلافت سپرد کردیے - حقوق خلافت کے علاوہ جو چیزیں اس سلسله میں سلطان سلیم کو دي گئیں ' اُن میں سب سے بڑي چیز مقامات مقدسه و حرمین کي کنجیاں تھیں ' اور بعض آثار نبریه - مثلاً آنحضرة صلي الله علیه و سلم کي تلوار - جھنڈا - ایک چادر - یه آثار اسوقت تک قسطنطنیـــه میں بطـور سند خلافت کے موجود هیں - اسي تاریخ سے عثماني سلاطین نمایاں طور پر " خلیفه " کے لقب سے دنیا میں مشہور هوے ' اور حجاز اور مصر و شام کے منبروں پر اُنکا ذکر به حیثیت امیر المومنین کے هونے لگا - حج کي امارت بھي اُنهي کے قبضه میں آگئي جو شرعاً خلافت کے اهم ترین فرائض میں سے هے -

سلسلۂ خلافت کي يه ايک مجمل تاريخ هے - بالفرض خليفۂ متوکل عباسي نے سلطان سليم کے هاتهه پر بيعت نه کي هوتي ' جب بهي آينده پيش آنے والے واقعات کا قدرتي نتيجه يهي تها که تمام عالم اسلامي کي خلافت کا منصب عثماني سلاطين هي کے قبضه ميں آجاے - وقت کي جو اسلامي سلطنت سب سے بڑي اور سب سے زياده شرع و ملت کي حفاظت کي طاقت رکهتي هو' وهي شرعاً خلافت کا منصب رکهه سکتي هے - گذشته چار صديوں کے اندر اسلامي حکومتوں کے انقلابات کا جو حال رها هے ' انکو ديکهتے هوے کون کهه سکتا هے که يه حق بجز اس سلطنت کے اور کسي سلطنت کو ملسکتا تها ؟ خود هندوستان ميں سلاطين مغليه کي حکومت قائم تهي - وه هندوستان کے اندر اپنے هي کو امام سمجهتے تهے ' ليکن عالم اسلامي کي خلافت عظمى کا دعوى کبهي اُنکے وهم و خيال ميں بهي نهيں گزرا ' اور اگر گزرتا تو دنيا ماننے کيليے طيار نه تهي - ابتدا سے ليکر آخر تک مقام خلافت کي جو اهم و مشترک خصوصيات رهي هيں اور جنکو تمام دنيا کے مسلمانوں نے عملاً بطور اسناد خلافت کے تسليم کرليا هے ' وه خلفاء عباسيه کے بعد صرف عثماني سلاطين هي کو حاصل هوئيں - کوئي دوسري اسلامي حکومت اس عام اقتدار و اختيارات کے ساتهه قائم نه هوسکي -

فصل

(خلافت و امامت سلاطين عثمانيه)

اس عارضي وقفه کے بعد اب هم پهر آگے بڑهتے هيں - سلطان سليم خان اول کے عهد سے ليکر آجتک بلا نزاع سلاطين عثمانيۂ ترک تمام مسلمانان عالم کے خليفۂ و امام هيں - ان چار صديوں کے اندر ايک مدعي خلافت بهي اُنکے مقابله ميں نهيں اُٹها - بنو اميه اور عباسيه کے عهدوں ميں بے شمار رقيبوں اور دعويداروں کي کشمکش نظر آتي هے ' ليکن سلاطين عثمانيه کي خلافت کي پوري تاريخ ميں کسي ايک مدعي خلافت کا نام بهي ڈهونڈهکر نهيں نکالا جا سکتا - حکومت کے دعويدار سيکڑوں اٹهے هوں ' مگر اسلام کي مرکزي خلافت کا دعوى کوئي نه کرسکا -

صدیوں سے اسلام و بلاد اسلام کی حفاظت کی تلوار صرف انہی کے ہاتھوں میں ہے - صدیوں سے صرف انہی کا سینہ اسلام کی راہ میں زخمی ہے ' صرف انہی کی لاشیں اسلام کیلیے خاک و خون میں تڑپتی ہیں ' اور صرف انہی کی ذمہ داری پر تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں نے اسلام کی مرکزی حفاظت کا کارو بار چھوڑ رکھا ہے - دنیا کے خواہ کسی گوشے میں کوئی مسلمان ہو ' اگر وہ بہ حیثیت ایک مسلمان کے اسلام کا چوتھا رکن حج ادا کرنے کیلیے نکلتا ہے ' تو عرفات کے میدان میں کھڑے ہوکر اسکو عثمانی امامت کی دینی ریاست قبول کرنی پڑتی ہے اور حج کا فریضہ عثمانی خلیفہ ہی کے بھیجے ہوے نائب کے ماتحت انجام دیتا ہے - شریف حسین نے غیر مسلم محاربین کا ساتھہ دیکر اگر بغاوت کی اور حجاز کو قسطنطنیہ کے اقتدار حکومت سے الگ کرلیا ' تو یہ فساد و عدوان کی ایک عارضی حالت ہے جو شرعاً معتبر نہیں - حجاز حکماً اب بھی خلیفۂ قسطنطنیہ کی حکومت ہی کا ایک جزء ہے - اور تمام مسلمانان عالم کا شرعاً فرض ہے کہ حرمین کو باغیوں کے تصرف سے نکالنے کی کوشش کریں ' اور اسوقت تک کرتے رہیں جب تک بغاوت اور باغیوں کا بالکل استیصال نہو جاے - اگر ایسا نہ کرینگے تو ہر مسلمان اسکے لیے عند اللہ جوابدہ ہوگا -

تمام کرۂ ارضی کے مسلمان آرام و عیش کے دن بسر کرنے اور فارغ البالی کے بستر پر سونے کیلیے ہیں ' لیکن صرف وہی ایک ہیں جو سارے مسلمانوں کی عزت و زندگی کے بچاؤ کیلیے صدیوں سے تلواروں کے سایے تلے زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں ' اور چاروں طرف سے دشمنوں کی زد میں ہیں - کامل پانچ صدیوں سے یورپ اور ایشیا کا سب سے بڑا رقبہ انکے خون سے رنگین ہورہا ہے - ایک چوتھائی صدی بھی آجتک ایسی نہیں گزری کہ دشمنوں کی تلواروں نے انہیں مہلت دی ہو - انکا جرم اسکے سوا کچھہ نہیں کہ جب اسلام کا محافظ دنیا میں کوئی نہ رہا - ساری تلواریں ٹوٹ گئیں - سارے بازو شل ہوگئے - تو پانچ صدیوں سے وہ کیوں اسلام کے بچاؤ کیلیے باقی ہیں ؟ اور کیوں وہ وقت آنے نہیں دیتے جب اسلام کی پولیٹکل طاقت کا بالکل خاتمہ ہو جاے ؟

بدوستی تو خصمند عالمے بامن
هزار دشمن و یک دوست مشکل افتاده است !

پس تیرہ سو برس کے متفقہ عقیدۂ و عمل کے مطابق رهي آج تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام اور " اولو الامر " هیں - اُنکي اطاعت و حمایت اللہ اور اُسکے رسول کي اطاعت و حمایت هے - اُنسے پھرنا اور انکو اپنے جان و مال سے مدد نہ دینا ' اللہ اور اُسکے رسول سے پھرنا هے اور اللہ اور اسکے رسول کو اپني جان و مال کي طرف سے صاف جواب دیدینا هے - جو اُنکي اطاعت سے باهر هوا ' اگرچہ صرف بالشت بھر باهر هوا هو ' اور اسي حالت میں مرگیا ' اُسکی موت اسلامي زندگی کي موت نهوگي - جاهلیة کي موت هوگي - اگرچہ نماز پڑهتا هو ' اگرچہ روزہ رکھتا هو ' اگرچہ اپنے زعم باطل میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا هو - جس نے اُنکے مقابلہ میں تلوار اُٹھائي ' وہ مسلمانوں میں سے نہیں اگرچہ دنیا اُسکو مسلمانوں میں سے سمجھتی هو - اللہ اور اللہ کے رسول کی شہادت ' اُسکي شریعت کي اَن گنت اور بے شمار دلیلیں ' ایک هزار تین سو برس سے مانا هوا اسلام کا حکم و عقیدہ ' اسلام کي سیکڑوں نسلوں اور لا تعداد گھرانوں کا تعامل و اجماع ' اور سورج کي کرنوں کي طرح یقیني اور قطعي حقیقت ' یهي بتلا رهي هے اور هر مسلمان کے دل پر نقش هے - ایک مسلمان کیلیے (بشرطیکہ وہ ساري باتوں سے مقدم اپنے اسلامي تعلق کو سمجھتا هو ' اور دنیا سے ایک مومن اعتقاد و عمل ساتھہ لے جانا چاهتا هو) اس میں کسي طرح کے شک و شبہ کي گنجایش نہیں - جاهل سے لیکر عالم تک ' مزدور سے لیکر نظام دکن تک ' کوئي نہیں جس کا دل اس اعتقاد سے خالي هو - زندگي کا عشق اور نفس کي پرستش جس انسان سے چوري کرالیتي هے ' ڈاکے ڈلواتي هے ' قتل کراتي هے ' اُس انسان سے کیا بعید هے کہ آج کسي طمع یا خوف سے عثماني خلافت کا انکار کردے ' یا عثماني خلیفہ کي اطاعت و حمایت کے نام سے کانوں پر هاتھہ دھرنے لگے ؟ دنیا کي پوری تاریخ انساني کمزوریوں کي درد انگیز مثالوں سے لبریز هے - پس یہ کوئي عجیب واقعہ نہ هوگا اگر آج چند نئي مثالوں کا مزید اضافہ هوجاے - لیکن حقیقت هر حال میں حقیقت هے - اُس سے انکار کیا جا سکتا هے لیکن اُس کو چھپایا نہیں جاسکتا - اُس سے اغماض کیا جاسکتا هے ' لیکن اُس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا - اُس سے آنکھیں بند کرلي جاسکتي هیں لیکن اُس کي زبان بند نہیں کي جا سکتي !

هم یہاں قصداً ترکوں کي سیاسي و تمدني کارگزاریوں کي بحث نہیں چھیڑینگے - هم کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کي تمام حکمراں جماعتوں میں ترکوں هي کی جماعت وہ بد قسمت جماعت ہے ' جسکے لیے کوئي یوروپین دماغ منصف نہیں هوسکتا - یورپ کا پچھلا مورخ هو ' خواہ موجودہ عہد کا مدبر ' وہ گذشتہ عہد کے بدتر سے بدتر مسلمانوں کي مدح و توصیف کرسکتا ہے جو اب موجود نہیں هیں ' لیکن اُن ترکوں کي نہیں کرسکتا ' جنکي تلواریں پانچ صدیوں سے یورپ کے دل و جگر میں پیوست هونے کیلیے چمکتي رهي هیں - وہ خلافت بنو امیہ کي ایک بہتر تاریخ لکھہ سکتا ہے - عباسیہ کے دور علم و تمدن کي مدحت سرائي کرسکتا ہے - صلاح الدین ایوبي تک کو ایک بت کي طرح پوج لے سکتا ہے - لیکن وہ اُن ترکوں کیلیے کیونکر انصاف کرسکتا ہے جو نہ تو عرب پر قانع هوے ' نہ ایران و عراق پر- نہ شام و فلسطین کي حکومت اُنکو خوش کرسکي ' نہ وسط ایشیا کي ' بلکہ تمام مشرق سے بے پروا هوکر یورپ کي طرف بڑھے ' اسکے عین قلب (قسطنطنیہ) کو مسخر کرلیا ' اور اُسکي اندروني آبادیوں تک میں سمندر کي موجوں کي طرح در آے - حتی کہ دار الحکومت استریا کي دیواریں اُنکے جولاں قدم کي ترکتازیوں سے بارہا گرتے گرتے بچ گئیں !

ترکوں کا یہ وہ جرم ہے جو یورپ کبھي معاف نہیں کرسکتا - مسلمانوں کا کوئي موجودہ حکمراں خاندان اس جرم (فتح یورپ) میں انکا شریک نہیں ہے - اسلیے هر حکمراں مسلمان اچھا تھا جو یورپ کي طرف متوجہ نہوسکا ' مگر هر ترک وحشي و خونخوار ہے - اسلیے کہ یورپ کا طلسم سطوت اُسکي شمشیر بے پناہ سے ٹوٹ گیا -

ترکوں نے پانچ صدیوں تک جس آزادي و فیاضي کے ساتھہ حکومت کي ہے ' اُسکا ثبوت اس سے بڑھکر کیا هوسکتا ہے کہ چار صدیوں کي متصل حکمرانی کے بعد بھی محکوم عیسائیوں کی مذهبی و قومی عصبیت ویسی هي زندہ و توانا رهی ' جیسي کسي متعصب سے متعصب مسیحی حکومت کے ماتحت رهسکتی تھی - حتی کہ وہ ترکوں کی کمزوری کے ساتھہ هی آزاد و خود مختار هوگئے ' اور آج ایک حریف و مقابل کي طرح لڑ رہے هیں-

هندوستان میں برٹش گورنمنٹ کے پورے تسلط کو ابھی پورے سو سال بھی نہیں هوے - اتنے هی عرصہ کی حکومت نے قومي عظمت

و عصبیت کے جذبات ان لوگوں کے دلوں سے بھی کھینچ لیے ھیں جنکے آباؤ اجداد ساٹھہ ستر برس پہلے اسی سرزمین میں حکمراں تھے - صرف یہی ایک چیز یورپ کے طرز حکومت ' اور ترکوں کے طرز حکومت کا فرق واضح کر دینے کیلیے کافی ہے !

ترکوں کے وھم و خیال میں بھی ظلم و خونخواری کی وہ ھیبت ناک صورتیں اور قومی تعصب و نفرت کی وہ وحشت ناک ھلاکیاں نہیں آسکتیں ' جو یورپ کے تمدن و تہذیب کا مغرور بت عین انیسویں اور بیسویں صدی کے سورج کی روشنی میں ایشیاؤ افریقه کے اندر کرچکا ہے - ان دو صدیوں کے اندر جنگل کے درندے آرام کی نیند سوے ' اور سانپوں کو انکی غاروں سے باھر نہیں نکالا گیا ' لیکن ایشیاؤ افریقه میں یورپ کے ھاتھوں زمین کا ایک ٹکرہ بھی ایسا نه بچ سکا جسکو وھانکی بد بخت مخلوق اپنی زمین کہه سکے ' اور جہاں ایک مالک و مختار کی طرح امن و عزت کی زندگی بسر کرسکے !

خود اسی آخری جنگ میں یورپ کے ھر درندے نے دوسرے درندے کو جس طرح پھاڑا ' اور ھر سفید بھیڑیے نے دوسرے سفید بھیڑیے پر جس طرح پنجه مارا ' نه صرف ترکوں کی تاریخ میں بلکه تمام ایشیا کی خونریزیوں کی مجموعی تاریخ میں اسکی کوئی مثال نہیں ملسکتی -

با ایں همه ترک خونخوار اور وحشی ھیں ' اور یورپ تہذیب و تمدن اور امن و رحم کا پیغمبر ہے ! علی الخصوص برطانیه کے مقدس جزیرہ میں تو جس قدر فرشتے بستے ھیں ' وہ صرف انسانی آزادی کی حفـــاظت اور چھوٹی قوموں کی حمایت ھی کیلیے آسمان سے اتارے گئے ھیں !

یه کرۂ ارضی کی تاریخ میں حق وباطل کا سب سے بڑا مقابلـــه ہے - آج اسکی فتح و شکست کا اصلی فیصله نہیں ھوسکتا - زمین فوجوں کے بوجھه سے دبی ھوئی ہے - فضاء ھوائی جہازوں کی قطـــاروں سے بھری ھوئی - اسکا فیصله کل ھوگا جب خدا کا دائمی قانون نتائج و عواقب کی زبان میں حقیقت کا اعلان کریگا ' اور مورخ کا قلم لکھے گا که یه طاقت اور گھمنڈ کا سب سے بڑا چیلنج تھا جو سچائی کو دیا جاسکتا ہے - تا ھم سچائی ھی سب سے بڑی طاقت ہے - اور بالآخر فیصله اسی کا فیصله ہے - سنة الله في الذين

خلوا من قبل ' و لن تجد لسنة الله تبديلا (۳۳ : ۶۲)

بہر حال ہماری صحبت سے یہ موضوع باہر ہے - ترکوں کی حکمرانی جیسی کچھہ بھی رہی ہو - ہر ترک سلطان حجاج بن یوسف اور خالد قسری جیسے اشرار بنو امیہ سے بھی بد تر کیوں نہ رہا ہو (۱) لیکن مسلمانوں کو اپنے مسلمان حاکموں کی اطاعت کا ہر حال میں حکم دیا گیا ہے - اور انکا از روے شرع یہی عقیدہ ہے کہ وہ خلیفۂ اسلام ہیں - اسمیں کسی دوسرے کو دخل دینے کا حق نہیں :

---

(۱) آج ترکوں کی وحشت و تمدن کا فیصلہ علم و تحقیق کے ہاتھہ میں نہیں ہے - حریف حکومتوں کے اُن مغرور وزراء کے قبضہ میں ہے جو میدان جنگ سے واپس آکر اپنے ایک جنگی دشمن کی قسمت کا فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں - پس امید نہیں کہ ڈریپر (Draper) جیسے زمانہ حال کے مورخوں کی شہادت اس بارے میں سنی جاے - یہ امریکن مصنف اپنی مشہور کتاب History of The Couflict Between Religiuon And Seince میں لکھتا ہے کہ انصاف وعدالت اور مذہبی بے تعصبی میں اپنے عہد کی تمام عیسائی دنیا پر ترکوں کو وہی فوقیت رہی ہے جو چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کو تنزل یافتہ بیزنطائن پر حاصل تھی - ایڈورڈ کریسی نے تاریخ روم میں ترکوں کو تہذیب و تمدن اور علمی ایجادات و اختراعات کے لحاظ سے پندرھویں اور سولھویں صدی کے تمام یورپ میں سب سے برتر قوم تسلیم کیا ہے - وہ کہتا ہے کہ انسائیکلو پیڈیا کے قسم کی کتابیں لکھنے کا ترکوں ھی کی تقلید سے یورپ میں رواج ھوا - یورپ کی زبانوں میں سب سے پہلی انسائیکلو پیڈیا ڈالائمبرٹ (Dalambert) نے لکھی - لیکن اُسکو ایک ترک مصنف کلبی بے کی قاموس العلوم ھی کے مطالعہ سے رہنمائی ملی تھی - کمسریٹ ' رسد رسانی ' اور فوجی شفا خانوں کا با قاعدہ انتظام ' ترکوں ھی سے یورپ نے سیکھا - قلعہ کی تعمیرات میں تمام یورپ ترکوں کا شاگرد ہے - فوجی باجا تمام یورپ نے ترکوں سے حاصل کیا - چیچک کے ٹیکہ کا اصلی موجد ایک ترک تھا - یہ ڈریپر ' کریسی ' کنگدم ' کلفرڈ ' وغیرہ مورخوں کی تحقیق ہے جنھوں نے اپنے کتب خانوں میں بیٹھکر ترکوں کے اعمال پر نظر ڈالی تھی - قدرتی طور پر مسٹر ایسکویتھہ اور مسٹر لائڈ جارج کی راے اس سے مختلف ہونی چاھیے جو ابھی ابھی گیلی پولی اور عمارہ میں ترکوں کی تلوار کا کاری زخم کھا کر نکلے ھیں ' اور کتب خانوں کی جگہہ نظارت خانوں کے اندر فیصلہ کرنے بیٹھے ھیں !

نمي دانم ز منع گريه مطلب چيست ناصح را ؟
دل از من' ديده از من' آستين از من ' كنار از من !

فصل

(مسلمانان هند اور خلافت سلاطين عثمانيه)

جب تک بغداد کي خلافت باقي رهی ' هندوستان کے تمام حکمران خاندان اسي کے زير اثر اور فرمانبردار رهے - عباسيۂ بغداد کي خلافت جب مٹ گئي ' اور سنه ۶۶۰ ھ ميں مصر کي عباسي خلافت کا سلسله شروع هوا ' تو اگرچه يه عباسيه' کے کاروان رفته کا محض ايک نمود غبار تها ' تاهم تمام سلاطين هند اسکی حلقه بگوشي و غلامي کو اپنے ليے موجب فخر و امتياز سمجهتے رهے' اور مرکزي خلافت کي عظمت ديني نے مجبور کيا که اپني حکومت کو شرعي طور پر منوانے کيليے مقام خلافت سے پروانۂ نيابت حاصل کرتے رهيں - سلطان محمد بن تغلق شاہ کے غرور حکومت کا يه حال تها که مشهور مورخ ضياء الدين برني اسکو " همت فرعوني و نمرودي " سے تعبير کرنا چاهتا هے - تاهم اس معامله ميں زيادہ سے زيادہ غرور جو وہ کرسکا ' يهي تها که اپنے تئيں خليفۂ مصر کا سب سے بڑا فرمانبردار غلام اور چا کر ظاهر کرے' اور رعايا کو يقين دلاے که بلا اسکے حکم کے ميں تم پر حکومت نهيں کرتا - تاريخ برني ميں هے :

" امير المومنين خليفه را بنده ترين همه بندگان بود ' و بے امر و بے فرمان او دست در امور اولو الامري نه زد " (مطبوعه ايشياٹک سوسيٹي - صفحه - ۴۶۰)

برني نے سلطان فيروز شاہ کے فضائل و سوانح کيليے گيارہ مقدمے ترتيب دیے هيں - ان ميں نوراں مقدمه يه هے :

" مقدمه نهم در آنکه در کرت از حضرت امير المؤمنين خلعت اولو الامري و منشور اذن و لواء شاهي بر سلطان عصر فيروز شاہ رسيده ' و بادشاهي و اولو الامري خداوند عالم بدان استحکام گرفته "

پهر اسي مقدمه ميں لکهتا هے :

" در مدت شش سال دوکرت از امیرالمومنین منشور اولو الامری و خلعت شاهی و لواء سلطنت بدو رسید ' و حق جل و علی پادشاه دین پرور ما را در عزت داشت منشور و خلعت و فرستادگان توفیق بخشید ' و شرائط حرمت مراحم امیر المؤمنین بالغاً ما بلغ بجا آورد ' و هم چنین دانست که منشور و خلعت امیر المؤمنین از آسمان منزل شده ' و از درگاہ مصطفی صلعم رسیده - عرضداشتی با تحفه و هدایاء در نہایت تواضع بندگی امیر المؤمنین روان کرد " الخ (صفحه - ۵۹۸)

یعني سلطان فیروز شاہ کے فضائل و مفاخر میں سے ایک بڑي بات یه سمجھي گئي که خلیفۂ مصر نے اجازت حکومت کا پروانه اور لواء و خلعت بھیجا ' اور پادشاہ کو اسکي اطاعت و حرمت کي توفیق ملي - فیروز شاہ نے اس بات کي اس درجه قدر کي - گویا آسمان سے یه عزت نازل ہوئي ہے ' اور خود بارگاہ حضرت محمد الرسول الله صلعم سے اسکو قبولیت کی سند ملگئي ہے !

شمس الدین سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاہي میں یه واقعه زیادہ تفصیل سے لکھا ہے - جب خلیفه کے سفراء شہر کے قریب پہنچے تو فیروز شاہ خود استقبال کیلیے پیدل نکلا - فرمان خلافت کو دونوں ہاتھوں میں لےلیا - پھر بوسه دیکر سر پر رکھا ' اور اسی طرح سر پر دھرے ہوے دربار حکومت تک واپس آیا -

غور کرو! مقام خلافت کي عظمت و جبروت کا اثر کس درجه عالمگیر رہا ہے ؟ خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھي خلافت کی صرف براے نام نسبت اسدرجه ہیبت و جبروت رکھتي تھی که ہندوستان جیسے بعید گوشه میں ایک عظیم الشان فرمان رواے اقلیم ' اذن و اجازت حاصل ہوجانے پر فخر کرتا ہے - اور مٹنے پر بھی اس مقام کی عظمت تمام عالم اسلامی پر اسطرح چھائی ہوئی ہے که وہاں کا فرمان آسمانی فرمان ' اور وہاں کا حکم بارگاہ نبوت کا حکم سمجھا جاتا ہے !

مغلیه سلطنت خلفاء مصر کے آخري عہد میں قائم ہوئی - ہندوستان میں بابر شاہ کي قسمت آزمائیوں کا زمانه تھا جب سلطان سلیم خاں کے ہاتھه پر خلیفۂ متوکل عباسی نے بیعت کی اور حجاز و شام میں سلاطین عثمانیه کی خلافت کا اعلان ہوا - شاہان مغلیه اگرچه ہندوستان میں خود اپنے ہی کو

امام سمجھتے تھے ' اور باعتبار حکومت کے یہ حق آنہیں حاصل بھی تھا - تا ہم عام اسلامی خلافت کا انہوں نے کبھی دعوا نہ کیا - ہمیشہ عرب و شام کے مسلمہ خلفاء ہی کو خلیفہ تسلیم کرتے رہے - شہنشاہ اکبر اور شاہجہاں بھی اگر حج کیلیے جاتے ' تو انکو قسطنطنیہ کے خلیفہ ہی کی امارت میں حج ادا کرنا پڑتا - میدان عرفات میں وہ خود خطیب نہ ہوتے - قسطنطنیہ کا نائب السلطان خطبہ دیتا - وہ کھڑے ہوکر اسی طرح سنتے ' جس طرح ایک عام مسلمان انکے بغل میں کھڑا سن رہا ہوتا - شرعاً و عقلاً تسلیم خلافت کیلیے اس سے زیادہ اور کونسی بات ہوسکتی ہے ؟

بعض یوروپین اخبارات کے مشرقی نامہ نگاروں نے بار بار یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ترکی حکومت سے باہر ترکی خلافت کا اعتقاد زیادہ تر سلطان عبد الحمید خاں مرحوم کی سعی سے پیدا ہوا ' اور انکا مقصود اس سے یہ تھا کہ نام نہاد " پان اسلامزم " تحریک کو تمام مسلمانان عالم میں پھیلایا جاے - یہاں ہم یورپ کے متخیلۂ و متوہمہ " پان اسلامزم " کی حقیقت سے بحث کرنا نہیں چاہتے - " پان اسلامزم " سے اگر مقصود مسلمانوں کی بلا امتیاز وطن و قومیت باہمی برادری ہے ' تو اسکی تاریخ سلطان عبد الحمید کے زمانے سے نہیں بلکہ نزول قران و ظہور اسلام سے شروع ہوتی ہے - لیکن عثمانی خلافت کے عالمگیر اسلامی اعتقاد کو سلطان عبد الحمید سے منسوب کرنا ایک ایسی بات ہے جو یا تو حد درجہ جہل کا نتیجہ ہے یا حد درجہ دروغ گوئی کا - اور ہم نہیں جانتے کہ دونوں میں سے کس چیز کو محققین یورپ کیلیے پسند کریں ؟

سنہ ۹۲۳ھ میں جب بعہد سلطان سلیم خاں سلاطین عثمانیہ خلیفۃ المسلمین تسلیم کیے گئے ' تو اسوقت عالم اسلامی کا یہ حال تھا کہ ایران میں سلاطین صفویہ کی حکومت تھی ' ہندوستان میں مغلیہ کی ' اندرون یمن میں آئمۂ زیدیہ کی ' اور اندرون عرب میں خود مختار قبائل اور بعض شیوخ کی - پس جہاں جہاں اسلامی حکومتیں موجود تھیں ' وہاں کے مسلمانوں کی اطاعت و انقیاد کا محل و مرکز خود مقامی اسلامی حکومت ہوگئی تھی ' اور احکام شرعیہ کے نفاذ و اجراء کیلیے بھی وہ کسی بیرونی حکومت کے محتاج نہ تھے - اس بنا پر ظاہر ہے کہ ان ممالک میں مرکزی خلافت کا تعلق کسی نمایاں شکل میں یکایک ظاہر نہیں ہوسکتا تھا - سلطنت کے رقیبانہ جذبات بھی اپنی انتہائی حالت میں سب پر چھاے ہوے تھے -

صدیوں پہلے سے تفرقۂ و انتشار کی عالمگیر مصیبت تمام عالم اسلامی کو ٹکڑے ٹکڑے کرچکی تھی - لیکن ان ممالک کے علاوہ جہاں کہیں بھی مسلمان آباد تھے اور اپنی مقامی اسلامی حکومت نہیں رکھتے تھے، وہ اگرچہ ترکی حکومت سے کتنے ہی دور دراز گوشوں میں واقع ہوں، لیکن عثمانی سلاطین ہی کو اسلام کی مرکزی خلافت عظمیٰ پر قابض و متصرف تسلیم کرتے تھے، اور اسی لیے جمعۂ و عیدین کے خطبوں میں انکے لیے خاص طور پر دعا مانگنا اپنا فرض سمجھتے تھے - خود ہندوستان کے قرب و جوار اور بحر چین کے جزائر میں مسلمانوں کا ایک ایک فرد خلیفۂ قسطنطنیہ کی اس حیثیت دینی کا پورا پورا اعتقاد رکھتا تھا -

جزائر سیلون ہندوستان ہی کا ایک بحری گوشہ ہیں - سنہ ۱۱۷۵ھ (سنہ ۱۷۶۱ع) میں دکن کے ایک مشہور عالم سید قمرالدین اورنگ آبادی حج سے واپسی میں کولمبو پہنچے اور وہاں کی سیر کی - میر غلام علی آزاد بلگرامی اُنکے معاصر ہیں - اپنی کتاب سبحۃ المرجان میں اُنکی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ساحلی مقامات میں فرنگیوں کی حکومت ہے - اندرونی جزائر میں ہندو راجہ ہے - کولمبو میں مسلمانوں کے دو محلے ہیں - جمعہ کی نماز تین مرتبہ سید موصوف نے وہاں پڑھی - خطبہ میں امام نے پادشاہ ہند اور سلطان روم کیلیے دعا مانگی تھی " لکونہ خادما للحرمین الشریفین " یعنی اسلیے کہ وہ خادم حرمین ہیں - (سبحۃ المرجان مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۳)

یہ اب سے ڈیڑہ سو برس پیشتر کا واقعہ ہے - سیلون کے جزیروں میں اگر مسلمان ایک غیر مسلم حاکم کے ماتحت رہکر شاہ ہند کا ذکر کرتے تھے، تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی - ہندوستان بالکل انسے متصل تھا - لیکن قسطنطنیہ کے سلطان کیلیے دعا مانگنا جو بحر ہند سے اسقدر بعید فاصلہ پر واقع ہے، کیا معنی رکھتا ہے ؟ کیا اسکے سوا کوئی معنی ہوسکتے ہیں کہ تمام عالم اسلامی میں وہی خلیفۃ المسلمین ہے، اور اسلیے گو اور بھی بہت سی اسلامی حکومتیں موجود ہوں، مگر ہر گوشۂ عالم کے مسلمانوں کے دلی تعلق و اطاعت کا اصلی مرکز صرف وہی ہوسکتا ہے ؟

صاحب تحفۃ العالم چین کوچک کے ایک سیاح سے اپنی ملاقات کا حال لکھتے ہیں جس نے عجیب عجیب جزیروں اور وہاں کے رسم و رواج کا مشاہدہ کیا تھا - " چین کوچک " سے مقصود بحر چین کے جزائر سماترا،

ملایا ٬ جاوا ٬ وغیرہ ھیں - سیاح مذکور کہتا ھے کہ اکثر جزائر میں مسلمان آباد ھیں اور مسجدیں معمور ھیں - جمعہ کے خطبوں میں سلطان روم کیلیے دعا مانگتے ھیں اور وھاں کے حالات سے اچھي طرح باخبر ھیں - یہ واقعہ بھی بارھویں صدي ھجري کے اوائل کا ھے -

باقی رھا یہ خیال کہ ھندوستان کے مسلمانوں میں سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا اعتقاد حال کی پیداوار ھے ٬ تو یہ بھی صحیح نہیں - یہ ظاھر ھے کہ جب تک خود ھندوستان میں اسلامی حکومت قائم تھی ٬ کسی بیرونی اسلامی حکومت سے مسلمانوں کو بلا واسطہ تعلق رکھنے کی ضرورت ھی پیش نہ آئی - البتہ سلطنت مغلیـــہ کے انقراض کے بعد وہ مجبور ھوگئے کہ بلا واسطہ خلافت قسطنطنیہ سے اپنا رشتۂ انقیاد و عقیدت قائم کرلیں - تا ھم اسلام کي مرکزي خلافت پر سلاطین عثمانیہ کا قابض ھونا ایک ایسي مسلم و معروف بات ھے جو ھمیشہ علماء ھند کے علم و اعتقاد میں رھي ھے - حضرۃ شاہ ولی اللہ کا سال وفات سنہ ۱۱۷۴ ھجري ھے - اُنکا زمانہ احمد شاہ ابدالي کي آمد و رفت کا زمانہ تھا اور ھندوستان میں اسلامي حـــکومت ابھي قائم تھي - انھوں نے تفہیمات الاھیہ میں دو جگہ سلاطین روم کا ذکر کیا ھے - ایک جگہ لکھتے ھیں :

" از زمان سلطان سلیم خان کہ در اوائل سنہ الف بود ٬ اکثر بلاد عرب و مصر و شام تحت تصرف سلاطین روم اند ٬ و خدمت حرمین الشریفین زادھما اللہ شرفاً وکرامۃ ٬ و امارت موسم ٬ و ریاست حجاج ٬ و اھتمام محامل و قوافل بر ایشان استقرار یافت ٬ و بہ ھمین جھت بر منابر عرب و شام خصوصاً حرمین شریفین ھر یکے از ایشان بہ لقب امیر المومنین مذکور ست "

یمن میں اگرچہ آئمۂ زیدیہ سلاطین عثمانیہ کے رقیب و حریف تھے ٬ اور انھوں نے اندرون ملک میں کبھي اُنکي حکومت جمنے نہ دي - با این ھمہ گیارھویں سے تیرھویں صدي تک کے علماء یمن کي مصنفات کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ھے ٬ اُن سے پوشیدہ نہیں کہ اکثروں نے سلاطین عثمانیہ کي مرکزي حیثیت تسلیم کي ھے جس کے معني بجز خلافت اسلامیہ کے اور کچھہ نہیں ھوسکتے - علامۂ صالح مقبلي صاحب العلم الشامخ المتولد سنہ ۱۰۴۷ ٬ علامۂ فلاني صاحب ایقاظ الھمم ٬ شیخ عبد الخالق زبیدي صاحب صفوۃ الاخبار وغیرھم اپني کتابوں میں جا بجا ترکي گورنروں کے جبر و ستم کی شکایتیں

کرتے ھیں ' مگر ساتھہ ہي سلاطین عثمانیہ کا ذکر ایسے پیرایہ میں کرتے ھیں جس سے اُنکی اسلامی خلافت و امامت کا مسلمہ ہونا ثابت ہوتا ہے - مثلاً سلطان کو مخاطب کرکے یہ کہنا کہ جو شخص آج روے زمین پر تمام مسلمانوں کا خلیفۂ و امام کہلاے ' اس کے گورنر اس طرح رعایا کے ساتھہ سلوک کریں ؟ جسکے صاف معني یہي هیں کہ سلاطین عثمانیہ تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام تسلیم کیے جاتے تھے -

یہ موقعہ مزید اطناب و تفصیل کا نہیں ہے - سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا زمانہ هزار صدی کے بعد شروع هوتا هے - پس اگر اسکا ذکر ملسکتا هے تو پچھلی تین صدیوں کي مصنفات میں - چونکہ ان عہدوں کی تصنیفات عام طور پر علماء هند کے مطالعہ میں نہیں آئي هیں' اسلیے مسئلہ کے تاریخي شواهد سے عموماً لوگ بے خبر هیں - تلاش کیا جاے تو ایک بڑا ذخیرہ فراهم هو جا سکتا هے -

خود یورپین حکومتیں علی الخصوص برٹش گورنمنٹ سلطان عثمانی کي اس دینی حیثیت کا همیشه اقرار کرتي آئي هے ' اور جب کبھی ضرورت هوئي هے' قسطنطنیہ کی طاقت سے بہ حیثیت خلیفۂ اسلام کے کام لیا گیا هے - غدر سنہ ۵۷ کے موقعہ پر سلطان عبد المجید سے جو فرمان مسلمانان هند کے نام حاصل کیا گیا تھا اور جسمیں انکو انگریزي حکومت کے ساتھہ بہتر سلوک کرنے کی هدایت کي تھي ' اُسکی بنا بھي یہی تھی کہ سلطان قسطنطنیہ کو بہ حیثیت خلیفۂ اسلام مسلمانان هند کی ارشاد و هدایت کا حق حاصل هے - کوئین وکٹوریا کے عہد میں بارها حج اور حاجیوں کي مشکلات کا سوال گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے اُٹھایا گیا ' اور پھر امپیریل گورنمنٹ نے باب عالي کو اس احتجاج کے ساتھہ توجہ دلائي کہ بہ حیثیت خلیفۂ اسلام هونے کے حجاج کی تکالیف دور کرنا اُنکا مذهبی فرض هے - فرانس اور روس کی جانب سے بھی سلطان عبد الحمید خان کے زمانے میں متعدد مرتبہ ایسے اظہارات و اعترافات هو چکے هیں -



فصل

(قرون متوسطۂ و اخیرہ میں مرکزی حکمرانی)

ہم نے جا بجا " اسلام کی مرکزی حکمرانی " اور " خلافت عظمی " کا لفظ استعمال کیا ہے - تشریح اس اجمال کی یہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام کا محور و اساس مسئلۂ " توحید " ہے - " توحید " کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہونا - صرف اللہ کی ذات و صفات ہی میں یہ حقیقت محدود نہ تھی جیسا کہ بد قسمتی سے لوگوں نے سمجھہ رکھا ہے ' بلکہ عقائد و اعمال کی ہر شاخ اور ہر شکل میں اسلام کا اصل الاصول توحید ہی ہے - وہ مسلمانوں کی تمام اُن باتوں میں جو فرد و اجتماع سے تعلق رکھتی ہیں ' ایک کامل توحیدی حالت پیدا کردینی چاہتا ہے - جس طرح خدا کی ذات کی طرح اُس کی خلقت اور قوانین خلقت میں بھی ہر چیز پر اور ہر جگہ یگانگی و یک عملی اور وحدت و واحدیۃ کار فرما ہے - ما تری فی خـلق الرحمن من تفاوت - فارجع البصر' هل تری من فطور؟ (ملک)

اس بنا پر اسـلام نے جس طرح مسلمـانوں کی ساری باتیں ایک قرار دی تھیں - اُنکی شریعت ' اُنکا قانون ' اُنکی کتاب ' اُنکا نام ' اُنکی زبان ' اُنکی قومیت ' اُنکا قبلہ ' اُنکا کعبہ ' اُنکا مرکز اجتماع ' مرکز ارض ' اُسی طرح اُنکی حکومت بھی ایک ہی قرار دی تھی - یعنی تمام روے زمین پر مسلمانوں کا صرف ایک ہی فرمانرواء و خلیفہ ہو - لیکن جہاں ساری باتوں میں انحراف اور تفرقۂ و انتشار ہوا ' وہاں یہ بات بھی جاتی رہی - خلفاء راشدین کے بعد صرف بنو امیہ کے ابتدائی عہد تک وحدۃ حکومت نظر آتی ہے - اُسکے بعد کوئی زمانہ ایسا نہ آیا جب تمام عالم اسلامی کی حکومت کسی ایک طاقت میں جمع رہی ہو - مختلف گوشوں میں مختلف دعویدار اُٹھے اور جسکا قدم جہاں جم گیا ' خود مختارانہ فرمانروائی کرنے لگا -

با ایں ہمہ ایک خاص مرکزی اقتدار ہر زمانے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور مورخ کی بصیرۃ محسوس کرلیتی ہے کہ اس تفرقۂ و انتشار کی عام سطح میں ایک مرکزی قوت اُبھری ہوئی ہے - اسلامی حـکومتیں ہر

گوشۂ عالم میں قائم ہوگئی تھیں، مگر ہمیشہ ایک خاص مقام ایسا ضرور رہا جہاں کی حکمرانی دنیا کی تمام اسلامی حکمرانیوں میں ایک مرکزی اقتدار کی حیثیت رکھتی تھی - دوسرے مقامات کے فرمانروا اپنے دائرۂ حکومت سے باہر کوئی اثر نہیں رکھتے تھے، لیکن وہاں کا حکمراں تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک خاص کشش و دعوۃ اپنے اندر رکھتا تھا - یہ بلاد شام و عراق اور عرب و حجاز کی حکومت تھی - عرب اسلام کا اصلی سرچشمہ و مبدء ہے - حجاز اسلامی قومیت کا دائمی مرکز اور اسلام کے رکن حج کا کارگاہ ہے - شریعت نے عرب ہی کو یہ شرعی خصوصیت دی ہے کہ ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے اثر سے محفوظ رکھی جائے - شریعت کے اس حکم کی تعمیل بغیر حکومت کے ممکن نہیں - جو حکومت اس پر قابض ہوگی، وہی اس شرعی حکم کی تعمیل و نفاذ کی ذمہ دار اور اقامۃ حج کی بھی کفیل ہوگی - پس قدرتی طور پر یہ بات ہوئی کہ یہاں کی حکومت کو تمام اسلامی حکومتوں میں مرکزی اقتدار اور تمام مسلمانان عالم کے قلوب کیلیے ایک انجذابی اثر حاصل ہوجائے - اسلام کے ازمنۂ متوسطۂ و اخیرہ میں یہی مرکزی اقتدار خلافت عظمیٰ کا قائم مقام تھا - خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھی ان مقامات کی حکومت خلفاء مصر ہی کے قبضہ میں رہی -

" مرکزی حکومت " سے مقصود یہی مرکزی اقتدار ہے - خلفاء مصر کے بعد جب سلاطین عثمانیہ تمام بلاد عرب و حجاز اور مصر و شام پر قابض ہوگئے تو اسلامی خلافت عظمیٰ کا مرکزی اقتدار بلا نزاع انہی کو حاصل ہوگیا - یہی وجہ ہے کہ ہزار صدی کے بعد سے تیرھویں صدی کے اوائل تک اگرچہ بڑی بڑی اسلامی حکومتیں دنیا میں قائم رہیں، لیکن خلافت عظمیٰ کے اعتقاد کے ساتھ جب کبھی کسی مسلمان کی نظر اٹھتی تو وہ صرف قسطنطنیہ ہی کی طرف دیکھ سکتا تھا -

فصل

(ترکان عثمانی اور عالم اسلامی)

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس پوری تاریخ سے قطع نظر کرلیں - صرف اس اعتبار سے مسئلہ پر ایک آخری نظر ڈالیں کہ احکام شرعیہ کی بنا پر سلاطین

عثمانیہ کے اعمال خلافت کا کیا حال رہا ہے؟ بحث کا یہ سب سے زیادہ قطعی اور سب سے زیادہ سہل فیصلہ ہوگا -

اسلام نے خلیفہ کے نصب و تقرر کے خاص مقاصد قرار دیے ہیں - پچھلی پانچ صدیوں کے اندر متعدد اسلامی حکومتیں دنیا میں موجود تھیں اور بعض ابتک موجود ہیں - قوم و جماعت کے اعتبار سے متعدد مسلمان قوموں میں حکومت رہی اور بعض حکمراں قومیں اب بھی باقی ہیں - سوال یہ ہے کہ ان تمام حکمراں جماعتوں میں کونسی حکومت ایسی ہے جسنے شریعت کے ٹھہرائے ہوے مقاصد خلافت انجام دیے؟ اور جو غرض شرعی خلیفہ کے قیام اور بحکم " الذین ان مکنا هم في الارض " الخ تمکین فی الارض سے تھی" وہ انکے ہاتھوں پوری ہوئی؟ جس حکومت اور جس حکمراں قوم نے ایسا کیا ہو، صرف وہی حکومت اور قوم تمام مسلمانان عالم کی خلافت و امامت کا دعوا کر سکتی ہے -

اس اہم سوال کا فیصلہ چند سطروں میں ہو جا سکتا ہے - " خلافت اسلامیہ " کا مقصد شرعی پچھلی صحبتوں میں صاف ہوچکا ہے - سب سے پہلا مقصد اس کا یہ ہے کہ ایک ایسی طاقتور حکومت قائم ہو جو دشمنوں کے حملوں سے اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی حفاظت کرسکے - اسلام و ملت کے دشمنوں کا استیصال و انسداد ہو - کلمۂ حق دنیا میں بلند اور دور دور تک جاری و نافذ ہو جائے - کلمۂ کفر و فساد کو خسران و ناکامی نصیب ہو - یہی مقصد پہلا مقصد ہے - باقی سب فروع و توابع ہیں -

یہی وجہ ہے کہ تمام کتب عقائد و اصول میں خلافت کی تعریف کرتے ہوے " اقامة الدین باقامة ارکان الاسلام ، و القیام بالجهاد ، و حفظ حدود الاسلام ، و ما یتعلق به من ترتیب الجیوش و الفرض للمقاتلة " کے جملے سب سے پہلے ملتے ہیں - یعنی وہ مسلمانوں کی ایسی حکومت ہے جو ارکان اسلام کو قائم رکھے، جہاد کا سلسلہ ؤ نظام درست کرے، اسلامی ملکوں کو دشمنوں کے حملوں سے بچائے، اور ان کاموں کیلیے فوجی قوت کی ترتیب اور لڑائی کا سامان وغیرہ جو کچھہ مطلوب ہو، اسکا انتظام کرے - مختصر یہ کہ اسلام کا خلیفہ وہ حکمراں ہوسکتا ہے جو اسلام و ملت کیلیے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دیسکے - ساری باتیں ان دو لفظوں میں آگئیں -

اب فیصلہ کرلو کہ گذشتہ چار صدیوں کے اندر کس حکومت اور کس قوم نے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دی ہے؟

اسلام کا جب ظہور ہوا ' تو دشمنوں کی پہلی جماعت قریش مکہ کی جماعت تھی - اُنکے مٹ جانے کے بعد اس پوری تیرہ صدیوں میں صرف عیسائی قومیں ہی مسلمانوں کی دائمی حریف رہی ہیں - دوسری غیر مسلم قوموں میں سے کوئی قوم ایسی نہ تھی جس میں اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا داعیہ ہو - ایران کی مجوسی قوت کا ابتدا ہی میں خاتمہ ہوگیا تھا - یہودیوں کی کوئی پولیٹکل قوت نہ تھی - ہندوستان کے ہندوؤں اور بدھہ مذہب کے پیروؤں نے ہندوستان سے نکل کر کبھی مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا اور نہ ان میں کوئی داعیانہ قوت تھی - چین کے تاتاری آئے اور بلا شبہ سب سے بڑی ہلاکت کا باعث ہوئے لیکن بالآخر خود اسلام کے محکوم ہوگئے - یعنے ایک صدی کے اندر ہی اندر مسلمان ہوگئے -

پس تمام روے زمین پر بجز مسیحی اقوام کے اور کوئی حملہ آور حریف اسلام کا نہ تھا - نہ ہے - مشرقی عیسائیوں کی قوت ابتدا ہی میں شکست ہوگئی تھی - صرف یورپ کی حکومتیں اور قومیں تھیں جنکو خواہ مسیحیت کے نام سے موسوم کرو خواہ یورپ کے نام سے - یہی آخری چار صدیاں ہیں جن میں بتدریج یورپ کی طاقت ترقی کرتی گئی ' اور اُسکی ترقی کا دوسرا رخ یہ تھا کہ اسلام کی پولیٹکل طاقت کو روز افزوں تنزل ہوا -

تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں میں سے کونسی قوم ہے جس نے اِن چار صدیوں کے اندر یورپ کا مقابلہ کیا ہے ' اور دفاع و جہاد جاری رکھکر اسلام اور مسلمانوں کی اُس کے سب سے بڑے حریف کے مقابلے میں حفاظت کی ہے ؟ سولھویں صدی عیسوی ہی میں یورپ کی اُن تمام طاقتوں نے جو مشرقی ممالک کے دروازوں سے قریب تھیں ' بتدریج قدم بڑھانا شروع کردیا تھا - اگر کوئی طاقتور اور مقاوم روک موجود نہ ہوتی تو ابسے دو صدی پیشتر ہی تمام وسط ایشیا ' شام ' عرب ' اور اسلامی افریقہ یورپ کے استیلاء سے پامال ہوچکا تھا -

پھر وہ کونسی نا قابل تسخیر فوجی قوت تھی جس نے پہلے تو اپنے پے درپے حملوں سے تمام یورپ کو اس طرح پامال کردیا کہ پوری دو صدیوں تک سنبھلنے اور قدم اُٹھانے کی مہلت ہی نہ دی ' اور پھر تمام ایشیا و

بلاد اسلامی کے عین دروازہ پر مغربی مدافعت کی ایک آهنی دیوار قائم کردی، اور اس طرح حکم جہاد کے دونوں فرض بہ یک وقت تن تنہا انجام دیے - ہجوم بھی - اور دفاع بھی ؟

کیا هندوستان کی سلطنت مغلیہ نے جس نے اپنی پوری تاریخ میں ایک بار بھی هندوستان سے قدم باهر نہ نکالا ؟ اور جسکی تلوار پانچ صدیوں کے اندر ایک مرتبہ بھی کسی حریف ملت کے خون سے رنگین نہ ہوئی ؟ عین اکبر اعظم کے زمانے میں هندوستان کے حاجیوں کو پرتگالیوں اور ڈچوں کے جرگے ساحل هند کے سامنے لوٹ رهے تھے اور وہ اُنکے انسداد سے عاجز تھا !

کیا ایران کے سلاطین نے، جنکے عقبی حملوں نے همیشہ سلاطین عثمانیہ کو مجبور کیا کہ یورپ کا فتح مندانہ اقدام ترک کرکے ایشیاء کی طرف متوجہ هوجائیں - جسکی وجہ سے یکایک یورپ کو ترکی تلواروں سے مہلت ملگئی اور تمام وسط یورپ فتح هوتے هوتے رهگیا ؟

کیا یمن کے خود مختار قبائل اور عرب آئمہ نے، جنکو اسلام کے اس سب سے بڑے حریف کا شاید حال بھی معلوم نہ تھا ؟

هر انسان جو دو اور دو کو صرف چار هی کہنا چاهتا هو، اسکا اقرار کریگا کہ بجز سلاطین عثمانیہ اور ترکوں کے مسلمانوں کی کوئی حکومت اور قوم نہیں هے جس نے قرون اخیرہ میں حفظ اسلام و ملت کی یہ خدمت انجام دی هو - اور جو فرض تمام مسلمانان عالم کے ذمے عائد هوتا تھا، اُسکو سب کی طرف سے تن تنہا اُٹھا لیا هو ؟

حقیقت یہ هے کہ ترکوں کا یہ وہ عظیــــم الشان کارنامہ هے جسکی نظیر قرون اولی کے بعد مسلمانوں کی کسی حکمراں قوم کی تاریخ پیش نہیں کرسکتی - صرف صلاح الدین ایوبی کی دعوۃ اس سے مستثنی هے جس نے تمام یورپ کے متعدد مسیحی جہاد کو شکست دی - تاهم وہ بھی ایک محدود زمانے کا دفاع تھا - مسلسل تین چار صدیوں تــک صرف ترکوں هی کی اسلامی مدافعت قائم رهی هے - ان پوری چار صدیوں میں تمام روے زمین کے مسلمان اپنے سب سے بڑے قومی فرض سے غافل رهے - کسی قوم نے ایک زخم بھی اس مقدس راہ میں نہیں کھایا - کسی پادشاہ نے ایک قدم بھی اسکے لیے نہیں اُٹھایا - صرف تن تنہا ترک هی دنیا بھر کے

مسلمانوں کی جانب سے یہ پورا کام انجام دیتے رہے - انہوں نے تمام مسلمانان عالم کو عیش و راحت کے بستروں پر چھوڑ دیا - خود اپنے لیے خاک و خون کی دائمی زندگی پسند کی - ان قرون اخیرہ میں اگر ترکوں کی جانفروش و سرباز جماعت تن تنہا اس فرض کو نہ سنبھال لیتی ، تو نہیں معلوم آج جغرافیۂ عالم میں مسلمانوں کی آبادیوں کا کیا حال ہوتا ؟ اور جو مصیبت اسوقت درپیش ہے ، وہ کب کی آچکی اور مسلمانوں پر سے گزر چکی ہوتی ؟ تمام دنیا کے مسلمانوں پر ترکوں کا یہ وہ احسان عظیم ہے کہ اگر اسکے معاوضہ میں مسلمانان عالم اپنا سب کچھہ ان پر سے قربان کردیں ، جب بھی انکے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتے - اگر گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے پادشاہتیں کی ہیں تو صرف انہی کی بدولت ، اور اگر آج پادشاہتیں کھوکر بھی کچھہ نہ کچھہ عزت کی پونجی اپنے ساتھہ رکھتے ہیں تو صرف انہی کی بدولت - مسلمان خواہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو ، چین میں ہو یا افریقہ کے بعید گوشوں میں ، لیکن صدیوں سے اسکی قومی زندگی ، قومی عزت ، قومی عیش و آرام ، اور وہ سب کچھہ جو ایک قوم کیلیے ہے اور ہوسکتا ہے ، صرف ترکوں ہی کے طفیل ہے اور انہی کا بخشا ہوا -

یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا فرض ہوا کہ ترکوں کی مدد کریں - لیکن ترکوں کیلیے یہ کچھہ ضروری نہیں کہ وہ هندوستان یا افریقہ میں بانٹنے کیلیے روپیہ بھیجتے رہیں - وہ چار صدیوں سے وہ کام انجام دے رہے ہیں جسکے تصور سے بھی ہم مسلمانان هند کے دل کانپ اٹھتے اور جسکے وہم ہی سے ہم پر موت طاری ہوجاتی ہے - یعنے اپنی جانیں اسلام کی حفاظت کی راہ میں قربان کررہے ہیں - اس سے بڑھکر اور کونسا کام ہے جو اسلام اور مسلمانوں کیلیے کیا جاسکتا ہے ؟ اور اسکے بعد کیا رهگیا جسکی طلب اور سوال ہو ؟ بہت ممکن ہے کہ کسی دوسرے حصے کے مسلمانوں نے ترکوں سے زیادہ نمازیں پڑھی ہوں ، لیکن نماز کے قیام کی راہ میں انسے زیادہ اپنا خون کسی نے نہیں بہایا - بہت ممکن ہے کہ عرب اور هندوستان کے مسلمانوں کی زبانوں نے انسے زیادہ قرآن کی تلاوت کی ہو ، لیکن قرآن کی حفاظت کی راہ میں چار سو برس سے زخم صرف انہی کے سینے کہا رہے ہیں - اگر اللہ کی شریعت حق ہے ، اگر قرآن و سنت کا فیصلہ باطل نہیں ، تو ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ دوسرے ملکوں کے ہزاروں عابد و زاهد

مسلمانوں سے جنکے دلوں میں کبھی جہاد في سبيل اللہ کا خطرہ بھی نہیں گذرتا ' ترکوں کا ایک گناہگار و معصیت آلود فرد بھی اللہ کے آگے کہیں زیادہ فضلیت و محبوبیت رکھتا ہے - ہماری مدۃ العمر کی عبادتیں بھی اُنکے سینے کے ایک خونچکاں زخم اور اس سے بہنے والے ایک قطرۂ خون کی عظمت نہیں پاسکتیں - حدیث ہے کہ " حرس ليلة في سبيل الله افضل من الف ليلة يقـام ليلها و يصام نهارها " (۱) جہاد في سبيل اللہ کی ایک رات ہزار دنوں کے روزوں اور ہزار راتوں کی عبادت سے بھی افضل ہے ! حضرت عبد اللہ بن مبارک نے حضرۃ فضیل بن عیـاض کو ایک مرتبہ یہ اشعار لکھکر بھیجے تھے :

يا عـابد الحـرمين لو ابصرتنـا * لعلمت انک في العبادة تلعب !
من كان يخضب خده بـدموعـه * فنحـورنا بدمـائنـا تتخضب !
ريح العبير لكـم ' و نحن عبيـرنا * رهج السنابک والغبار الا طيب (۲)

جو مسلمان یورپ کے مسیحی و سیاسی اثر سے مختل ہوکر ترکوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں ' اُنکو چاہیے کہ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں کہ صدیوں سے اُنکی منافقانہ غفلت و اعراض کا کیا حال رہا ہے ؟ علی الخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کو (جو تعداد میں ہر جگہ کے مسلمانوں سے زیادہ ہیں) غور کرنا چاہیے کہ جس اولین فرض دینی کیلیے ترک چار سو برس

---

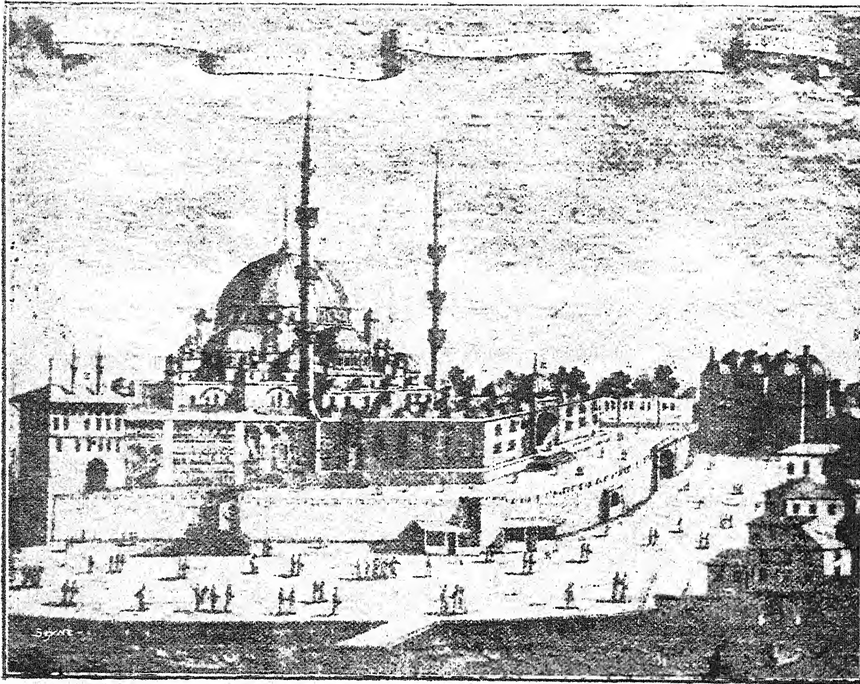
(۱) اخرجه الامام احمد عن مصعب بن زبير -

(۲) حافظ ابن عساکر نے امام موصوف کے ترجمہ میں یہ اشعار نقل کیے ہیں - امام موصوف ایک سال درس حدیث دیتے ' ایک سال تجارت کرتے ' ایک سال جہاد میں شرکت فرماتے - حضرۃ فضیل اُس عہد کے مشہـور عباد و زہاد میں سے ہیں - حاصل ان اشعار کا یہ ہے " اے حرمین کے گوشہ نشین عابد ! اگر تو نے ہمارا حال دیکھا ہوتا تو معلوم کر لیتا کہ جس زہد و عبادت میں مشغول رہتا ہے وہ تو ایک طرح کا کھیل ہے - جو شخص اپنے رخسار آنسوؤں سے (عبادت میں) تر کرتا ہے ' اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری عبادت وہ ہے جسمیں رخسار آنسوؤں سے نہیں بلکہ گردنیں خون سے رنگین ہوا کرتی ہیں " ! حضرۃ فضیل نے جب یہ اشعار پڑھے تو اُنکی آنکھیں اشکبـار ہوگئیں اور فرمایا " صدق ابو عبد الرحمن " عبد اللہ بن مبارک نے سچ کہا !

سے اپنا خون بہا رہے ہیں ' انہوں نے اسکے لیے کیا کیا ؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ کبھی کبھار چند لاکھہ سکے ترک زخمیوں کی مرہم پٹی کیلیے بھیجدیے جو ایک ترک بیوہ کی مصیبت اور ایک ترک یتیم کے آنسوؤں کی قیمت بھی نہیں ہوسکتے ؟ کیا ایسے لوگوں کو جو اپنی راتیں فارغ البالی کے بستروں پر اور دن آرام و بے فکری کی چھتوں کے نیچے بسر کرتے ہوں ' یہ حق پہنچتا ہے کہ ان لوگوں پر زبان طعن کھولیں جو چار سو برس سے اپنی لاشیں خاک و خون میں تڑپا رہے ہیں ؟

بہر حال منصب خلافت کا پہلا مقصد قیام دفاع و جہاد ہے - وہ پچھلی چار صدیوں میں بجز ترکوں کے اور کسی اسلامی حکومت نے انجام نہیں دیا - پس اگر اور دلائل و شواہد نہ ہوتے ' جب بھی صرف یہی ایک بات سلاطین عثمانیہ کی خلافت و امامت کیلیے کفایت کرتی تھی -

اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تمام مبحث اس سوال سے تعلق رکھتا تھا کہ گذشتہ صدیوں میں متعدد اسلامی حکومتوں کے رہتے ہوے سلاطین عثمانیہ ہی کیوں خلافت عظمی کے حقدار تسلیم کیے گیے ؟ لیکن موجودہ زمانے میں جبکہ تمام اسلامی حکومتیں مٹ چکی ہیں ' مسلمانان عالم کیلیے بجز سلطان عثمانی کے کسی دوسری خلافت کا وجود ہی نہیں رہا -



ایڈریا نوپل کی جامع سلیم کا بیرونی منظر !

باب

(فریضۂ عظیمۂ دفاع)

فصل

(حقیقت حکم دفاع)

اسلام کے شرعي واجبات و فرائض میں ایک نہایت اہم اور اکثر حالتوں میں ایمان و کفر تک کا فیصلہ کردینے والا فرض " دفاع " ہے -

تشریح اسکي یه ہے که جب کبھي کسي مسلمان حکومت یا کسي مسلمان آبادي پر کوئي غیر مسلم گروه حمله کرے ' تو یکے بعد دیگرے تمام دنیا کے مسلمانوں پر شرعاً فرض ہوجاتا ہے که دفاع (ڈیفنس - Difence) کیلیے اُٹھه کھڑے ہوں' اس حکومت اور آبادي کو غیر مسلم قبضه سے لڑکر بچائیں ' اگر فوري قبضه ہوگیا ہے تو اس سے نجات دلائیں ' اور اس کام کیلیے اپني ساري قوتیں اور ہر طرح کي ممکن کوششیں وقف کردیں - اس بارے میں قرآن و حدیث کے احکام اس کثرت سے موجود ہیں ' اور اسلامي فرائض میں یه اسدرجه مشہور فرض ہے ' که شاید ہي دنیا میں کوئي مسلمان اس سے ناواقف نکلے - یہي باہمي مددگاري و یاوري اور دفاع اعداء کا قانون ہے جس پر اسلام نے شریعت و امت کي حفاظت کي ساری بنیادیں استوار کي ہیں - لڑائي لڑنے کي نسبت سب سے پہلي آیة جو نازل ہوئی وہ سورۂ حج میں ہے :

ان الله یدافع عن الذین آمنوا ' ان الله لا یحب کل خوان کفور ' آذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا ' و ان الله علی نصرهم لقدیر ' الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله - (۲۲ : ۴۲)

الله تعالی مومنوں پر سے اُنکے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے - وہ اُن لوگوں کا ساتھي نہیں جو اُسکي بخشي ہوئي طاقت کے امانت دار نہیں ہیں ' اور شکر گزاری کي جگهه کفران نعمت میں سرشار ہیں - جن مسلمانوں سے کافر لڑ رہے ہیں ' اب اُن مسلمانوں کو بھي کافروں سے لڑنے کی اجازت دي جاتي

ھے کیونکہ اُن پر ظلم ہورھا ھے ' اور اللہ مظلوموں کی مدد پر قادر ھے - یہ وہ لوگ ھیں کہ بلا کسی حق کے اپنی آبادیوں سے نکال دیے گئے - انکا کوئی قصور نہ تھا - صرف یہ کہ اپنے پروردگار کے ماننے والے ھیں - (۱)

لیکن بعض مفسرین نے سورۂ بقرہ کی حسب ذیل آیت کو اذن قتال کا پہلا حکم قرار دیا ھے :

و قاتلوا فی سبیل اللہ الـذین یقاتلـــونکم ' و لا تعتـدوا - ان اللـہ لا یحب المعتـــدین - و اقتـــلوھم حیـــث ثقفتموھم ' و أخرجـوھم من حیث أخرجـوکم - والفتنة اشد من القتل - (۲ : ۱۸۷)

اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو مسلمانوں سے لڑائی لڑ رھے ھیں - مگر زیادتی نہ کرو - اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا - اور ایسا کرو کہ جہاں کہیں بھی وہ جمے ھرے ملیں ' قتل کردو - اور جہاں کہیں سے انہوں نے مسلمانوں کو نکالا ھے ' تم بھی نکال باھر کرو - ایسا کرنا اگرچہ خونریزی ھے ' مگر خونریزی کی برائی سے بھی بڑھکر ظلم و فساد کی برائی ھے -

امام ابن جریر نے ابو العالیہ کا قول نقل کیا ھے کہ جنگ کی نسبت یہی پہلی آیت ھے جو نازل ھوئی " انہا اول آیت نزلت فی القتال بالمدینہ فلما نزلت کان رسول اللہ صلعم یقاتل من قاتلہ ویکف عمن کف عنہ ' حتی نزلت سورۃ براۃ " پس اذن قتال کی پہلی آیت یا سورۂ حج کی ھے یا بقرہ کی -

ان دونوں آیتوں اور انکی ھم مطلب آیات میں قران حکیم نے حکم قتال کے اُس حصہ کو صاف صاف مسلمانوں پر فرض کردیا ھے جسکا مقصد دفاع (ڈیفنس) ھے (۲) - یعنی جب کبھی غیر مسلموں کی کوئی جماعت

---

(۱) روی الحاکم من حدیث الاعمش عن ابن عباس - قال : لما خرج رسول اللہ صلعم من مکہ قال ابو بکر " اخرجوا نبیھم - انا للہ و انا الیہ راجعون - لیھلکن " فانزل اللہ اذن للذین یقاتلون الخ و ھی اول آیۃ نزلت فی القتال - اسنادہ علی شرط الصحیحین -

(۲) یعنی حکم جہاد کی مختلف قسموں اور صورتوں میں سے ایک قسم قتال ھے - پھر قتال کی بھی دو قسمیں ھیں - دفاع اور ھجوم - ان آیات میں دفاع کا حکم ھے - ھجوم کا حکم دوسری آیتوں میں ھے اور اسکے مواقع و بواعث اور شرائط دوسرے ھیں -

مسلمانوں کي کسي حکومت یا آبادي پر حمله کرے ' یا اُس پر خون قابض هو جانا چاهے ' تو مسلمانوں کو چاهیے که وہ اپنے بهائیوں کي مدد کیلیے اٹهہ کهڑے هوں - جس طرح حمله آوروں نے حمله کیا هے ' یه بهي کریں - قتل و جنگ کي جو جو چال وہ چلے هیں ' یه بهي چلیں - البته یه جائز نہیں که اس بارے میں رحم و عدل کے جو حدود شریعت نے باندهدیے هیں (مثلاً ضعیفوں ' بوڑهوں ' بچوں ' عورتوں ' راهبوں ' مذهبي عبادتگاهوں وغیرہ سے تعرض نه کرنا) اُنسے قدم باهر نکالیں - پهر اُس حکم کي علت بهي بتلادي که الفتنة اشد من القتل - بلاشبه یه جنگ قتل هے اور انساني قتل بہت بڑی برائي هے ' لیکن اس برائي سے بهي بڑهکر برائي یه هے که لوگ اپني آبادیوں اور حکومتوں پر قانع نہیں رهتے - دوسروں کے حقوق آزادي و حکومت چهیننا چاهتے هیں - توحید کي جگه کفر و شرک کے ماتحت مسلمانوں کو لانا چاهتے هیں ' قوموں کا قدرتي حق حریت پامال کر رهے هیں - اگر اسکے دفع کا انتظام نه کیا جاے ' تو پهر دنیا میں کوئي قوم زندہ و باقي نہیں رهسکتي - پس بڑی برائي کے دور کرنے کیلیے چهوٹي برائي اختیار کر لیني چاهیے - یه خود نیچر کا عالمگیر قانون اور کارخانۂ حیات کا دائمي عمل هے - اگر ایسا نه هوتا تو خدا کبهي جنگ کا حکم نه دیتا -

سورۂ محمد (ص) میں قرآن نے حکم قتال اور جواز جنگ کي اصلي علت بهي بتلادي هے :

حتی تضع الحرب اوزارها - (۴۷ : ۴) لڑتے رهو ' یہانتک که لڑائي موقوف هو جاے -

یعني اسلام کا اصلي مقصد یه هے که دنیا میں عالمگیر صلح و امن قائم هو جاے - ساری دنیا ایک قوم' اور تمام نوع انساني ایک گهرانے کي طرح زندگي بسر کریں - لیکن جب تک جنگ کرنے والی ظالم و حریص قوتیں باقي هیں ' یه مقصد حاصل نہیں هوسکتا - پس پہلے مفسد و جابر قوتوں کا مقابله کرنا اور اُنکو فنا کردینا ضروری هوا - مضبوط اور مستقل امن اُسي وقت قائم هوگا ' جب پہلے امن کي خاطر اچهی طرح جنگ کرلی جاے :

حتی اذا اثخنتموهم (۴۷ : ۵) یہانتک لڑ کر که جنگ آزما دشمن چور چور هو جائیں -

قاتلوں کا جب تک خون نه بہایا جائیگا ' مقتولوں کا خون بہنا بند نه هوگا :

ولكم في القصاص حياة يا اولي الالباب - (۲ : ۱۷۹)	تمہارے لیے قصاص کي موت میں امن کي زندگي پوشیدہ ھے !

لہذا حکم دیا کہ جب تک دنیا جنگ اور بواعث جنگ سے باز نہ آجاے ' جنگ کرتے رھو - کبھي اس سے نہ تھکو - یہانتک کہ دنیا میں جنگ کا نام و نشان ھي باقي نہ رھے " تضع الحرب اوزارها " جنگ اپنے ہتیار ڈالدے - یعنی جنگ بالکل موقوف ھوجاے - فساد و بطلان کي وہ قوتیں ھي باقي نہ رھیں جو خدا کي زمین کو ھمیشہ انساني خون سے رنگتي رھتي ھیں - قرآن کا دعوا ھے کہ عالمگیر امن کا یہ وقت دنیا پر ضرور آئیگا - مگر اُسي وقت آئیگا جب تمام دنیا اسلام کي دعوت امن و اخوت کے آگے جھک جائیگي : ھو الذي ارسل رسوله بالهدی و دین الحق ' لیظهره علی الدین کله و لو کره المشرکون (۹ : ۶۱)

فصل

(فضائل دفاع)

اسلامي احکام میں یہ حکم " دفاع " جو اھمیت رکھتا ھے ' وہ عقائد ضروریہ کے بعد کسي حکم ' کسي فرض ' کسي رکن ' کسي عبادت کو حاصل نہیں - قرآن و حدیث میں باربار یہ بات بتلائي گئی ھے کہ قومي زندگي اسي عمل کے بقاء پر موقوف ھے - جب تک مسلمانوں میں یہ جذبہ باقي رھیگا اور اس کام کي راہ میں ھر فرد اپني زندگي اور اپنا مال قربان کردینے کیلیے طیار رھیگا ' اُسوقت تک دنیا کي کوئي قوم اُنپر غالب نہ آسکیگي - جسدن یہ جذبہ مردہ ھوجائیگا - اُسي دن سے مسلمانوں کي قومي موت بھي شروع ھوجائیگی - چنانچہ قرآن نے مثال میں یہودیوں کي تاریخ پیش کي ھے - جب تک یہودیوں میں اعتقاداً و عملاً یہ جذبہ باقي رھا ' حکومت و عزت اُنھي کیلیے تھي - جب چند گھڑیوں کے عیش و راحت کا عشق قومي زندگي و عزت کے دائمي عیش کي طلب پر غالب آگیا ' اور اس چیز کو چھوڑ بیٹھے ' تو ذلت و محکومي کا داغ ھر یہودي کي پیشاني پر لگ گیا ' اور ھمیشہ کیلیے خوار و ذلیل ھوکر رھگئے : ضربت علیهم الذلة والمسکنة و باؤا بغضب من الله !

الـم تر الی الملاء من بني اسرائیل من بعد موسی ؟ اذ قالوا لنبي لهم " ابعث لنا ملکا نقـاتل في سبیل الله " قال " هل عسیتم ان کتب علیکم القتال ان لا تقاتلـــوا " قالوا " وما لنا ان لا نقاتل في سبیل الله وقـد أخرجنـــا من دیارنا وابنائنا ؟ " فلما کتب علیهم القتال ' تولوا الا قلیلاً منهم ' والله علیـــم بالظـالمین - (۲ : ۱۲۲)

کیا بني اسرائیـــل کا حال نهیں دیکهتے که موسی کے بعد کیا هوا؟ جبکه تو خود هي اپنے عهد کے نبی سے درخواست کی " کسی کو هم پر پادشاه بنادو که اُسکے ماتحت الله کی راه میں لڑیں " نبي نے کہا " اگرچه تم ایسا کهتے هو لیکن امید نهیں که وقت پر پورے اُترو - اگر تم کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو بـزدلي دکهـلا کے نافرمانی کرجاؤگے " ان لوگوں نے جواب دیا " نهیں ایسا نهیں هوسکتا - همکو کیا هوگیا هے که حق کي راه میں ظالموں سے جنـگ نه کریں ؟ حالانکه انهوں نے هم کو اور همارے اولاد کو همارے شهروں سے نکال دیا هے " لیکن دیکهو ' جب لڑائي کا حکم دیا گیا تو بجز چند حق پرستوں کے سب اپنے قول و قرار سے پهر گئے - وقت پر اُنکا دعوا سچا ثابت نه هوا -

سنن ابو داؤد میں هے " اذا ضن الناس بالدینار والدرهم و تبایعوا بالعین واتبعوا اذناب بقر ' و ترکوا الجهـــاد في سبیل الله ' انزل الله بهم بلاء ' فلم یرفعه حتی یراجعوا " یعنی جب کوئي جماعت جهاد في سبیل الله ترک کردیتي هے تو اسپر بلائیں نازل هوتي هیں جو کبهي دور نهیں هوسکتیں - الا یه که وه اس معصیت سے باز آئیں -

چونکه شریعت و ملت کے قیام کي اصلي بنیاد یهي چیز تهي ' اسلیے هر حیثیت اور هر اعتبار سے اس پر زور دیا گیا ' اور سارے عملوں اور نیکیوں سے جو ایک مسلمان دنیا میں کرسکتا هے ' اس عمل کا مرتبهٔ و اجر افضل و اعلی ٹهرایا - جس عمل میں جسقدر زیاده ایثار و قرباني هوگي ' اُتنا هي زیاده اُسکا اجر و ثواب بهي هوگا - ظاهر هے که اس عمل سے بڑهکر اور کس عمل میں مال و جان کا ایثار هوسکتا هے ؟

کوئي خاص وقت اور عهد اسکے لیے مخصوص نهیں - هر حال اور هر زمانے میں ایک مسلم و مومن زندگي کے ایمان و صداقت کي بنیاد یهي چیز اور اسي کا سچا عشق و ولوله هے - یهي سنام دین هے - یهي عماد ملت

ہے - یہی اساس شرع ہے - یہی ملاک اسلام ہے - یہی ایمان و نفاق کی اصلی کسوٹی ہے - یہی مومن کو منافق سے الگ کردینے کیلیے اصلی پہچان ہے - نماز اسی سے ہے - روزہ اسی ہے - حج اسی سے ہے - زکواۃ کا سب سے پہلا اور افضل مصرف یہی ہے - سب اسکے لیے ملتوی ہو جاسکتے ہیں - اسکو کسی کی خاطر نہیں چھوڑا جا سکتا - نماز دین کا ستون ہے اور روزہ برائیوں سے بچنے کی ڈھال ' لیکن یہ دین کی بنیاد ہے اور برائیوں کو معدوم کردینے والی تلوار - پس اسکی فضیلت کو نہ نماز پہنچ سکتی ہے نہ روزہ - نہ اس سے بڑھکر کوئی دوسرا عمل ہے جو اللہ کی نظروں میں محبوب ہو اور کرنے والے کو اسکی دائمی محبوبیت سے سرفـــراز کردے - ہزاروں نمازیں اور ہزاروں روزے بھی اُس ایک قطرۂ خون کی فضیلت و تقدیس نہیں پا سکتے جو اس راہ میں بہایا گیا ' اور عمر بھر کی صدقات و خیرات بھی اُس ایک درہم کے اجر کا مقابلہ نہیں کرسکتیں جو اس راہ میں خرچ کیا گیا - حتی کہ یہی عمل اسلام و ایمان کی اصلی پہچان قرار پایا - جس مسلمان کا دل اس کے ولولۂ و طلب سے خالی ہوا ' وہ ایمان و اسلام کی روشنی سے محروم ہوگیا - نفاق کی ظلمت اُسپر چھاگئی - صحیح مسلم میں ہے :

مـــن مـــات ولـــم یغـــزو لم یحـــدث نفسه به ' مات علی شعبـــة مـــن النفاق - (عن ابی هریرة)

جو مسلمان اس حالت میں دنیا سے گیا کہ نہ تو کبھی اللہ کی راہ میں لڑائی لڑی ' اور نہ اُسکے دل میں اس بات کی طلب رہی ' اُسکی موت ایسی حالت میں ہوئی جو نفاق کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے -

قرطبی نے اسکی شرح میں کہا " فیه دلیل علی وجوب العزم " اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جہاد کا عزم او ر ارادہ ہر مسلمان پر واجب ہے - اسکے عزم اور طلب سے بھی اگر دل خالی ہوگیا تو وہ مومن نہیں ہے ' منافق ہے - اگر ہندوستان کے مسلمان چاہیں تو اس فرمان رسول کو سامنے رکھکر اپنے ایمان و نفاق کا فیصلہ کرلے سکتے ہیں !

ترمذی میں ہے - ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت میں اس بات کا چرچا ہوا " ای الاعمال احب الی اللہ " ؟ ساری نیکیوں اور عبادتوں میں

سب سے زیادہ کونسا عمل اللہ کے نزدیک محبوب و مقبول ہے ؟ اسپر سورۂ صف نازل ہوئی (۱)

ان اللہ یحب الذین یقاتلون في سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص ! | اللہ تعالی تو اُن لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اُسکي راہ میں صف باندھکر اس استقامت اور جماؤ سے لڑتے ہیں، گویا ایک

دیوار ہے جو تلواروں کے سامنے کھڑی کردي گئی ہے، اور دیوار بھي کیسی ؟ ایسي جسکي ہر اینٹ دوسري اینٹ سے سیسہ ڈالکر جوڑ دي گئي ہو !

پھر اسي سورۃ میں آگے چلکر فرمایا - یہي وہ عمل ہے جسکے کرنے کے بعد تمام گناہ بخشدیے جاتے ہیں - کوئي خطا، کوئي معصیت، کوئي برائي باقي نہیں رہتی - ابدي نجات کا دروازہ ہمیشہ کیلیے کھل جاتا ہے :

یا ایہا الذین آمنوا ! ہل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ؟ تؤمنون با للہ و رسولہ، و تجاہدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم، ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون - یغفر لکم ذنوبکم، و یدخلکم جنات تجری من تحتہا الانہار، و مساکن طیبۃ في جنات عدن - ذلک الفوز العظیم !

بخاري و مسلم میں حضرۃ ابو ہریرۃ سے مروی ہے - آنحضرۃ سے سوال کیا گیا - " ای العمل افضل" ؟ کونسا عمل سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے ؟ فرمایا " ایمان باللہ و رسولہ " اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانا - پوچھا " ثم ما ذا " ؟ اس کے بعد ؟ - فرمایا " الجہاد فی سبیل اللہ " - اللہ کي راہ میں جہاد !

بخاري میں ابوسعید خدري سے ہے " قیل اي الناس افضل ؟ فقال مومن یجاہد في سبیل اللہ بنفسہ و مالہ " آپ سے پوچھا گیا - سب سے زیادہ افضل آدمي کون ہے ؟ فرمایا وہ مومن جو اللہ کي راہ میں اپني جان و مال سے جہاد کرتا ہے -

اور فرمایا " لغدوۃ في سبیل اللہ أو روحۃ خیر من الدنیا و ما فیہا " اور " خیر مما تطلع علیہ الشمس و تغرب " (بخاري) جہاد في سبیل اللہ

---

(۱) و اخرجہ ایضا امام احمد عن عبد اللہ بن سلام، و ابن ابي حاتم و ابن حبان، و الحاکم و قال صحیح علی شرط الصحیحین، و البیہقی في شعب الایمان و السنن، و الطبري في التفسیر-

کي ایک صبح یا شام تمام دنیا اور اسکي نعمتوں سے بہتر ہے اور اُن ساري چیزوں سے افضل ہے جن پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے !

بخاري میں دو حدیثیں ھیں " ما من عبد یموت له عند الله خیر یسره أن یرجع الي الدنیا و أن له الدنیا و ما فیھا ' الا الشھید - لما یری من فضل الشھـــادة فانه یسره أن یرجع الي الدنیا فیقتل مرة أخری " اور روایت انس " ما احد یدخل الجنة یحب أن یرجع الي الدنیا و له ما علي الارض من شيء ' الا الشھید ' یتمني أن یرجع الي الدنیا فیقتل عشر مرات لما یري من الکرامة " حاصل دونوں کا یه ھے که مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں آنے کي کسي کو آرزو نہیں ھوسکتي مگر اُس کو جو الله کي راہ میں شہید ھوا - جب وہ شہادت کا اجر و ثواب دیکھتا ھے تو تمنا کرتا ھے - کاش پھر دنیا میں جاسکوں اور دس مرتبه اِسي طرح الله کي راہ میں مارا جاؤں - اور ھر مرتبه شہادت کي عزت و کرامت حاصل کروں !

حد ھوگئي که جن لوگوں نے جنگ بدر میں جاں نثاریاں کي تھیں ' اگر کبھي انسے کوئي لغزش ھوئي اور معصیت میں مبتلا ھوگئے ' تو آپ نے سزا دینے سے انکار کردیا اور فرمایا " لعل الله اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم " یه وہ جاں نثار حق ھیں جنھوں نے جنگ بدر میں شرکت کي ھے - عجب نہیں که اس ایک عمل کے صله میں الله نے انکي ساري پچھلي اور آئندہ خطائیں بخشدي ھوں اور کہدیا ھو که جو جي میں آے کرو !

طبراني نے عمـــران بن حصین سے روایت کي ھے که جب شام کے رومیوں کي طیاریوں کي خبر پہنچي تو مدینه میں مسلمانوں کي حالت نہایت نازک اور کمزور تھي - کسي طرح کا سازوسامان میسر نه تھا - حضرة عثمـــان نے یه حال دیکھا تو اپنا پورا تجارتي قافله آنحضرة کیخدمت میں پیش کردیا جو شام جانے کیلیے طیار ھوا تھا - اسمیں دو سو اونٹ مال و اسبـــاب سے لدے ھوے تھے ' اور دو سو اوقیه سونا تھا - آنحضرة نے فرمایا " لا یضر عثمان ما عمل بعدھا " آج کے دن کے بعد سے عثمان خواہ کچھه ھي کرے لیکن کوئي عمل اسکو نقصـــان نہیں پہنچا سکتا - (اخرجه الترمذي و الحاکم ایضاً من حدیث عبد الرحمن بن حباب نحوہ)

سبحان الله اس عمل عظیـــم کي برکت و بخشش ! اس حدیث سے معلوم ھوا که عمل دفاع کیلیے اپنا مال و متاع قربان کرنا خدا و رسول کي

نظروں میں ایسا محبوب و محترم کام ہے ' جسکے بعد کوئي برائي بھي صاحب عمل کو نقصان نہیں پہنچا سکتي - کسي عمل کسي طاعت ' کسي عبادت کو بھي یہ فضیلت نصیب نہ ہوئي !

ترمذي میں ہے " من رابط لیلة في سبیل الله ' کانت له کالف لیلة صیامہا و قیامہا " جس مسلمان نے ایک رات بھي جہاد کرتے ہوے دشمن کے انتظار میں کاٹي ' اسکے لیے ایسا اجر ہے ' گویا ہزار دنوں کا روزہ اور ہزار راتوں کي عبادت !

اور فرمایا " مقام احدکم في سبیل الله خیر من عبادة احدکم فی اهله ستین سنة " (ترمذي) ساٹھہ برس تک اپنے گھر میں عبادت کرنے سے بھي یہ افضل ہے کہ جہاد کے میدان میں کھڑے نظر آؤ -

اور فرمایا " حرس لیلة في سبیل الله ' افضل له من الف لیلة ' یقام لیلها و یصام نہارها " (رواہ احمد) جہاد کي ایک رات اس سے افضل ہے کہ ہزار راتیں عبادت میں اور ہزار دن روزہ میں بسر کیے جائیں !

اور فرمایا " حرمت النار علی عین دمعت من خشیة الله ' و حرمت النار علی عین سہرت في سبیل الله " (ایضاً) جو آنکھہ الله کے خوف سے اشکبار ہوئي ' یا جہاد میں کام کرتے ہوے جاگي ' اسپر دوزخ کي آگ حرام ہے !

ایک شخص نے پوچھا - یا رسول الله ! کوئي ایسا عمل بتلادیجیے کہ مجاہدین کا ثواب حاصل ہو - فرمایا " هل تستطیع ان تصلی فلا تفتر ' و تصوم فلا تفطر ؟ " اسکي طاقت رکھتے ہو کہ برابر نماز پڑھتے رہو اور قضا نہو ' برابر روزہ رکھتے رہو ' اور کبھي بیچ میں افطار نہ کرو ؟ عرض کیا " انا اضعف من ان استطیع ذلک " یہ تو میري طاقت سے باہر ہے - فرمایا " فو الذي نفسي بیدہ ! لو طوقت ذلک ' ما بلغت فضل المجاهدین في سبیل الله - اما علمت ان فرس المجاهد لیستن في طوله فیکتب له بذلک الحسنات ؟ " خدا کي قسم ! اگر تم ایسا کرنے کي طاقت بھي رکھتے اور کر دکھاتے ' جب بھي اُن لوگوں کي فضیلت کہاں پاسکتے تھے جو الله کي راہ میں جہاد کرتے ہیں ؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجاہد کا گھوڑا لگام میں اُچھلتا ہے تو اسکے لیے بھي اسکے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوتي رہتي ہیں ؟ (رواہ احمد ' و ایضاً رواہ البخاري باختلاف یسیر)

بخاري و مسلم میں ہے - تین مرتبہ آپ سے پوچھا گیا - " ما یعدل الجہاد في سبیل اللہ ؟ " کونسا کام ہے جو جہاد کے برابر درجہ و فضیلت رکھتا ہو؟ تینوں مرتبہ فرمایا " لا تستطیعونہ " تم اسکي طاقت نہیں رکھتے - یعني کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو جہاد کے برابر درجہ رکھتا ہو اور تم کرسکو- پھر فرمایا " مثل المجاھد کمثل الصائم القائم القانت بآیات اللہ لا یفتر عن صلاتہ و لا صیامۃ حتی یرجع"

اور فرمایا " من اغبرت قدماہ في سبیل اللہ ساعۃ من نہار' فہما حرام علی النار" (رواہ احمد) جس کے پاؤں اللہ کي راہ میں ایک گھنٹہ کیلیے بھي گرد آلود ہوے ' دوزخ کي آگ اُن قدموں پر حــــرام ہے -

امام بخاري نے اسي حدیث کو یوں روایت کیا ہے " ما اغبرت (و في روایۃ المستملي" اغبرتا " با التثنیہ) قدما عبد في سبیل اللہ فتمسہ النار" ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس بندے کے پانوں جہــــاد کي راہ میں غبار آلود ہوے ہوں ' اُن کو جہنم کي آگ بھي چھو سکے - حافظ عسقلاني اس کي شرح میں لکھتے ہیں - اس حدیث سے جہاد في سبیل اللہ کي عظمت و فضیلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے - جب صرف غبار راہ سے قدموں کا آلودہ ہونا اتنا بڑا اجر رکھتا ہے کہ جہنم کي آگ اُن پر حرام ہوجاتي ہے ' تو جو خوش نصیب جہاد و دفاع میں کمال سعي و تدبیر کرے اور اپني جان اور مال کو اس کے لیے وقف کردے ' اس کے اجر و ثواب کا کیا حال ہوگا ؟ اور کون ہے جو اس کا اندازہ لگا سکتا ہے ؟ و اللہ یضاعف لمن یشاء -

اور فرمایا " ما من میت یموت الا ختم عملہ ' الا من مات مرابطا في سبیل اللہ ' فانہ ینمو لہ عملہ الی یوم القیامۃ و امن من فتنۃ القبر" (رواہ اصحاب السنن) کوئي ایسي موت نہیں جسکے ساتھہ اعمال کا سلسلہ بھي ختم نہ ہو جاتا ہو ' الا وہ شخص کہ جہاد کي راہ میں دشمن کے حملے کا انتظار کرتا ہوا دنیا سے گیا - سو اُسکا عمل ایسا ہے جو مرنے کے بعد بھي قیامت تـک بڑھتا رہیگا -

یعني عمل جہاد بھي حسنات جاریہ میں سے ہے - حسنات جاریہ بموجب نص حدیث مسلم تین ہیں - اولاد صالح' علم نافع' اوقاف و تعمیرات خیریہ - مثلاً مساجد و مدارس وغیرہ جو بعد کو باقي رہیں - اس حدیث اور اسکی ہم معني احادیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کا ہر کام بھي اسي قسم میں داخل

هے - علت اسکي بالکل واضح هے - عمل جهاد کي بنياد هي يه هے که اپنے بعد کے زمانے اور آنے والي نسلوں کی حفاظت و سعادت کيليے اپنا وجود قربان کرديا جاے - پس کوئي عمل نهيں جو اس سے زياده سچی اور بے لاگ انسانی خدمت اور نوع پرستی کے جذبات رکھتا هو - اور اسي ليے ضروري هوا که اسکا اجر بھی وقتی نهو' دائمی هو - عمل کا اجر تو عمل کے نتائج پر موقوف هے - جب نتائج بعد کے زمانوں اور نسلوں کو ملينگے ' تو صاحب عمل کا اجر بھي فوراً کيوں منقطع هوجاے ؟

اس حديث ميں " مرابطاً في سبيل اللـه " کا لفظ آيا هے - اور دوسري حديثوں ميں بھي جا بجا " رباط " کا لفظ وارد هے - " رباط " سے مقصود يه هے که کسي مقام ميں ٹھهر کر دشمن کے حمله کا انتظار کرنا - تاکه جب دشمن آجاے تو الله کي راه ميں مقابله کيا جاے - نهايه ميں هے " هو الاقامة في مکان يتوقع هجوم العدو فيه لقصد دفعه لله " پس " مرابطا في سبيل الله " کا مطلب يه هوا که اگر لڑکر شهيد هونے کا موقعه نهيں ملا ' اور حمله کے انتظار هي ميں موت آگئي ' جب بھي اسکا اجر مرنے کے بعد برابر بڑھتا رهيگا - اور وه هزار دنوں کے روزۂ و نماز سے بھي افضل هے ! اسي بنا پر امام بخاري و امام نواوي وغيرهما نے فضل الرباط في سبيل الله کا باب باندھا هے -

قرآن بھي هر جگه اور بار بار يهي کهتا هے :

الذين آمنوا و هاجروا و جاهدوا في سبيـل الله باموالهـم و انفسهم ' اعظم درجة عند الله و اولائک هم الفائـزون - يبشرهم ربهم برحمـة منـه و رضوان و جنات لهم فيها نعيم مقيم - خالـدين فيها ابدا - ان الله عنـده اجر عظيـم ! (۹ : ۲۳)

جو لوگ ايمان لاے ' حق کي راه ميں اپنا گھر بار چھوڑا ' اپني جان و مال سے جهاد کيا ' سو الله کے نزديک سب سے زياده اور اونچا درجه أنهي کا هے - يهی لوگ هيں که دنيا اور آخرة ميں کامياب هونگے - الله کي طرف سے انکے ليے بشارت هے - اسکي رحمت ' أسکي محبت ' بهشتي زندگي کي نعمتيں ' اور أنکي دائمی اور هميشگي ' سب کچھه أنهی کيليے هے -

جو لوگ خود اپني ذات سے جهاد و دفاع ميں حصه نه لے سکيں مگر مجاهدين کو اپنے مال و متاع سے مدد پهنچائيں ' يا أور کسي طرح کي

خدمت انجام دیں' تو اگرچہ وہ مجاہدین کا اجر و ثواب نہیں پا سکتے' لیکن اُن کے لیے بھی اجر ہے' اور ساری عبادتوں اور طاعتوں سے بڑھکر اجر ہے -

ابن ماجہ میں ہے " من ارسل بنفقة فی سبیل الله و اقام فی بیته' فله بکل درهم سبع مائة درهم' و من غزا بنفسه فی سبیل الله و انفق فی وجهه ذلک' فله بکل درهم سبع مائة الف درهم - ثم تلا هـذه الایه - و الله یضـاعف لمن یشاء " یعنی جو مسلمان ایسے وقتوں میں گھر سے نہ نکلا' صرف اپنے روپیہ سے جہاد میں مدد دی' تو اسکو ہر ایک روپیہ کے بدلے سات سو روپیوں کا اجر ملیگا - یعنے اس انفاق میں سات سو درجہ زیادہ اجر ہے - اور جس نے روپیہ بھی لگایا اور خود بھی شریک کار ہوا' تو اسکے لیے سات ہزار درجہ زیادہ اجر ہے - پھر آپنے یہ آیت پڑھی " الله جس کسی کا اجر و ثواب چاہتا ہے دوگنا کردیتا ہے "

اور امام بخاری نے باب باندھا ہے " فضل من جهز غازیا " اسمیں زید بن خالد کی حدیث لاے ہیں " من جهز غازیا فی سبیل الله فقد غزا و من خلف غازیا فی سبیل الله بخیر فقد غزا " یعنی جس شخص نے مجاہد و غازی کے سامان کا انتظام کردیا تو گویا اُس نے خود جہاد کیا - اور جس نے اُسکے پیچھے اُسکے کاموں کی دیکھہ بھال کی تو اسکے لیے بھی ایسا ہی اجر ہے !

اسلام نے حقوق العباد پر جسقدر زور دیا ہے' معلوم ہے - علی الخصوص والدین اور اقرباء کے حقوق کہ ساری نیکیوں اور ہر طرح کی عبادتوں سے مقدم ٹھہرائے گئے - لیکن صرف یہی وہ عمل عظیم ہے جسکے لیے یہ حقوق بھی روک نہیں ہوسکتے - امت اور شریعت کی حفاظت ہی پر تمام افراد کی حفاظت موقوف ہے - پس اگر امت دشمنوں کے نرغہ میں ہے' تو نیکی کا سب سے بڑا کام جو زمین پر ہوسکتا ہے مسلمانوں کے سامنے آ گیا - اب اس بڑے کام کے لیے سارے چھوٹے کام چھوڑ دینے چاہئیں - ماں' باپ' بھائی' بہن' بیوی' بچے' رشتے ناتے' اپنی اپنی جگہہ سب حق ہیں - سب کا حق ادا کرنا چاہیے - لیکن خدا اور اسکی سچائی کا حق سب سے بڑا حق ہے - اُسکے رشتہ کے سامنے سارے رشتے ہیچ ہیں - پس اگر اُسکے کام کا وقت آ گیا تو سب کو اُسکی خاطر چھوڑ دینا پڑیگا :

قل ان كان اباؤكم ، و ابناؤكم ، و اخوانكم ، و ازواجكم ، وعشيرتكم ، و اموال اقترفتموها ، و تجارة تخشون كسادها ، و مساكن ترضونها ، احب اليكم من الله و رسوله و جهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله بامره و الله لا يهدي القوم الفاسقين - (٩ : ٢٥)

مسلمانوں سے کہدو کہ تمہارے والدین، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان اور اسکے تمام رشتے، یہ مال و متاع جو تم نے کمایا ہے، یہ کاروبار و تجارت جسکے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو، یہ تمہارے رہنے کے محل جن میں تمہارا دل اٹکا ہوا ہے، اگر تمہیں اللہ اور اسکے رسول اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں، اور تمہارے پاؤں ان زنجیروں میں ایسے بندھگئے ہیں کہ اللہ کی پکار بھی انہیں نہیں ہلا سکتی، تو جان لو کہ اللہ کا کام بھی تمہارا محتاج نہیں - نتائج کا انتظار کرو - یہانتک کہ اللہ کو جو کچھہ کرنا منظور ہے کر دکھاے - اللہ کا قانون ہے کہ وہ نافرمانوں پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا !

اگرچہ عمل کے اعتبار سے اس فرض کی تعمیل اُس وقت لازم سے الزم ہوجاتی ہے جب حملۂ اعداء کی وجہ سے خاص طور پر ضرورت پیش آجاے، لیکن عزم و استعداد کے لحاظ سے یہ حکم کسی خاص وقت میں محدود نہیں - ہمیشہ اور ہر حال میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ دفاع اعداء کیلیے طیار رہیں اور طیاری کرتے رہیں - اوپر حدیث گزرچکی ہے کہ جو دل اس کے عزم و طلب سے خالی ہوا، اُس پر ایمان کی جگہ نفاق کا قبضہ ہوگیا :

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم و آخرين من دونهم لا تعلمونهم (٨ : ٦٠)

جسقدر بھی تم سے ممکن ہو، دشمنوں کے مقابلے کیلیے اپنی قوت اور ساز و سامان سے طیار رہو - تا کہ تمہاری مستعدی دیکھکر اللہ اور اُسکی اُمت کے دشمنوں پر خوف اور رعب چھا جاے - تم پر حملہ کرنے کی کو جرأت ہی نہو -



فصل

(عہد نبوت کا ایک واقعہ)

یہ قرآن و سنت کے احکام ہیں - اب دیکھیں ' صاحب شریعت کا اس بارے میں میں طرز عمل کیا رہا ہے ؟

ھجرۃ کے نوریں سال آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ رومیوں کی فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھی ہو رہی ہے - یہ سنکر آپنے بھی طیاری کا حکم دیدیا ' اور تیس ہزار مجاہدین کے ساتھہ مدینہ سے کوچ کردیا - چونکہ یہ فوج بڑی ہی تنگدستی اور بے سر و سامانی کے حال میں نکلی تھی - اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں صـــرف ایک سواری آئی تھی - جنگل کے پتے کھا کر لوگوں نے گزارہ کیا تھا ' اس لیے اس فوج کا نام " جیش العسرۃ " مشہور ہوا - الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ (۹۹ : ۱۱۹)

آج تم خدا اور اس کے ایمان کی جگہ لوہے اور گندھک کے سامان و اسلحہ کی پرستش کر رہے ہو - لیکن ایک وقت وہ بھی تھا ' جب بے سر و سامان مسلمانوں کی یہ بھیڑ نکلی تھی ' تا کہ کرۂ ارضی کی سب سے بڑی متمدن قوم یعنی رومیوں سے مقابلہ کرے !

حضرۃ ابوبکر (رض) نے اسی دفاع کیلیے اپنا تمام مال و متاع پیش کردیا تھا - جب آنسے پوچھا گیا " ما ابقیت لاھلک " اپنے بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آے ہو ؟ تو اس پیکر ایمان و مجسمۂ عشق حق نے جواب دیا تھا " ابقیت لھم اللہ و رسولہ " ! اللہ اور اس کے رسول کو !

آنکس کہ ترا بخواست ' جانرا چہ کند ؟
فرزند و عیـــال و خانمان را چہ کند ؟
دیوانہ کنی ھـر دو جهـــانش بخشی
دیوانۂ تو ھر دو جهـــان را چہ کنـــد ؟

تبوک نامی مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا مسلمانوں کی دلیرانہ طیاریوں کا حال سنکر رومیوں کے حوصلے پست ہوگئے اور فوجیں منتشر کردی گئیں - آنحضرت نے ایک ماہ قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس آگئے -

اس دفاع میں بجز منافقین کے تمام مسلمان شریک ہوے تھے - صرف تین شخص نہ جاسکے - کعب بن مالک - ہلال بن اُمیہ - مرارہ بن ربیع - کعب بن مالک سابقین انصار میں سے ہیں ' اور اُن ۷۳ سابقین مخلصین میں سے جو عقبہ کی بیعت میں حاضر ہوے تھے - انکے ایمان و اخلاص میں کیا شبہہ ہوسکتا ہے ؟ اُنکا شریک نہ ہونا کسی بری نیت سے نہ تھا - سستی اور کاہلی سے آج کل کرتے رہے اور فوج کے ساتھہ ملنے کا موقعہ نکل گیا -

با ایں ہمہ یہ معاملہ اللہ اور اسکے رسول کی نظروں میں اس درجہ اہم ہے کہ اتنی سستی اور کاہلی بھی ایک سخت جرم قرار پائی - معذرت کرنے کیلیے حاضر ہوے تو توبہ قبول نہ ہوئی - حکم ہوا کہ گھر میں بیٹھو اور فیصلۂ وحی کا انتظار کرو - مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تمام تعلقات انسے ترک کردیں - نہ کوئی بات چیت کرے - نہ ملے جلے - نہ اور کسی طرح کا واسطہ رکھے - پھر انکی بی بیوں کو حکم ملا کہ وہ بھی الگ ہوجائیں اور کوئی واسطہ نہ رکھیں - امام بخاری نے ایک طول طویل روایت خود حضرۃ کعب بن مالک کی زبانی نقل کی ہے اور اس واقعہ کیلیے خاص باب باندھا ہے - کعب کہتے ہیں - ہمارا یہ حال ہوگیا تھا کہ سارا مدینہ انسانوں سے بھرا تھا ' مگر ہمارے لیے نہ ایک آنکھہ دیکھنے والی تھی نہ ایک زبان بات کرنے والی - خود عزیز و اقارب نے ملنا جلنا ترک کردیا تھا - حسرت سے ایک ایک کا منہ تکتے اور دیوانوں کی طرح پھرتے تھے - ایک دن اپنے چچیرے بھائی ابو قتادہ کے یہاں گیا - مجھے دیکھتے ہی منہ دوسرے طرف پھرا لیا - سلام کیا تو جواب نہ ملا -

اللہ اللہ ! کیا مسلمان تھے کہ انکا رشتہ تھا تو اللہ اور اسکے رسول کا رشتہ - زندگی تھی تو صرف اسی کے حکم پر ! الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی مجسم تصویر تھے !

غسان کے عیسائی پادشاہ نے یہ حال سنا تو خوش ہوا کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کا اچھا موقعہ نکل آیا ہے - کعب کے نام اس مضمون کا خط لکھکر بھیجا کہ تمہارے آقا نے تمہاری ساری عمر کی خدمتوں کا جو معارضہ دیا ہے وہ دیکھہ چکے ہو - اب میرے پاس چلے آؤ - دیکھو یہاں تمہاری کیسی عزت ہوتی ہے ؟ کعب بن مالک کو خط ملا تو ایلچی کے سامنے آگ میں جھونک دیا اور کہا جواب میں کہدینا - ہم نے جس آقا کی چوکھٹ پر سر

رکھا ہے ' اسکی گیرائیوں اور دلربائیوں کا حال تمہیں کیا معلوم ؟ اسکی بے التفاتی بھی دوسروں کی محبت و عزت سے ہزار درجہ زیادہ عزیز و محبوب ہے :

اے جفا ہاے تو خوشتر ز وفاے دگراں !

ان مومنین صادقین کی یہ آزمائش پورے پچاس دن تک جاری رہی - بالاخر اللہ تعالی نے توبہ قبول فرمائی اور سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی :

و علی الثلثة الذین خلفوا ' حتی ضاقت علیهم الارض بما رحبت و ضاقت علیهم انفسهم و ظنوا ان لا ملجا من الله الا الیه ثم تاب علیهم لیتوبوا - ان الله هوالتواب الرحیم ! (۹ : ۱۲۰)

اور وہ تین آدمی جنکا معاملہ فیصلۂ الٰہی کیلیے ملتوی کردیا گیا تھا ' سو جب انکا یہ حال ہوا کہ تمام مسلمانوں نے انکو چھوڑ دیا ' زمین باوجود اپنی وسعت کے انپر تنگ ہوگئی ' اپنی زندگی سے بیزار ہوگئے اور انہوں نے دیکھہ لیا کہ اللہ سے پناہ نہیں ہے مگر صرف اسی کی طرف ' تو پھر اللہ نے انکی توبہ قبول کرلی - یقیناً اللہ ہی ہے جو توبہ قبول کرتا اور خطا کاروں کیلیے مہربانی رکھتا ہے !

حضرۃ کعب کو جب قبولیت توبہ کی بشارت ملی تو بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور اپنا سارا مال و متاع شکرانۂ قبولیت میں لٹا دینا چاہا -

اس واقعہ میں متعدد باتیں قابل غور ہیں :

(۱) رومیوں نے حملے کی طیاریاں کیں تو اسلام و امت کی حفاظت کیلیے دفاع کرنا ہر مسلمان پر فرض ہوگیا - موسم سخت گرمی کا تھا - سفر دور دراز کا - بے سروسامانی حد درجہ کی - مقابلہ اس حکومت سے جو نصف دنیا پر حکمراں تھی - حجاز میں فصل پک چکی تھی اور کٹائی کا اصلی وقت تھا - یہی فصل ملک کیلیے سال بھر کی خوراک تھی - اگر مشکلوں اور مجبوریوں کے عذر سنے جاسکتے ہیں تو ان حالات سے بڑھکر اور کون سے حالات عذر داری کے لیے مناسب ہوسکتے ہیں ؟ مگر دفاع کا فرض ایسا سخت اور اٹل ہے کہ نہ کوئی عذر سنا گیا ' نہ کوئی مشکل رکاوٹ ہوسکی - حکم ہوا کہ سب کچھہ چھوڑ دو - ساری مصیبتیں جھیل لو - مگر دشمنوں کو روکنے کے لیے نکل کھڑے ہو - سورۂ توبہ میں اس کا بڑا ہی عبرت انگیز تذکرہ ہے - یہ موقعہ تفصیل کا نہیں - قالوا لا تنفروا فی الحر - قل نار جهنم اشد حرا لو کانوا یفقهون (۹ : ۸۳)

(۲) یہ تینوں مسلمان جو شرکت دفاع سے رہگئے ' مخلصین مومنین میں سے تھے - انکی زندگیاں اسلام کی بے شمار خدمتوں اور جان نثاریوں میں بسر ہوئی تھیں - عبادتوں اور نیکیوں کا کیا پوچھنا کہ شب و روز اللہ کے رسول کے سایۂ تربیت میں رہتے تھے ' انہی کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے ' اُنہی کے ساتھ روزے رکھتے تھے - صحابہ کے ایک ادنیٰ فرد کی عبادت کا مقابلہ ہم اپنی پوری نسلوں اور قوموں کی عبادت گزاریاں پیش کرکے بھی نہیں کرسکتے - حضرۃ کعب بن مالک سابقــون الاولون میں سے ہیں - جب اسلام کا کوئی ساتھی نہ تھا تو مدینہ کے انصار نے ساتھ دیا - عقبہ کی بیعت ثانیہ میں ۷۳ جان نثاروں نے بیعت کی تھی - یہ انہی عشاق اسلام میں سے ہیں - خود کہتے ہیں کہ کسی اسلامی خــدمت میں دوسروں سے پیچھے نہ رہا - ہر جنــگ میں شرکت کی - ہر موقعہ پر جان و مال نثار کیا - اس دفاع کی شرکت سے بھی جو رہگئے ' تو دل کی کمزوری اور نیت کے فساد کی وجہ سے نہیں - چلنے کا پورا سامان کرلیا تھا - صرف یہ قصور ہوا کہ سستی اور کاہلی کی - پوری طرح مستعدی سے کام نہ لیا - تاہم دیکھو ' یہ سستی اور کاہلی بھی خدا کے حضور کیسا بڑا جرم قرار پائی کہ نہ تو کوئی پچھلی خدمت آڑے آ سکی ' نہ مدۃ العمر کی نیکیوں اور عبادتوں ہی نے کچھہ کام دیا - نہ کوئی بزرگی اور بڑائی اس معاملہ میں شفیع ہو سکی - نہ ایک ایسے پکے اور پرکھے ہوے مخلص مسلمان کیلیے عذر و معذرت کی گنجائش نکل سکی - سخت سے سخت سزا جو دی جاسکتی تھی ' دی گئی - مسلمانوں سے اسلامی برادری کا رشتہ توڑ دیا گیا - پچاس دنوں کیلیے جماعت سے باہر کردیے گئے - یہ سارا زمانہ گریۂ و زاری اور عبادت و استغفــار میں بسر ہوا - تب کہیں جاکر توبہ قبول کی گئی -

(۳) اسلام کے احکام کا قبولیت توبہ کے بارے میں جو حال ہے ' معلوم ہے - خدا کا دروازۂ رحمت کسی آنے والے کا اتنا انتظار نہیں کرتا ' جسقدر اس مضطرب روح کا ' جو توبہ کیلیے اُسکی طرف بڑھے - " لو اخطاتم حتی تمــلاء خطایاکم ما بین السماء و الارض ' ثم استغفرتم ' اللہ یغفر لکــم " (رواہ مسلم عن ابی ہریرہ) اگر تم نے اتنے گناہ کیے ہوں کہ زمین و آسمان کا فاصلہ انسے بھر دیا جاسکے ' پھر بھی توبہ کا آنسو بہاتے ہوے آؤ تو دروازہ

مغفرت کہاں پاؤگے - لیکن دیکھو امت کي حفاظت و مدافعت سے غفلت کرنا اللہ کي نظروں میں کیسا سخت جرم ہے کہ یکایک توبہ بھي قبـــول نہوئي - تینوں صحابي آپکي واپسي کے بعد پہلي ہي صحبت میں عفو تقصیر کیلیے حاضر ہوگئے تھے ' مگر حکم ملا کہ ابھي نہیں - انتظار کرو- پچاس دن سزاۓ عقوبت کے گذر چکے تب کہیں جاکر توبہ قبول ہوئي !

(۴) جب اُن پاک انسانوں کا یہ حال ہوا کہ ایمان اُنکا ایمان تھا ' اور نیکیاں اُنکي نیکیـــاں - اُن کے بستر خواب کے اجر ثواب کا بھي ہماري بڑي بڑي عبادتیں مقابلہ نہیں کرسکتیں ' توخدا را بتـــلاؤ ' ہم بدبختوں اور سیہ کاروں کا کیا حشر ہوگا کہ نہ ایمان کي دولت ساتھہ ہے نہ طاعت و حسنات کي پونجي دامن میں - زندگي یکسر برباد غفلت و معصیت ' اور عمریں یکقلم تاراج نفس پرستي و نافرماني - وہاں عزم و ایمان کے ساتھہ سہو و نسیان تھا مگر عذر قبول نہ ہوا - یہاں اعراض و نفاق کے ساتھہ صریح نافرماني و انکار ہے اور پھر نہ ندامت ہے نہ توبۃ و انابت ! اُنکے ساتھہ سب کچھہ تھا اور کام نہ آیا - ہمارے پاس تو کچھہ بھی نہیں ہے - پھر کیا ہے جس نے آنے والے دن کي طرف سے بے فکر کردیا ہے اور ہمارے غافل دلوں پر بیخوفي کي موت چھا گئي ہے ؟ بتلاؤ زمین و آسمان میں کون ہے جو اُس دن ہمیں بچا سکیگا جب خدا کے غضب کا بے پناہ ہاتھہ ہماري طرف بڑھیگا ؟ یقول الانسان یومئذ این المفر ؟

فصل

(ایک عام غلط فہمي)

البتہ یاد رہے کہ " جہاد " کی حقیقت کي نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلي ہوئي ہیں - بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معني صرف لڑنے کے ہیں - مخالفین اسلام بھي اسي غلط فہمي میں مبتلا ہوگئے - حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی عملي وسعت کو بالکل محدود کردینا ہے -

" جہاد " کے معني کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں - قرآن و سنت کي اصطلاح میں اس کمال درجہ سعي کو جو ذاتي اغراض کي جگہ حق پرستی

اور سچائی کی راہ میں کی جائے ' " جہاد " کے لفظ سے تعبیر کیا ہے - یہ سعی زبان سے بھی ہے ' مال سے بھی ہے ' انفاق وقت و عمر سے بھی ہے ' محنت و تکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے ' اور دشمنوں کے مقابلے میں لڑنے اور اپنا خون بہانے سے بھی ہے - جس سعی کی ضرورت ہو ' اور جو سعی جسکے امکان میں ہو ' اسپر فرض ہے ' اور جہاد في سبیل اللہ میں لغۃ و شرع ' دونوں اعتبار سے داخل - یہ بات نہیں ہے کہ " جہاد " سے مقصود مجرد لڑائي ہي ہو - اگر ایسا ہوتا تو جہاد کا اطلاق اعمال قلبي و لساني پر نہ ہوتا - حالانکہ کتاب و سنت ایسے اطلاقات سے لبریز ہیں - شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول صاحب اقناع نے نقل کیا ہے جو حقیقت جہاد کے بارے میں قول فیصل و جامع ہے " الامر بالجہاد منه ما یکون بالقلب ' کالعزم علیه ' و منه ما یکون باللسان کالدعوة الی الاسلام والحجة و البیان ' و الراي و التدبیر في ما فیه نفع المسلمین - و بالبدن - اي القتال بنفسه - فیجب الجهاد بغاية ما یمکنه من هذه الامور " (جلد - ۱ - ۶۵۳)

دشمنوں کي فوج سے خاص وقت ہي میں مقابلہ ہوسکتا ہے ' لیکن ایک مومن انسان اپني ساري زندگي اور زندگی کی ہر صبح و شام جہاد حق میں بسر کرتا ہے - مشہور حدیث ہے " المجاهد من جاهد نفسه في ذات الله ' و المهاجر من هجر ما نهي الله عنه "

سورۂ فرقان میں ہے فلا تطع الکافرین وجاهدهم به جهاداً کبیرا (۲۵ : ۵۵) یعني کفار کے مقابلہ میں بڑے سے بڑا جہاد کرو - سورۂ فرقان بالاتفاق مکي ہے ' اور معلوم ہے کہ جہاد بالسیف یعنے لڑائي کا حکم ہجرۃ مدینہ کے بعد ہوا - پس غور کرنا چاہیے کہ مکي زندگي میں کونسا جہاد تھا جس کا اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے ؟ جہاد بالسیف تو ہو نہیں سکتا - یقیناً وہ حق کي استقامت اور اسکي راہ میں تمام مصیبتیں اور شدتیں جھیل لینے کا جہاد تھا - مکی زندگي میں جس طرح یہ جہاد جاري رہا ' سب کو معلوم ہے - حق کی راہ میں دنیا کي کسی جماعت نے ایسي تکلیفیں اور مصیبتیں نہ اُٹھائي ہونگي ' جیسی اللہ کے رسول اور اُسکے ساتھیوں نے مکی زندگی میں برداشت کیں - اسی پر جہاد کبیر کا اطلاق ہوا -

اسی طرح منافقوں کے ساتھہ بھي جہاد کرنے کا حکم دیا گیا - جاهد الکفار و المنافقین و اغلظ علیهم (۹ : ۷۳) حالانکہ منافق تو خود اسلام کے ماتحت مقہورانہ و محکومانہ زندگی بسر کر رہے تھے - اُنسے جنگ و قتال کی ضرورت

ھی نہ تھی ' اور نہ اُن سے کبھی جنگ کی گئی - سریۃ جہاد بھی تبلیغ
حق واتمام حجۃ ومقاومۃ فساد کا جہاد تھا جو قلب و زبان سے تعلق رکھتا ھے -

بخاری وابن ماجۃ میں ھے - حضرۃ عائشہ نے پوچھا " علی النساء جہاد؟ "
کیا عورتوں کیلیے بھی جہاد ھے ؟ فرمایا " نعم جہاد ' لا قتال فیـــہ - الحج
و العمرۃ " ھاں ' جہاد ھے مگر اسمیں لڑنا نہیں ھے - حج اور عمرۃ - اس
حدیث میں اُس سعی اور ترک وطن کی محنت کو جو حج و عمرۃ میں
پیش آتی ھے ' عورتوں کیلیے جہاد فرمایا ' اور کہا ایسا جہاد جسمیں لڑائی
نہیں - اس سے معلوم ھوا کہ لڑائی کے الگ کردینے کے بعد بھی حقیقت
" جہاد " باقی رھتی ھے -

اگر اُمت کیلیے دفاع و جنگ کا وقت آ گیا ' یا کھی جماعت مفسدین
ارض پر امام نے حملہ کیا ' تو ایسے وقتوں میں بھی صرف نفس جنگ ھی
نہیں بلکہ سعی و کوشش کی ساری باتیں شریعت کے نزدیک جہاد ھیں -
جسکی طاقت میں جنگ کرنا نہیں ھے اور اُس نے مال دیا تو وہ بھی مجاھد
ھے - جس نے زبان سے دعوۃ و تبلیغ کی وہ بھی مجاھد ھے - جس نے
اس راہ میں اور کسی طرح کی تکلیف و محنت اُٹھائی ' وہ بھی
مجاھد ھے - البتہ ایسے وقتوں میں اگر کوئی مسلمان لڑائی کی طاقت
رکھتا ھے اور اس سے پہلوتہی کرے ' تو اُسکا کوئی عذر نہیں سنا جائیگا -
اسکا شمار مومنوں کی جگہ منافقوں میں ھوگا - جو مال دیسکتا ھے اور نہ دیا '
تو وہ بھی ایمان و اخلاص کی زندگی سے نکل گیا - زمین پر گو مسلمان
کہلاے پر اللہ کے حضور منافق کہلائیگا - جس شخص کی زبان اعلان حق اور
دعوۃ الی الجہاد میں کھل سکتی ھے مگر نہ کھلی ' اُس نے بھی ایمـــان
چھوڑ کر نفاق کی راہ اختیار کرلی - گو شیطان حیل اور نفس خادع اسکو
ھزاروں فریب دیتا رھے - ترمـــذی اور ابو داؤد میں ھے - " افضل الجہاد
کلمۃ حق عند سلطان جایر " سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا جہاد وہ کلمۂ
حق ھے جو شاھان جور و ظلم کے سامنے بے باکانہ کہا جاے -

اور پھر ان سب سے بالاتر مرتبہ اُن مجاھدین کاملین اور اصحاب عزیمۃ
عمل کا ھے ' جنکی زندگی سر تا سر جہاد فی سبیل اللہ ' اور جنکا وجود یکسر
خدمت حق ' و شیفتگی صدق ' و عشق دعوۃ ھے - جو اس عمل مقدس
کیلیے کسی خاص صداے نفیر اور اعلان وقت کے منتظر نہیں رھتے - بلکہ
ھر صبح جو اُنپر آتی ھے ' جہاد فی سبیل اللہ کی صبح ھوتی ھے ' اور ھر شام

کي تاريکي جو اُنپر پهيلتي هے ' وه اسي راه کي شام هوتي هے - اُنکي زندگي پر کوئي لمحه ايسا نهيں گزرتا جو جهاد کے مرتبهٔ عليا و فضيلهٔ عظمیٰ کے اجر و ثواب سے خالي هو -

کائنات هستي کے هر عمل کي طرح يه عمـــل بهي تين عنصروں سے مرکب هے - دل ' زبان ' اعضا و جوارح - سو اُنکا دل هميشه عشق حـــق اور عزم مقصد کي آتش شوق ميں پهنکتا رهتا هے - انکي زبان هميشه اعـــلان حق ' و دعـــوة الی اللـــه ميں سرگرم رهتي هے - اُنکے هاتهه اور اُنکے تمام جوارح کبهي اس راه کي سعي و محنت سے نهيں تهکتے - اسکے بعد جهاد کا کونسا کام رهگيا جو انهوں نے نهيں کيا ؟ اور اس راه کا کونسا مرتبه رهگيا جو اُنهوں نے نهيں پايا ؟ و ذلک فضـــل الله يوتيـــه من يشاء و الله ذوالفضل العظيم !

يه رتبـهٔ بلند ملا جس کو ملگيـا

هر مدعي کے واسطے دار و رسن کهاں ؟

جهاد کي اس حقيقت کو سامنے رکهکر غور کرو ! انساني اعمال کي کونسي برائي اور عظمت هے جو اسکے دائرہ سے باهر رهگئي ؟ اور نوع انساني کي هدايت و سعادت کا کونسا عمل حق هے جو اسکے بغير انجام پا سکتا هے ؟ پس يهي وجه هے که شريعت نے اسکي اهميت و فضيلت پر اسقدر زور ديا که ساري نيکياں ساري عبادتيں اس سے پيچهے رهگئيں - سب کا حکم شاخوں کا هوا - جڑ يهي عمل قرار پايا - اس سے بڑهکر اور کيا دليل فضيلت هوسکتي هے که خود الله کے رسول نے فرمايا : " والذي نفسي بيده ' لودت اني اقتل في سبيل الله ثم احيا ' ثم اقتل ثم احيا ' ثم اقتل ثم احيا ' ثم اقتل " (رواه البخاري) خدا کي قسم ! اگر ممکن هوتا تو ميں يه چاهتا که الله کي راه ميں قتل کيا جاؤں ' پهر زنده هوں - پهر قتل کيا جاؤں ' پهر زنده هوں - پهر قتل کيا جاؤں پهر زنده هوں - پهر قتل کيا جاؤں - تاکه اُسکي راه ميں جان دينے کي لذت و سعادت ايک هي مرتبه ميں ختم نه هوجاے !

تمنت سليمـــي ان نمـــوت بحبها

و اهون شي عنـــدنا ما تمنت !

فصل

(احکام قطعیۂ دفاع)

غرضکہ " دفاع " اسلام کے اُن بنیادي حکموں میں سے ہے ' جنکو ایک مسلمان مسلمان رهکرکبهي ترک نہیں کرسکتا - اگر ایک مسلمان کے دل میں رائي برابر بهي ایمان کي محبت باقي رهگئي ہے ' تو اُسکي طاقت سے باهر ہے کہ اللہ کی یہ صداے حق سنے ' اور از سر تا پا کانپ نہ اُتھے :

یا ایها الذین آمنوا ! ما لکم اذا قیل لکم انفروا في سبیل اللہ ' اثا قلتم الی الارض ؟ ارضیتم بالحیاة الدنیا من الاخرة ؟ فما متاع الحیاة الدنیا فی الاخرة الا قلیل - (٩ : ٣٩)

مسلمانو ! تمہیں کیا هوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے " اللہ کي راہ میں نکل کهڑے هو " تو تمهارے قدموں میں حرکت نہیں هوتي اور زمین پر ڈهیر هوے جاتے هو ؟ کیا تم نے آخرة چهوڑکر صرف دنیا هي کي زندگي پر قناعت کرلي ؟ اگر یہي بات ہے تو یاد رکهو ' جس زندگي پر ریجهے بیٹهے هو ' وہ آخرة کے مقابلہ میں بالکل هي هیچ ہے !

اسکے بعد فرمایا :

الا تنفروا ' یعذبکم عذاباً الیما ویستبدل قوما غیرکم ' ولا تضروہ شیئا - واللہ علی کل شئ قدیر ! (٩ : ٣٠)

یاد رکهو ! اگر تم نے حکم الہي سے سرتابي کي ' اور وقت کے آنے پر بهي راہ حق میں کمر بستہ نہوے ' تو اللہ نہایت هي سخت عذاب میں ڈالکر اسکي سزا دیگا ' اور تمهارے بدلے کسي دوسري قوم کو خدمت اسلام کیلیے کهڑا کردیگا - تم چهانت دیے جاؤگے - کلمۂ حق تمهارا محتاج نہیں ہے - تم هی اپني زندگي و نجات کیلیے اُسکے محتاج هو !

اسلام اور مسلمانوں کي مخالفت ' اُنکي حکومتوں کے مٹانے ' اور اُنکي آبادیوں اور شہروں کو آپسمیں بانٹ لینے کیلیے کفار ایک دوسرے کے ساتهي اور حامي هیں :

والذین کفروا بعضهم اولیاء بعض -

جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کي تو وہ ایک دوسرے کے ساتهي اور مددگار هیں -

مسلمانوں کي مخالفت میں خزانوں کے خزانے خرچ کرڈالتے ھیں :

والذين كفروا ينفقون اموالهم ليصـــدوا عن سبيل الله -	جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کي ' تو وہ حق کي مخالفت میں اپنا مال خرچ کررھے ھیں-

پس مسلمانوں کي بھي سب سے بڑي اسلامي و ایماني خصلت یہ قرار پائي کہ :

والمومنون والمومنات بعضهم اوليـاء بعض - (۹ : ۷۲)	مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں باھم ایک دوسرے کي رفیق اور مددگار ھیں !

اور اسي بنا پر مسلمانوں کا فرض ٹھہرا کہ اگر دنیا کے کسي ایک اسلامي حصہ پر غیر مسلـــم حملہ کریں اور وھاں کے مسلمان اُنکے مقابلہ کی کافي قوت نہ رکھتے ھوں ' یا بالکل مغلوب و مقہور ھوگئے ھوں ' تو تمام دوسرے حصص عالم کے مسلمانوں پر فرض ھے کہ انکي یاوري و اعانت کیلیے اُسي طرح اُٹھہ کھڑے ھوں - جس طرح خود اپني آبادیوں کی حفاظت کیلیے اُٹھتے - اور اپني جان و مال سے اُسي طرح مدد دیں ' جس طرح خود اپنے گھر بار کي حفاظت کیلیے مدد دیتے -

یہ نہ کوئي نیا مذھبي اجتہاد ھے ' نہ کوئي پولیٹکل فتوی - تمام دنیا کے مسلمان فقہ و قوانین شریعت کي جو کتابیں صدیوں سے پڑھتے پڑھاتے آئے ھیں ' اور جو چھپي ھوئي بازاروں میں ھر جگہ ملتي ھیں ' اور جن پر خود ھندوستاني عدالتوں میں عمل کیا جارھا ھے ' اُن سب میں یہ احکام موجود ھیں - اسلامي دینیات کا کوئي طالب علم ایسا نہیں ملیگا جو ان حکموں سے بے خبر ھو - اور پھر ان سب کے اوپر مسلمانوں کي کتاب اللہ ھے جو اپنے ھر پارہ اور ھر سورۃ کے اندر اس حکم کا اعلان اور اس قانون کي پکار تیرہ صدیوں سے بلند کررھي ھے - نوع انساني کي کامل بیس نسلیں گزر چکیں ' اور یہ احکام اپني یکساں ' غیر مبدل ' اٹل ' اور لا انتہا طاقت کے ساتھہ مسلمانوں کے دلوں پر حکمراني کررھے ھیں !

" جہاد " کي بہت سے قسموں میں سے ایک قسم " قتال " یعني لڑائي ھے - اور اُسکي بھي دو صورتیں ھیں - " ھجوم " اور " دفاع " - یعني افنسو (Offensive) اور ڈیفنسو (Defensive) در اصل ھجوم کي بنیاد بھي دفاع ھي ھے - یعنے جب تک دنیا میں عالم گیر صلح و امن اور عام اخوت قائم نہ ھو جاے ' ضروري ھوا کہ حریف و مفسد قوتوں سے ھمیشہ

مقابلہ جاري رکھا جاے - اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو دشمن مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دینگے اور اسلام کي اشاعت اور اسکے مشن کي تبلیغ و تکمیل میں همیشہ مانع هونگے-

فقہاء کي اصطلاح میں فرائض شرعیہ کي دو قسمیں هیں - " کفایہ " اور " عین " - یہ وهي اعمال انساني کي قدرتي تقسیم هے جسکو " جماعتي فرائض " اور " شخصي فرائض " کے ناموں سے موسوم کیا جاتا هے - " فرض کفایۃ " سے مقصود وہ احکام هیں جو بہ حیثیت جماعت و اجتماع قوم پر فرض هیں - نہ کہ بہ حیثیت فرد و افراد - یعنے ایسے فرائض جو مسلمان جماعتوں اور آبادیوں کے ذمے عائد کردیے گئے هیں کہ اُنکا انتظام کردیں - پس انتظام هو جانا چاهیے - یہ ضروري نہیں کہ هر فرد بہ ذات خاص اُس میں حصہ بهي لے- اگر ایک گروہ نے ایک وقت میں انجام دیدیا تو باقي مسلمانوں پر سے اُسوقت ساقط هوگیا - جیسے تجہیز و تکفین اموات اور نماز جنازہ - البتہ ایک مسلمان کیلیے عزیمۃ اسي میں هوگي کہ اداء فرض کفایہ میں بهي شخصاً حصہ لے -

فروض کفایہ میں شریعت کا خطاب اشخاص سے نہیں هے بلکہ جماعت سے هے پس هر مسلمان جماعت اور آبادي کو اُسکا انتظام کر دینا چاهیے - جب انتظام هوگیا تو اس آبادي کے بقیہ افراد پر اسکا وجوب باقي نہ رهیگا -

دوسري قسم " اعیان " کي هے - یعنے وہ فرائض جنکي فرضیت جماعت پر نہیں بلکہ فرداً فرداً هر مسلمان پر عائد هوتي هے - اور ایک کے کرنے سے دوسرا بري الذمہ نہیں هو جاسکتا - جیسے پانچ وقت کي نماز ' روزہ ' زکوۃ ' حج -

شرعاً قتال کي پہلي صورت (یعني هجوم و مقابلہ کا دائمي سلسلہ) فرض کفایۃ هے بحکم " و ما کان المومنون لینفروا کافۃ " - ضروري نہیں کہ بہ یک وقت هر مسلمان اسمیں حصہ لے - هر عہد اور هر ملک میں مسلمانوں کي ایک جماعت ضرور ایسي هوني چاهیے جو یہ فرض انجام دیتي رهے - اگر ایک جماعت انجام دے رهی هے تو کافي هے - جو مسلمان شریک هوگا ' اُسکے لیے بڑا اجر هے - جو شریک نہ هوگا ' اسکے لیے کوئي گناہ نہیں - صاحب هدایہ (جسکا انگریزي ترجمہ بهي هوچکا هے اور هندوستاني عدالتوں میں محمدن لا کي بنیادي کتاب هے) لکھتے هیں :

الجهاد فرض على الكفاية - اذا قام فريق من الناس ، سقط عن الباقين * * فان لم يقم به احد ، أثم جميع الناس بتركه - لان الوجوب على الكل (كتاب السير)

جهاد فرض کفایه ہے - جب مسلمانوں کی کوئی ایک جماعت اسکے لیے کھڑی ہوگئی ، تو باقی مسلمانوں کیلیے واجب نه رہا - لیکن اگر کوئی گروہ بھی اسکے لیے نه اٹھا ، تو پھر تمام مسلمان جہاد ترک کردینے کی وجه سے گناهگار ہونگے - کیونکه فرض پوری قوم پر ہے -

لیکن جماعت سے کیا مقصود ہے ؟ تمام دنیا کے مسلمانوں کی مجموعی جماعت یا ہر ہر ملک اور اقلیم کی جماعت ؟ اسکی تشریح سعدی چلپی حاشیۂ عنایۃ میں کرتے ہیں :

اقول لاینبغي ان یفهم منه ان الوجوب على جمیع اهل الارض کافة حتى یسقط عن اهل الهند بقیام اهل الروم ، اذ لا یندفع بقیامهم الشر عن الهنود المسلمین - و ان قوله تعالى قاتلوا الذین یلونکم من الکفار یدل على ان الوجوب على اهل کل قطر یقربون الکفار - (مجموعۂ فتح القدیر - ۴ : ۲۸۰)

ہدایه کی عبارت کا یه مطلب نه سمجھا جاے که اگر ایک ملک کے مسلمانوں نے یه فرض ادا کردیا تو دوسرے ملک کے مسلمانوں پر سے بھی ساقط ہوگیا - مثلاً اگر روم کے ترکوں نے جہاد قائم رکھا تو ہندوستان کے مسلمانوں پر سے ساقط ہوگیا - کیونکه مقصود قیام جہاد سے یه ہے که مسلمانوں پر سے دشمنوں کے حملوں اور شر کو دور کیا جاے - ظاہر ہے که مسلمانان روم کے جہاد کرنے سے مسلمانان ہند محفوظ نہیں ہو جاسکتے - وہ تو جبھی ہونگے جب خود اپنے ملک میں اسکا انتظام کریں - پس مطلب یه ہے که ہر ملک کے مسلمانوں پر فرض کفایه ہے - اگر اس ملک کے تمام مسلمانوں میں سے ایک جماعت یه فرض انجام دیتی رہی ، تو وہاں کے بقیه مسلمانوں پر سے ساقط ہوجائیگا - لیکن دوسرے ملکوں کے مسلمانوں پر فرضیت باقی رہیگی - قرآن میں ہے : قاتلوا الذین یلونکم من الکفار - اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے که ان مسلمانوں پر جو دشمنوں سے قریب ہوں ، قتال واجب ہے - انتہى -

اس سے واضح ہوگیا که اس فرض میں خطاب تمام مسلمانان عالم سے نہیں ہے بلکه ہر جماعت اور ملک کے مسلمانوں سے ہے - اور على الکفایه ہونے کے معنی یه نہیں ہیں که تمام دنیا کے مسلمانوں میں سے کچھه

مسلمان اسکو انجام دیتے رہیں بلکہ ہر ملک کے مسلمانوں میں سے اُتنے مسلمانوں کو انجام دینا چاہیے جو حصول مقصد جہاد کیلیے کافی ہو - پس ایک ملک میں سلسلۂ جہاد کے بقاء سے دوسرے ملک کے مسلمان بری الذمہ نہیں ہوسکتے اُنپر بدستور اسکا وجوب باقی رہیگا اور بصورت ترک وہاں کے تمام مسلمان گنہ گار ہونگے - گذشتہ پانچ صدیوں سے مسلمانان عالم نے اس فرض شرعي کو فراموش کردیا ہے - اور صرف کسي ایک حصے کے مسلمانوں ھي کے ذمہ اس کو چھوڑ کر خود فارغ البال ہوکر بیٹھہ رہے ہیں - اسي کا نتیجہ ہے کہ اعداء حق کو صدیوں کي صدیاں عروج و ظہور کیلیے مل گئیں ' اور مسلمانوں کیلیے تمام کرۂ ارضي میں کوئي ایک گوشۂ بھي امن و سکون کا باقي نہیں رہا

و ما کان اللہ لیظلمھم و لکن کانوا انفسھم یظلمون !

اور فتح الباري میں ہے " ھو فرض کفایۃ علی المشھور ' الا ان تدعو الحاجۃ الیہ " اسکے بعد کہا " و ان جنس جہاد الکفار متعین علی کل مسلم ' إما بیدہ ' و إما بلسانہ ' و إما بما لہ ' و إما بقلبہ " [جلد ۶ : ۲۸] یعني جہاد کي یہ قسم فرض کفایہ ہے - باقي رہا نفس جہاد ' تو وہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے ' کسي کیلیے ہاتھہ سے ' کسي کیلیے مال سے ' کسي کیلیے دل سے - یعني جس وقت ایک گروہ ہاتھہ اور تلوار سے مشغول جہاد ہوگا تو بقیہ مسلمانوں پر دل اور زبان سے انکے لیے سعي و اعانت فرض ہوگي - اور مال و دولت والوں کا فرض ہوگا کہ مال سے مدد کریں -

اسي طرح اقناع میں ہے " ھو فرض کفایۃ اذا قام بہ من یکفي سقط وجوبہ عن غیرھم " ابن ادریس اُسکي شرح میں لکھتے ہیں " و معني الکفایۃ في الجہاد ان ینھض الیہ قوم یکفون في جہادھم ' إما ان یکونوا جنداً لھم دوا وین او یکونوا اعدوا انفسھم لہ تبرعاً و تکون في الثغور من یدفع العدو عنھا و یبعث في کل سنۃ جیشا یغیرون علي العدو في بلادھم " (جلد ۱ - ۶۵۱)

یہ صورت تو اُس قتال کي ہے جسکي صورت حملۂ و ہجوم کي ہوگي ' دوسري قسم " دفاع " ہے - یعني جب کوئي غیر مسلم جماعت مسلمانوں کي آبادیوں اور حکومتوں پر حملہ کا قصد کرے ' تو اُس حملۂ و تسلط کو ہر طرح مقابلہ کرکے روکنا ' اور اسلامي ملکوں اور آبادیوں کو غیر مسلموں کي حکومت اور ہر طرح کے قبضۂ و اثر سے محفوظ رکھنا -

یہ فرض کفایہ نہیں ہے ' بلکہ بالاتفاق مثل نماز روزہ کے ہر مسلمان پر فرض عین ہے - ایک گروہ کے دفاع کرنے سے باقي مسلمان بري الذمہ نہیں ہوجاسکتے - جسطرح ایک گروہ کے نماز پڑھہ لینے سے باقي مسلمانوں کے ذمہ نماز ساقط نہیں ہو جاتي - اسي ہدایہ میں ہے -

" الا ان یکون النفیر عاماً فحینئذ یصیر من فروض الاعیان "

نفیر " نفر " سے ہے - " نفر " کے معني ہیں تیزي کے ساتھہ ایک جگہ سے دوسري جگہ دوڑ جانا - پس قوم کے ایسے بلاوے اور اجتماع پر جو لڑائي کیلیے ہو " نفیر " کا اطلاق ہوا - قران میں ہے - انفروا خفافا و ثقالا - اور الا تنفروا - مطلب یہ ہے کہ اگر حفظ و دفاع کي ضرورت سے عام اجتماع و قیام کا وقت آ گیا ' تو پھر جنگ کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہوجاتا ہے -

ابن ہمام اسکي شرح میں لکھتے ہیں :

ھذا اذا لم یکن النفیر عاماً ' فاذا کان النفیر عاماً بان ھجموا علی بلدة من بلاد المسلمین ' فیصیر من فروض الاعیان سواء کان المستنفر عدلاً او فاسقاً -
(فتح القدیر - ۴ : ۲۸۰)

فرض کفایہ کي صورت اسوقت تک ہے کہ نفیر کي حالت نہو - لیکن اگر مسلمانوں کے شہروں میں سے کسي شہر پر غیر مسلموں نے حملہ کردیا ' تو اسوقت جنگ کرنا ہر مسلمان فرد پر فرض عین ہوجائیگا - خواہ جنگ کے لیے دعوت دینے والا عادل ہو یا فاسق -

اور عنایہ میں ہے :

ثم الجھاد یصیر فرض عین عند النفیر العام علی من یقرب من العدو وھو یقدر علیه - (مجموعہ فتح القدیر - ۴ : ۲۸۱)

اور اگر نفیر عام کي حالت ہو ' تو پھر جہاد کرنا ان مسلمانوں پر فرض عین ہوجائیگا جو دشمن سے قریب ہوں اور اس پر قابو رکھتے ہوں -

اسي طرح سراجیہ ' در المختار ' شامي وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے - " اذا جاء النفیر انما یصیر فرض عین علی من یقرب من العدو " اور " الجھاد فرض کفایة اذا لم یکن النفر عاماً ' فاذا اقام به البعض ' یسقط عن الباقین - فاذا صار النفیر عاما ' فحینئذ یصیر من فروض الاعیان " الخ -

حملۂ و ہجوم کے دائمی جہاد میں (جب قتال فرض کفایہ ہے ہوتا) بعض جماعتیں مستثنٰی ہیں - مثلاً عورتیں اور نوکر- عورتوں کے لیے شوہر کی خدمت اور نوکر کیلیے آقا کی خدمت مقدم ہے - لیکن اگر دفاع کی صورت پیش آگئی ہو تو اسکی فرضیۃ ایسی ہمہ گیر اور بالاتر ہے کہ بچوں اور معذوروں کے سوا کوئی گروہ، کوئی فرد، مستثنٰی نہیں ہوسکتا۔ بیوی بلا شوہر کی اجازت کے نکل کھڑی ہو- غلام بلا آقا کی اذن کے مشغول جہاد ہو جاے - ہدایہ میں ہے :

فان ہجم العدو علی بلد، وجب علی جمیع الناس الدفع، تخرج المرأۃ بغیر اذن زوجہا والعبد بغیر اذن المولی - لانہ صار فرض عین، وملک الیمین ورق النکاح لا یظہر فی حق فروض الاعیان کما فی الصلوۃ والصوم - بخلاف ما قبل النفیر، لان بغیرہما مقنعا فلا ضرورۃ الی ابطال حق المولی والزوج - (کتاب السیر)

لیکن اگر دشمنوں نے کسی شہر پر حملہ کیا، تو پھر تمام لوگوں پر دفاع فرض ہوگیا - بیوی بلا شوہر کی اجازت کے اور غلام بلا آقا کی اذن کے دفاع میں حصہ لے - اسلیے کہ اب جہاد فرض عین ہوگیا، اور جو فرائض ایسے ہیں، انپر مالکیت اور زوجیۃ کے حقوق موثر نہیں ہوسکتے - جیسے نماز اور روزہ - اگر نماز کا وقت آگیا ہے تو عورت پر نماز فرض ہوگئی - شوہر کی اذن پر موقوف نہیں - البتہ نفیر سے پہلے یہ صورت نہ تھی - اسوقت عورتوں اور غلاموں کی شرکت کے بغیر بھی یہ فرض ادا ہوسکتا تھا - پس ضرورت نہ تھی کہ شوہر اور آقا کے حقوق باطل کیے جائیں -

ہم نے ہدایہ اور متداول کتب فقہ کی عبارتیں سب سے پہلے اسلیے نقل کیں کہ ان کتابوں کے نام سے ہندوستان کی سرکاری عدالتیں بھی آشنا ہیں - اور انگریزی میں محمدن لا پر جسقدر کتابیں لکھی گئی ہیں، سب میں ان کا حوالہ موجود ہے - پس بآسانی دیکھہ لیا جاسکتا ہے کہ فی الحقیقت اسلام کے احکام شرعی یہی ہیں یا نہیں ؟ ورنہ تمام کتب تفسیر و حدیث میں بھی یہ احکام موجود ہیں - امام بخاری نے باب باندھا ہے " وجوب النفیر" یعنے جب حفظ ملت کی ضرورت پیش آ جاے تو قتال کیلیے سب کا اُٹھہ کھڑا ہونا واجب ہے - پھر آیۃ " انفروا خفافا وثقالا " اور " مالکم اذا قیل لکم انفروا " الخ سے وجوب پر استدلال کیا ہے - اسکے بعد حضرۃ ابن عباس کی روایت درج کی ہے " لا ہجرۃ بعد الفتح

و لکن جہاد و نیۃ و اذا استنفرتم فاستنفروا " یعنی وہ جو اوائل اسلام میں ایک خاص طرح کی ہجرۃ فرض ہوئي تھي ' تو فتح مکہ کے بعد اسکي ضرورت نہیں رهي - البتہ جہاد اور عزم جہاد قیامت تک باقي ہے - تو جب جمع ہونے کیلیے پکارے جاؤ ' جمع ہو جاؤ اور جہاد کرو -

فتح الباري میں ہے " الا ان تدعوا الحاجة الیه کان یدهم العدو و یتعین علی من عینه الامام " (جلد ٦ : ٢٨)

اور موطا امام مالک میں ہے " اذا کان الکفار مستقرین ببلادهم ' فالجہاد فرض کفایة ' ان اقام به بعضهم سقط الحرج عن الباقین ' و اذا قصدوا بلادنا و استنفر الامام المسلمین ' وجب علی الاعیان " یعنی اگر کفار اپنے اپنے ملکوں میں ہیں - مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ہوے ہیں - تو اس حالت میں جہاد فرض کفایہ ہے - لیکن جب وہ ہمارے ملکوں کا قصد کریں اور امیر اسلام نفیر کا اعلان کرے تو پھر فرض عین ہو جائیگا -

چونکہ جابجا " نفیر " کا لفظ آیا ہے ' اسلیے یہ بات بھي صاف ہوجاني چاهیے کہ نفیر عام سے مقصود کیا ہے ؟ یہ مقصود ہے کہ دفاع کي ضرورت پیش آ جاے اور ہر شخص کو اُسکا علم ہو جاے - یا یہ مقصود ہے کہ جب تک کوئي بلانے والا مسلمانوں کو نہ بلائیگا ' نفیر عام کي حالت پیدا نہ ہوگي ؟ اسکا جواب شاہ ولي الله نے موطا کي شرح میں دیدیا ہے :

" نزدیک استنفار جہاد فرض علی الاعیان می شود - استنفار را چوں منقح کنیم حاصل شود حالتی کہ مقتضاي استنفار شدہ است از قصد کفار بلاد مارا ' و قیام حرب درمیان جیوش مسلمین و کافرین ' و عدم کفایہ ازاں مسلماناں ' و انچہ بداں ماند " (مسوی جلد ٢ - ١٢٩)

شاہ صاحب کے بیان سے یہ بات واضح ہوگئي کہ نفیر کي صورت کیا ہے ؟ تو یہ ضرور نہیں کہ کوئي خاص شخص مسلمانوں کو یہ کہکر پکارے کہ آؤ جہاد کرو - مقصود یہ ہے کہ ایسي حالت پیدا ہو جاے جو مقتضاے نفیر ہے - پس جب غیر مسلموں نے اسلامي ملکوں کا قصد کیا اور مسلمانوں اور کافروں میں لڑائي شروع ہوگئي تو جہاد فرض ہوگیا ' اور جب دشمنوں کي طاقت اُن ممالک کے مسلمانوں سے زیادہ قوي ہوئي اور انکے شکست کا خوف ہوا ' تو یکے بعد دیگرے تمام مسلمانان عالم پر فرض ہوگیا - خواہ کوئي پکارے یا نہ پکارے - پکارنے والا نہیں ہے تو یہ مسلمانوں

کي بدنظمي و بدحالي ہے - انکا فرض ہوگا کہ داعي و امير کا انتظام کریں یہی حال تمام فرائض کا ہے - نماز کا جب وقت آ جاے تو خواہ موذن کي صداے "حي علی الصلاۃ" سنائي دے یا نہ دے ، وقت کا آ جانا وجوب کیلیے کافي ہوتا ہے -

فصل

(ترتیب وجوب دفاع)

جب دفاع کا فرض عین ہونا واضح ہوگیا ، تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ اس فرض کي انجام دہي کیلیے شریعت نے ایک خاص ترتیب اختیار کي ہے - عقل و حکمت کي بنا پرھي اس معاملہ کي قدرتي اور صحیح ترتیب ہوسکتي تھي - صورت اسکي یہ ہے کہ جب غیر مسلموں نے کسي اسلامي حکومت اور آبادي کا قصد کیا ، تو اس شہر کے تمام مسلمانوں پر بہ مجرد قصد اعداء ، دفاع فرض عین ہوگیا - باقي رہے دیگر ممالک کے مسلمان ، تو اگر زیر جنگ مقامات کے مسلمان دشمن کے مقابلہ کے لیے کافي قوت نہیں رکھتے - دشمن بہت زیادہ قوي ہے - یا رکھتے ہیں اور غفلت و تساہل کرنے لگے ہیں ، تو اس حالت میں یکے بعد دیگرے تمام دنیا کے مسلمانوں پر بھی دفاع فرض عین ہوجائیگا - بالکل اسیطرح جیسے نماز اور روزہ -

مگر صورت اس کي یوں ہوگي کہ پہلے ان مقامات سے قریب تر مقام کے مسلمانوں پر واجب ہوگا - پھر ان سے قریب تر پر - پھر ان سے قریب تر پر - حتی کہ مغرب و مشرق جنوب و شمال ، تمام اکناف عالم کے مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے فرضیت عائد ہوجائیگي -

اسوقت سارے فرائض ، سارے وظائف ، سارے کام ، ملتوي کردینے چاہیئیں - بمجرد اطلاع ہر مسلمان کو اپنی تمام قوتوں اور تمام سامانوں کے ساتھہ وقف دفاع ملت و جہاد في سبیل اللہ ہوجانا چاہیے - اور قیام دفاع کے لیے شرعاً جن جن وسائل و انتظامات کي ضرورت ہے ، سب کو مل جلکر انکا انصرام کرنا چاہیے - اگر کسي آبادي میں مسلمانوں کا کوئي امام و پیشوا نہیں ہے جو نظم و قیام اپنے ہاتھہ میں لے تو سب کا فرض ہوگا کہ پہلے امام

و امیر کا انتظام کریں - پھر جن جن وسائل کی ضرورت ہو اُن کے حصول کے لیے ہر ممکن تدبیر و سعی کام میں لائیں - اگر ایسا نہ کیا گیا تو سب اللہ کے حضور جوابدہ ہونگے - سب مبتلاے معصیت و فسق ہونگے - ایسی معصیت، ایسا فسق، ایسا عدوان، ایسا نفاق، جس کے بعد صرف کفر ہی کا درجہ ہے -

اگر قیامت کا آنا حق ہے، اور یہ جھوٹ نہیں کہ خدا کا وجود ہے، تو مسلمانان عالم کے پاس اُسوقت کیا جواب ہوگا، جب قیامت کے دن پوچھا جائیگا کہ تم کروڑوں کی تعداد میں زندہ و سلامت موجود تھے - تمھارے جسموں سے روح کھینچ نہیں لی گئی تھی - تمھاری قوتوں کو سلب نہیں کرلیا گیا تھا - تمھارے کان بہرے نہ تھے نہ ہاتھ کٹے ہوے اور پانوں لنگڑے - پھر تمھیں کیا ہوگیا تھا کہ تمھارے سامنے تمھارے بھائیوں کی گردنوں پر دشمنوں کی تلواریں چل گئیں - وطن سے بے وطن اور گھر سے بے گھر ہوگئے - اسلام کی آبادیاں غیروں کے قبضۂ و تسلط سے پامال ہوگئیں - پر نہ تو تمھارے دلوں میں جنبش ہوئی، نہ تمھارے قدموں میں حرکت ہوئی، نہ تمھاری آنکھوں نے محبت و ماتم کا ایک آنسو بخشا، اور نہ تمھارے خزانوں پر سے بخل و زر پرستی کے قفل ٹوٹے؟ تم نے چین اور آرام کے بستروں پر لیٹ لیٹ کر بربادی ملت اور پامالی اسلام کا یہ خونین تماشہ دیکھا، اور اُس بے درد تماشائی کی طرح بے حس و حرکت تکتے رہے جو سمندر کے کنارے کھڑے ہوکر ڈوبتے ہوے جہازوں اور بہتی ہوئی لاشوں کا نظارہ کر رہا ہو! ارضیتم بالحیاة الدنیا من الاخرة؟ فما حیاة الدنیا الا قلیل!

فتح القدیر میں ہے:

فیجب علی جمیع اهل تلک البلدة النفر، و کذا من یقرب منهم ان لم یکن باهلها کفایة، و کذا من یقرب ممن یقرب ان لم یکن بمن یقرب کفایة، او تکاسلوا، او عصوا، و هکذا الی ان یجب علی جمیع اهل الاسلام شرقاً و غرباً - (جلد ۴ - صفحہ - ۸۲۰)

اگر غیر مسلموں نے حملہ کیا تو پھر اُس شہر کے تمام باشندوں پر دفاع کے لیے اٹھہ کھڑا ہونا فرض عین ہوجائیگا - اور اگر دشمن زیادہ طاقتور ہیں اور مقابلہ کیلیے وہاں کے مسلمان کافی نہیں، تو جو مسلمان اُنسے قریب ہونگے، انپر بھی فرض عین ہو جائیگا - اور اگر وہ بھی کافی نہیں، یا انھوں نے سستی کی، یا دانستہ انکار کیا، تو پھر اُن تمام لوگوں پر جو اُن سے قریب

هوں یہ فرض عائد ہوگا - اسی طرح یکے بعد دیگرے اسکا وجوب منتقل ہوتا جائیگا - حتی کہ تمام مسلمانوں پر مشرق میں ہوں یا مغرب میں ، دفاع کے لیے اُٹھہ کھڑا ہونا فرض ہوجائیگا - انتہی -

ایسا ہی تمام کتب معتمدۂ فقہ و حدیث میں ہے - عبارتوں کے نقل و ترجمہ میں طول ہوگا - رد المختار وغیرہ شروح میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے :
" فاما من ورائهم ببعد من العدو ، فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعهم تركه ، اذا لم يحتيج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة ، او لم يعجزوا عنها لكنهم تكاسلوا ، فانه يفترض على من يليه فرض كالصلوة والصوم لا يسعهم تركه ، وثم وثم ، الى ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً وغرباً "

اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے " ثم الجهاد يصير فرض عين عند النفير العام على من يقرب من العدو وهو يقدر عليه ، واما من ورائهم فلا يكون فرضاً عليهم الا اذا احتيج اليهم ، اما لعجز القريب واما للتكاسل ، فحينئذ يفرض على من يليهم " الخ -

اور شرح موطا میں ہے " فان لم تقع الكفاية بمن نزل بهم ، يجب على من بعد منهم من المسلمين عونهم " (جلد ۲ - ۱۲۹)

البتہ یاد رہے کہ یہ دفاع کی عام صورت ہے - لیکن دو حالتیں شرعاً ایسی بھی ہیں ، جن میں وجوب دفاع کیلیے یکے بعد دیگرے اس ترتیب اور الاقرب فالاقرب کی ضرورت باقی نہیں رہتی - بیک وقت اور بیک دفعہ ہی تمام مسلمانان عالم پر دفاع فرض ہوجاتا ہے -

پہلی حالت یہ ہے کہ خلیفۂ وقت تمام مسلمانان عالم سے طالب اعانت ہو یا اُسکی بے بسی و بیچارگی کی حالت ایسی ہوجاے کہ بلا تمام مسلمانان عالم کی مجموعی اعانت کے مخلصی و فتح ممکن نہو -

دوسری صورت یہ ہے کہ اسلام کے عین مرکزی مقام یعنی جزیرۂ عرب پر غیر مسلم حملہ آور ہوں جنکو ہمیشہ غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو - تفصیل اسکی آگے آتی ہے -



باب

جزیرۂ عرب و بلاد مقدسہ

فصل

(مرکز ارضي)

کوئي قوم زندہ نہیں رہسکتي ' جب تک اس کا کوئی ارضي مرکز نہو - کوئی تعلیم باقي نہیں رہسکتي ' جب تک اُسکي ایک قائم و جاري درسگاہ نہ ہو - کوئي دریا جاری نہیں رہسکتا ' جب تک ایک محفوظ سر چشمہ سے اُس کا لگاؤ نہ ہو -

نظام شمسي کا ہر ستارہ روشني اور حرارت صرف اپنے مرکز شمسي ھي سے حاصل کرتا ھے - اُسی کي بالا تر جاذبیۃ ھے جسنے یہ پورا معلق کارخانہ سنبھال رکھا ھے ! اللـہ الذی رفع السماوات بغیر عمد ترونہا ' ثم استوی علی العرش ' و سخر الشمس و القمر ' کل یجري لاجل مسمی ! (۱۳ : ۲)

یہي قانون الہي ھے جسپر اُسکي شریعت کے تمام جماعتی احکام مبني ھیں - پس جس طرح اسلام نے امت کے بقا اور حق و ھدایت کے قیام کے لیے ہر طرح کے مرکز قرار دیے ' ضرور تھا کہ ایک ارضي مرکز بھی قیامت تک کیلیے قرار دیدیا جاتا -

اُن بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کي بنا پر جنکي تشریح کا یہ موقعہ نہیں ' اسلام نے اس غرض سے سر زمین حجاز کو منتخب کیا - یہی ناف زمیں دنیا کی آخری اور دائمي ھدایت و سعادت کے لیے مرکزي سرچشمہ اور روحانی درسگاہ قرار پائي - اور چونکہ سرزمین حجاز جزیرۂ عرب میں واقع تھی ' وھي اسلام کا اولین موطن ' وھي اس کا سب سے پہلا سرچشمہ تھا ' اسلیے ضرور تھا کہ اسلامي مرکز کے قریبي گرد و پیش کا بھي وھي حکم ہوتا جو اصل مرکز کا - لہذا یہ تمام سرزمین بھي کہ حجاز کي " وادی غیر ذي زرع " کو گھیرے ہوے ھے ' اسي حکم میں داخل ہوگئي - ذلک تقدیر العزیز العلیم !

" مرکز ارضی " سے مقصـــود یہ ھے کہ اسلام کي دعوۃ ایک عالمگیر اور دنیا کي بین الملي دعوۃ تھي - وہ کسي خاص ملک اور قوم میں محدود نہ تھي - مسلمانوں کي قومیت کے اجزاء تمام کرۂ ارضي میں بکھر جانے اور پھیل جانے والے تھے - پس ان بکھرے ھوے اجزاء کو ایک دائمی متحدہ قومیت کي ترکیب میں قائم رکھنے کیلیے ضروري تھا کہ کوئي ایک مقام ایسا مخصوص کردیا جاتا ' جو ان تمام متفرق و منتشر اجزاء کیلیے اتحاد و انضمام کا مرکزی نقطہ ھوتا - سارے بکھرے ھوے اجزاء وھاں پہنچکر سمت جاتے - تمام پھیلي ھوئي شاخیں وھاں اکٹھي ھوکر جڑ جاتیں - ھر شاخ کو اُس جڑ سے زندگي ملتي ' ھر نہر اُس سر چشمہ سے سیراب ھوتي - ھر ستارہ اُس سورج سے روشني اور گرمي لیتا - ھر دوري اُس سے قرب پاتي - ھر فصل کو اُس سے مواصلت ملتي - ھر انتشار کو اُس سے اتحاد و یگانگي حاصل ھوتی -

وھي مقام تمام اُمت کي تعلیم و ھدایت کیلیے ایک وسطي درسگاہ کا کام دیتا - وھي تمام کرۂ ارضي کی پھیلی ھوئي کثرت کیلیے نقطۂ وحدت ھوتا - ساری دنیا ٹھنڈي پڑ جاتي ' پر اُسکا تنور کبھي نہ بجھتا - ساري دنیا تاریک ھوجاتي ' مگر اُسکي روشني کبھي گل نہ ھوتي - اگر تمام دنیا اولاد آدم کے باھمي جنگ و جدال اور فتنۂ و فساد سے خون ریزي کی دوزخ بن جاتي ' پھر بھي ایک گوشۂ قدس ایسا رھتا جو ھمیشہ امن و رحمت کا بہشت ھوتا ' اور انساني فتنۂ و فساد کي پرچھائیں بھي وھاں نہ پڑ سکتي -

اُسکا ایک ایک چپہ مقدس ھوتا ' اُسکا ایک ایک کونہ خدا کے نام پر محترم ھو جاتا ' اُسکا ایک ایک ذرہ اسکے جلال و قدوسیت کا جلوۂ گاہ ھوتا - خونریز اور سرکش انسان ھر مقام کو اپنے ظلم و فساد کي نجاست سے آلودہ کر سکتا ' پر اُسکي فضاء مقدس ھمیشہ پاک و محفوظ رھتی ' اور جب زمین کے ھر گوشے میں انسانی سرکشي اپني مجرمانہ خداوندی کا اعلان کرتي تو وھاں خدا کي سچی پادشاھت کا تخت عظمت و اجلال بچھہ جاتا ' اور اسکا ظل عاطفت تمام بندگان حق کو اپني طرف کھینچ بلاتا -

دنیا پر کفر و شرک کے جماؤ اور اُتھان کا کیسا ھي سخت اور برا وقت آجاتا ' مگر سچي توحید اور بے میل خدا پرستي کا وہ ایک ایسا گھر ھوتا ' جہاں خدا اور اُسکي صداقت کے سوا نہ کسي خیال کي پہنچ ھوتي ' نہ کسي صدا کی گونج اُتھہ سکتي -

وہ انسان کی پھیلی ہوئی نسل کیلیے ایک مشترک اور عالمگیر گھر ہوتا - کٹ کٹ کر قومیں وہاں جڑتیں ' اور بکھر بکھر کے نسلیں وہاں سمٹتیں - پرند جس طرح اپنے آشیانوں کی طرف اُڑتے ھیں ' اور پروانوں کو تم نے دیکھا کہ روشنی کی طرف دوڑتے - ٹھیک اِسي طرح انسانوں کے گروہ اور قوموں کے قافلے اُسکی طرف دوڑتے ' اور زمین کی خشکي و تري کی وہ ساري راهیں جو اُس تک پہنچ سکتیں ' همیشه مسافروں اور قافلوں سے بھري رھتیں -

دنیا بھر کے زخمي دل وہاں پہنچتے اور شفا اور تندرستي کا مرھم پاتے - بیقرار و مضطر روحوں کیلیے اُسکے آغوش گرم میں آرام و سکون کي ٹھنڈک ھوتی - گناہ کي کثافتوں سے آلودہ جسم وہاں لائے جاتے ' اور محرومي و نامرادي کي مایوسیوں سے گھائل دل چیختے اور تڑپتے ھوے اُس کي جانب دوڑتے ' تو اسکی پاک ھوا امید و مراد کي عطر بیزی سے مشکبار ھوجاتي ' اسکے پہاڑوں کی چوٹیاں خدا کی محبت و بخشش کے بادلوں میں چھپ جاتیں ' اور اُس کی مقدس فضاء میں رحمت کے فرشتے غول در غول اُتر کر اپني معصوم مسکراھٹ اور اپنے پاک نغموں کے ساتھہ مغفرت و قبولیت کی بشارتیں بانٹتے !

شاخوں کی شادابی جڑ پر موقوف ھے - درختوں کی جڑ اگر سلامت ھے تو شاخوں اور پتوں کے مرجھا جانے سے باغ اُجڑ نہیں جا سکتا - دس ٹہنیاں کاٹ دي جائینگی ' تو بیس نئي نکل آئینگي - اسي طرح قوم کا مرکز ارضي اگر محفوظ ھے ' تو اسکے بکھرے ھوے ٹکڑوں کي بربادی سے قوم نہیں مٹ جاسکتي - سارے ٹکڑے مٹ جائیں ' مگر مرکز باقی ھے تو پھر نئي نئی شاخیں پھوٹینگي اور نئی نئی زندگیاں اُبھرینگي - پس جس طرح مسلمانوں کے اجتماعی دائرہ کیلیے خلیفۂ و امام کے وجود کو مرکز ٹھہرایا گیا ' اُسي طرح اُنکی ارضی وسعت و انتشار کیلیے عبادتکدۂ ابراھیمي کا کعبة الله ' اسکي سرزمین حجاز ' اور اُسکا ملک جزیرۂ عرب ' دائمی مرکز قرار پایا - یہی معنی ان آیات کریمه کے ھیں که :

جعل الله الکعبة البیت الحرام قیاماً للناس (٥ : ١٠٠)	الله نے کعبه کو که اسکا محترم گھر ھے ' انسانوں کے بقاۓ قیام کا باعث ٹھہرایا -

و اذ جعلنا البيت مثابة للناس و امنا (۲:۱۲۵) — اور جب ایسا ہوا کہ ہم نے خانۂ کعبہ کو انسانوں کیلیے اجتماع کا مرکز اور امن کا گھر بنایا۔

اور

من دخلہ کان امنا (۳ : ۹۷) — جو اسکے حدود کے اندر پہنچ گیا، اسکے لیے کسي طرح کا خوف اور ڈر نہیں -

اور یہي علت تھي تحویل قبلہ کي - نہ وہ جو لوگوں نے سمجھي :

و حیث ما کنتم فولوا وجوهكم شطرہ (۲:۱۵۰) — اور تم کہیں بھي ہو، لیکن چاهیے کہ اپنا رخ اسي کي جانب رکھو !

کیونکہ جب یہي مقام ارضي مرکز قرار پایا، تو تمام افراد قوم کیلیے لازمي ہوا کہ جہاں کہیں بھي هوں، رخ اُنکا اسي طرف رہے - اور دن میں پانچ مرتبہ اپنے قومي مرکز کے طرف متوجہ ہوتے رهیں - اور یاد رہے کہ من جملہ بے شمار مصالح و حکم کے، ایک بڑي مصلحت فریضۂ حج میں یہ بھي ھے کہ ساري اُمت، تمام کرۂ ارضي، اور تمام اقوام عالم کو، اس نقطۂ مرکز سے دائمي پیوستگي بخشدي :

و اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (۲۲ : ۲۸) — اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو - پھر ایسا ہوگا کہ ساري دنیا کو یہ گوشۂ برکت کھینچ بلائیگا - لوگوں کے پیادے اور سوار قافلے دور دور سے یہاں پہنچیں گے !

فصل

(احکام شرعیہ)

اس مرکز کے قیام و بقاء کیلیے سب سے پہلي بات یہ تھي کہ دائمي طور پر اسکو صرف اسلام کیلیے مخصوص کردیا جاے - جبتک یہ خصوصیت قائم نہ کي جاتی، امت کیلیے اس مرکزیت کے مطلوبہ مقاصد و مصالح حاصل نہ ہوتے -

چنانچہ اسی بنا پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا : انما المشرکون نجس، فلا یقربو المسجد الحرام بعد عامهم هذا - مسجد حرام کے حدود صرف توحید کي پاکي کیلیے مخصوص هیں - اب آیندہ کوئي غیر مسلم اس کے

قریب بھی نہ آنے پاے - یعنی نہ صرف یہ کہ وہاں غیر مسلم نہ رہیں ' بلکہ کسی حال میں داخل بھی نہ ہوں - جمہور اہل اسلام نے اتفاق کیا کہ مسجد حرام سے مقصود صرف احاطۂ کعبہ ہی نہیں ہے ' بلکہ تمام سرزمین حرم ہے - اور دلائل و مباحث اسکے اپنے مقام پر درج ہیں -

اور اسی طرح احادیث صحیحۂ و کثیرہ سے جو حضرة علی ' سعد بن وقاص ' انس ' جابر ' ابو ہریرہ ' عبد اللہ بن زید ' رافع بن خدیج ' سہل بن حنیف ' وغیرہم اجلۂ صحابہ سے مروی ہیں ' ثابت ہوچکا ہے کہ مدینہ کی زمین بھی مثل مکہ کے حرم ہے ' اور عیر و ثور اسکے حدود ہیں - " المدینة حرام ما بین عیر الی ثور " اخرجہ الشیخان - اور روایت سعد کہ " انی احرم ما بین لابتی المدینہ ان یقطع عضا ہا او یقتل صیدہا " رواہ مسلم - اور روایت انس متفق علیہ کہ " اللہم ان ابراہیم حرم مکہ ' و انی احرم ما بین لابتیہا " (۱) خدایا ! ابراہیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا اور میں مدینہ کو ٹھہراتا ہوں !

یہ احکام تو خاص اس مرکز کی نسبت تھے - باقی رہا اسکا گرد و پیش ' یعنی جزیرۂ عرب ' تو گو اسکے لیے اسقدر اہتمام کی ضرورت نہ تھی ' تاہم اسکا خالص اسلامی ملک ہونا ضروری تھا - تاکہ اسلامی مرکز کا گرد و پیش اور اسکا مولد و منشاء ہمیشہ غیروں کے اثر سے محفوظ رہے -

اسلام کا جب ظہور ہوا تو علاوہ مشرکین عرب کے یہود و نصارا کی بھی ایک بڑی جماعت جزیرۂ عرب میں آباد تھی - مدینہ میں یہودیوں کے متعدد قبیلے تھے - خیبر میں انہی کی ریاست تھی - یمن میں نجران عیسائیوں کا بڑا مرکز تھا -

مدینہ کی سرزمین خود آپکی زندگی ہی میں یہودیوں سے خالی ہوگئی - آخری جماعت جو مدینہ سے خارج کی گئی ' بنو قینقاع اور بنو حارثہ کا گروہ تھا - امام مسلم نے ابن عمر کا قول نقل کیا ہے " ان یہود بنی النضیر حاربوا رسول اللہ صلعم فاجلی بنی النضیر و اقر قریظہ و من علیہم ' حتی حاربت قریظہ ' فقتل رجالہم و قسم اولادہم و نسائہم بین المسلمین

---

(۱) زیادہ مفصل بحث رسالہ " جامع الشواہد " میں لکھہ چکا ہوں - اِس رسالہ کا اصل موضوع مسئلہ خلافت ہے - یہ تذکرہ ضمناً آگیا ہے - پس اشارات پر اکتفا کیا گیا -

الا بعضهم لحقوا برسول الله فامنہم و اسلموا ، و اجلی یہود المدینة کلهم بني قینقاع و هم قوم عبد الله بن سلام و یہود بني حارثه ، و کل یہودي کان بالمدینه "

بخاري و مسلم میں اس آخري اخراج کا واقعه بروایت حضرة ابو هریرة مروي هے - آپ صحابه کو ساتهه لیکر یہودیوں کي تعلیم گاه میں تشریف لیگئے اور فرمایا " یا معشر الیہود ! اسلموا تسلموا " اسلام قبول کرو - نجات پاؤگے - پهر فرمایا " اعلموا ان الارض لله و رسوله و اني ارید ان اجلیکم من هذه الارض ، فمن وجد منکم بماله شیئاً فلیبعه ، و الا ، فاعلموا ان الارض لله و رسوله " میں نے اراده کرلیا هے که تم کو اس ملک سے خارج کردوں - پس اپنا مال و متاع فروخت کرنا چاهو تو کردو - ورنه جان رکهو که اس ملک کي حکومت صرف الله اور اُسکے رسول هي کیلیے هے -

جب آپ دنیا سے تشریف لیگئے تو دو مقام ایسے رهگئے تهے جهاں سے یہود و نصارا کا اخراج نه هوسکا تها - خیبر اور نجران - پس آپنے وصیت فرمائي که آینده جزیرۂ عرب صرف اسلام کیلیے مخصوص کردیا جاے - جو غیر مسلم اس ملک میں باقي رهگئے هیں ، خارج کردیے جائیں - امام بخاری نے باب باندها هے " اخراج الیہود من جزیرة العرب " اسمیں پهلي روایت یہود مدینه کے اخراج کي لاے هیں جو اوپر گزرچکي - دوسري روایت حضرت ابن عباس کي هے - آنحضرة صلعم نے مرض الموت میں تین باتوں کي وصیت فرمائي تهي - ایک یه تهي " اخرجوا المشرکین من جزیرة العرب " حافظ ابن حجر لکهتے هیں " اقتصر علی ذکر الیہود لانهم یوحدون الله تعالی الا القلیل و مع ذلك امر باخراجهم ، فیکون اخراج غیرهم من الکفار بطریق اولی " (فتح الباري - ٦ : ۱۹۴) یعنی امام بخاری نے عنوان باب میں صرف یہود کا ذکر کیا - اسمیں استدلال یه هے که تمام غیر مسلم اقوام میں یہودي سب سے زیاده توحید کے قائل هیں - انکو خارج کیا گیا تو دیگر مذاهب کے اخراج کا وجوب بدرجۂ اولی ثابت هوگیا - پس حاجت تصریح نہیں -

حضرة عمر کي روایت میں " یہود و نصاری " کا لفظ هے " لاخرجن الیہود و النصاری من جزیرة العرب حتی لا ادع الا مسلما " رواه مسلم و احمد و الترمذي و صححه - ابو عبیده بن جراح سے امام احمد نے روایت کیا هے : " اخر ما تکلم به رسول الله صلعم اخرجوا یہود اهل الحجاز و اهل نجران من جزیرة العرب " حضرة عائشه کي روایت میں اسکي علت بهي واضح کردي

ہے " آخر ما عہد رسول اللہ صلعم ان قال لا یترک بجزیرۃ العرب دنیان " رواہ احمد - یعنی سب سے آخری وصیت رسول اللہ کی یہ تھی کہ جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہ ہوں - صرف اسلام ہی کیلیے مخصوص ہوجاے - امام مالک نے موطا میں عمر بن عبد العزیز اور ابن شہاب کے مراسیل نقل کیے ہیں اور مصمودی وغیرهم نے باب باندھا ہے " اخراج الیہود و النصاری من جزیرۃ العرب " عمر ابن عبد العزیز کی روایت میں ہے : " کان من آخر ما تکلم بہ رسول اللہ صلعم انہ قال قاتل اللہ الیہود و النصاری ' اتخذوا قبور انبیائہم مساجد - لا یبقیان دنیان بارض العرب " اور ابن شہاب کا لفظ ہے " لا یجتمع دنیان فی جزیرۃ العرب "

حضرۃ عمر ابن عبد العزیز نے آخر تکلم " قاتل اللہ الیہود و النصاری " جو نقل کیا ہے ' تو حضرۃ عائشہ سے صحیحین وغیرہا میں بطریق رفع بھی ثابت ہے -

حافظ نواوی نے گو امام بخاری کا اتباع کیا اور " اجــلاء الیہــود " کا باب استدلالاً کافی سمجھا ' لیکن حافظ منذری نے تلخیص مسلم میں " اخراج الیہود و النصاری من جزیرۃ العرب " کا الگ باب باندھکر جزیرۂ عرب والی روایتیں روایات اجلاء یہود سے الگ کردی ہیں - یہ وصیۃ نبوی علاوہ طرق بالا کے منسند امام احمد ' مسند حمیدی ' سنن بیہقی وغیرہ میں بھی مختلف طریقوں سے مروی ہے ' اور سب کا مضمون متحد اور باہمدگر اجمال و تبیین اور اعتضاد و تقویت کا حکم رکھتا ہے -

احکام شرعیہ دو قسم کے ہیں - ایک قسم اُن احکام کی ہے جنکا تعلق افراد کی اصلاح و تزکیہ سے ہوتا ہے - جیسے تمام اوامر و نواہی اور فرائض و واجبات - دوسرے وہ ہیں جنکا تعلق افراد سے نہیں بلکہ اُمت کے قومی اور اجتماعی فرائض اور ملکی سیاسیات سے ہوتا ہے - جیسے فتح ممالک اور قوانین سیاسیۂ و ملکیہ -

سنۃ الہی یوں واقع ہوئی ہے کہ پہلی قسم کے احکام خود شارع کی زندگی ہی میں تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں ' اور وہ دنیا نہیں چھوڑتا مگر اُنکی تکمیل کا اعلان کرکے - لیکن دوسری قسم کے لیے ایسا ہونا ضروری نہیں - بسا احکام ایسے ہوتے ہیں جنکے نفاذ و وقوع کے لیے ایک خاص وقت مطلوب ہوتا ہے اور وہ شارع کے بعد بتدریج تکمیل و تنفیذ پاتے ہیں - پس

اُن کي نسبت يا تو بطريق پيشين گوئي کے خبر ديدي جاتي ھے - يا اپنے جانشينوں کو وصيت کردي جاتي ھے -

يہ معاملہ اسي دوسري قسم ميں داخل تھا - پس ضرور نہ تھا کہ اس کا پورا پورا نفاذ خود آنحضرۃ صلعم کي حيات طيبہ ھي ميں ھوجاتا - آپ نے يہود مدينہ کے اخراج سے عملاً نفاذ شروع کرديا - يہود خيبر سے ابتدا ھي ميں شرط کرلي تھي کہ جب ضرورت ھوگي ' اس سرزمين سے خارج کرديے جاؤگے - پھر تکميل کيليے اپنے جانشينوں کو وصيت فرمادي - چنانچہ حضرۃ عمر (رض) کے زمانے ميں تکميل کا وقت آگيا - اور يہود خيبر نے طرح طرح کي شرارتيں اور نا فرمانياں کرکے خود ھي اس کا موقعہ بہم پہنچاديا - پس حضرۃ عمر نے اس وصيت کي تحقيق کي ' اور جب پوري طرح تصديق ھوگئي تو تمام صحابہ کو جمع کرکے اعلان کرديا - سب نے اتفاق کيا ' اور يہود خيبر و فدک خارج کرديے گئے - اسي طرح نجران سے بھي عيسائيوں کا اخراج عمل ميں آيا - امام زھري نے ابن عتبہ سے اور امام مالک نے ابن شہاب سے روايت کيا ھے " ما زال عمر حتى وجد الثبت عن رسول اللـــہ انہ قال لا يجتمع بجزيرة العرب دينان ' فقال من كان لہ من اهل الكتابين عهد فليات بہ ' انفـــذ لہ ' والا فاني مجليكم ' فاجلا هم " (اخرجـــہ ابن ابي شيبہ)

امام بخاري نے يہود خيبر کے اخراج کا واقعہ کتاب الشروط کے باب " اذا اشترط فى المزارعة اذا شئت اخرجتک " ميں درج کيا ھے ' اور ترجمۂ باب ميں استدلال ھے کہ يہود خيبر کا تقرر پہلے ھي سے عارضي و مشروط تھا - بالاستقلال نہ تھا - حافظ عسقلاني لکھتے ھيں - حضرۃ عمر کے اجلاء کردہ اھل کتاب کي تعداد چاليس ھزار منقول ھے -

پس صاحب شريعت کے قول و عمل ' اُن کے آخرين لمعات حيات کي وصيت ' حضرۃ عمر کے فحص و تصديق ' تمام صحابہ کے إجماع و اتفاق سے يہ بات ثابت ھوگئي کہ اسلام نے ھميشہ کيليے جزيرۂ عرب کو صرف اسلامي آبادي ھي کے ليے مخصوص کرديا ھے - الا يہ کہ کسي مصلحت سے خليفۂ وقت عارضي طور پر کسي گروہ کو داخل ھونے کي اجازت ديدے - اور ظاھر ھے کہ جب وھاں غير مسلموں کا قيام اور دو دينوں کا اجتماع شريعت کو منظور نہيں ' تو غير مسلم کي حکومت يا حاکمانہ نگراني و بالا دستي کو جائز رکھنا کب مسلمانوں کيليے جائز ھوسکتا ھے ؟

فصل

(جزیرۂ عرب کی تحدید)

باقی رہا یہ مسئلہ کہ جزیرۂ عرب سے مقصود کیا ہے ؟ تو یہ بالکل صاف و واضح ہے - اس کے لیے کسی بحث و نظر کی ضرورت ہی نہیں - نص حدیث میں " جزیرۂ عرب " کا لفظ وارد ہے ' اور عقلاً و اصولاً معلوم ہے کہ جب تک کوئی سبب قوی موجود نہ ہو ' کسی لفظ کے منطوق اور عام و متعارف مدلول سے انحـــراف جائز نہ ہوگا - اور نہ بلا مخصص کے قیاساً تخصیص جائز - شارع نے " جزیرہ " کا لفظ کہا ' اور دنیا میں اس وقت سے لیکر ابتک جزیرۂ عرب کا اطلاق ایک خاص ملک پر ہر انسان کو رہا اور جاری رہا ہے - پس جو مطلب اسکا سمجھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا ہے ' وہی سمجھا جایگا -

تمام مورخین اور جغرافیہ نگاران قدیم و جدید متفق ہیں کہ عرب کو " جزیرہ " اسلیے کہا گیا کہ تین طرف سمندر اور ایک جانب دریا کے پانی سے محصور ہے - یعنی تین طرف بحـــر ہند ' خلیج فارس ' بحر احمر و قلزم واقع ہیں - ایک جانب دریاے دجلہ و فرات -

فتح الباری وغیرہ میں ہے " قال الخلیل سمیت جزیرۃ العرب ' لان بحر فارس و بحر الحبشہ و الفرات و الدجلہ احاطت بہا " (۶ : ۱۱۸) اور اصمعی کا قول ہے : " لاحاطۃ البحار بہا ' یعنی بحر الہند و القلزم و بحر فارس و بحر الحبشہ و دجلہ " (ایضاً)

نہایہ میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے " سمیت جزیرۃ لان بحر الفارس و بحر السودان احاط بجانبیہا ' و احاط بالجانب الشمالی دجلہ و الفرات " -

یہی قول ارباب لغۃ کا بھی ہے - قاموس میں ہے " جزیرۃ العرب ما احاط بہ بحر الہند و الشام ثم دجلہ و الفرات " پروفیسر پطرس بستانی نے بھی (جو زمانۂ حال میں شام کا ایک مشہور مسیحی مصنف گزرا ہے اور جس نے عربی میں انسائیکلو پیڈیا لکھنی شروع کی تھی) محیط المحیط میں یہی تعریف کی ہے -

حاصل سب کا یہي ہے کہ جزیرۂ عرب وہ سرزمین ہے جسکے تین جانب سمندر ہیں اور شمالي جانب دریاے دجلۂ و فرات -

سب سے زیادہ مفصل جغرافیہ یاقوت حموي نے معجم البلدان میں دیا ہے - اِس سے زیادہ جامع و معتبر کتاب عربي میں جغرافیہ و تقویم بلدان کي کوئي نہیں :

" انما سمیت بلاد العرب جزیرة لاحاطة الانہار و البحار ' و ذلک ان الفرات اقبل من بلاد الروم ' فظہر بناحیة قنسرین ' ثم انحط علی اطراف الجزیرة و سواد العراق ' حتی وقع في البحر في ناحیة البصرة و الابلہ ' و امتد الی عبادان ' و اخذ البحر في ذلک الموضع مغربان منعطفاً ببلاد العرب " الخ -

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ عرب اسلیے جزیرہ مشہور ہوا کہ سمندروں اور دریاؤں سے گھرا ہوا ہے - صورت اسکی یوں ہے کہ دریاے فرات بلاد روم سے شروع ہوا ' اور قنسرین کے نواح میں عرب کی سرحد پر ظاہر ہوا - پھر عراق میں ہوتا ہوا بصرہ کے پاس سمندر میں جا ملا - وہاں سے پھر سمندر نے عرب کو گھیرا ' اور قطیف و ہجر کے کناروں سے ہوتا ہوا عمان اور شحر سے گزرگیا - پھر حضرموت اور عدن ہوتا ہوا پچھم کي جانب یمن کے ساحلوں سے جا ٹکرایا - حتی کہ جدہ نمودار ہوا جو مکۂ و حجاز کا ساحل ہے - پھر ساحل طور اور خلیج ایلہ پر جاکر سمندر کي شاخ ختم ہوگئي - پھر سرزمین مصر شروع ہوتي ہے اور قلزم نمودار ہوتا ہے ' اور اسکا سلسلہ بلاد فلسطین سے سواحل عسقلان ہوتا ہوا سر زمین صور و ساحل اردن تک بیروت پر پہنچتا ہے ' اور آخر میں پھر قنسرین تک منتہی ہوکر وہ جگہ آجاتي ہے جہاں سے فرات نے عرب کا احاطہ شروع کیا تھا - پس اس طرح چاروں طرف پانی کا سلسلہ قائم ہے - بحر احمر اور قلـــزم کي درمیاني خشکی بھی پاني سے خالي نہیں - کیونکہ سوڈان سے دریاے نیل وہاں آ پہنچا ہے اور قلزم میں گرا ہے - یہی جزیرہ ہے جس سے عرب کي سر زمین عبارت ہے ' اور یہي عرب اقوام کا مولد و منشاء ہے - انتہی ملخصا - (جلد ۳ - ۱۰۰)

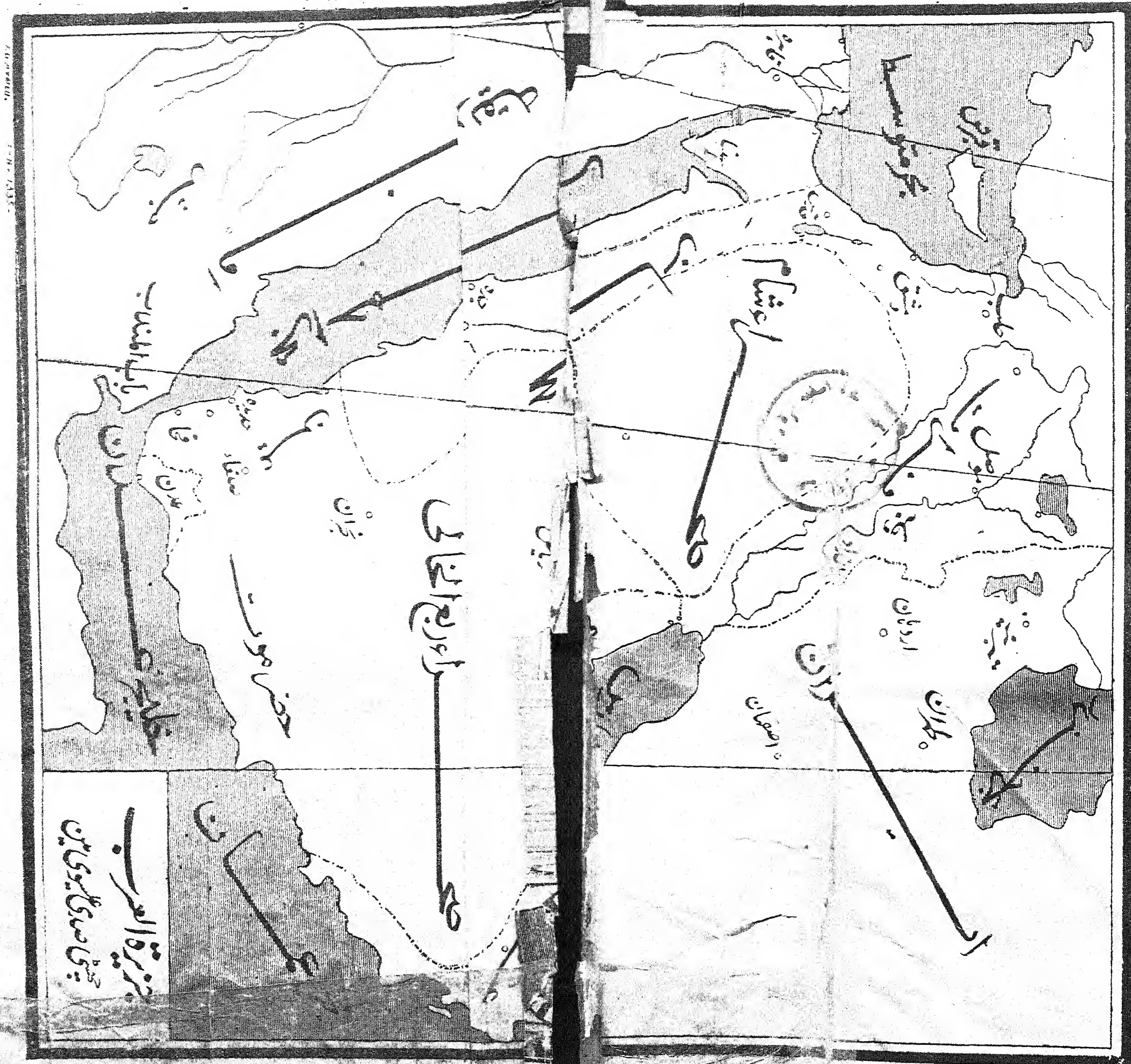
اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ جزیرۂ عرب کے حدود کیا ہیں ؟ عرب کا نقشہ اپنے سامنے رکھو اور اسپر مندرجۂ بالا تخطیط منطبق کرکے دیکھو - اوپر شمال ہے - دھنے مشرق - بائیں مغرب - شمال میں دریاے فرات مغرب سے خم کھاتا ہوا نمودار ہوتا ہے اور صحراے شام کے کنارے سے گزرتا

ہوا دجلہ میں ملجاتا ہے - پھر دونوں ملکر خلیج فارس میں گرتے ہیں - فرات کے پیچھے دجلہ کا خط ہے - اسي پر بغداد واقع ہے - خلیج فارس کے مشرق میں ایران ہے اور مغربی ساحل میں قطیف و حساء - پھر یہ خلیج تنگ نائے ہرمز سے نکل کر مسقط و عمان کے کناروں سے گزرتا ہے اور اسکے بعد هي بحر عمان نمودار ہوجاتا ہے - اسکے بعد حضرموت کا ساحل دیکھوگے - پھر عدن آگیا' اور باب المندب سے جونہي آگے بڑھے' بحر احمر شروع ہوگیا - چونکہ اسکا مغربي ساحل افریقــہ و حبش سے متصل ہے ' اسلیے قدیم جغرافیہ میں اسکو بحر حبش بھي کہتے تھے - بحر احمر کے کنارے پہلے یمن ملیگا - پھر جدہ - اسکے بعد ساحل حجاز - حتی کہ سمندر کي شاخ پتلی ہوکر طور سینا تک منتہي ہوگئي ' اور اسکے ساتھہ هي خلیج عقبہ کي شاخ نمودار ہوئی - اب مصر کي سر زمین شروع ہوگئی - نہر سوئیس کے بننے سے پہلے یہ خشکی کا ایک ٹکرہ تھا جس نے بحر احمر کو بحر متوسط سے جدا کردیا تھا - اسلیے صاحب' معجم نے یہاں دریاے نیل کا ذکر کیا ' جسکو اسی درمیاني تختۂ خشک کے بائیں جانب دیکھہ رہے ہو - وہ قاہرہ سے ہوتا ہوا اسکندریہ کے پاس سمندر میں گرتا ہے - پس اگرچہ اس زمانے میں یہ ٹکرہ خشک تھا مگر سمندر کي جگہ دریاے نیل کا خط آبي موجود تھا -

اس کے بعد بحر متوسط ہے جس کے ابتدائي حصہ کو قدیم جغرافیہ نویس بحر مصر و شام سے موسوم کرتے تھے - اسي پر بیروت واقع ہے اور ساحل سے اندر کي جانب دیکھوگے تو پھر وهي مقام سامنے ہوگا ' جہاں سے دریاے فرات نمودار ہوکر خلیج فارس کي جانب بڑھا تھا -

پس یہ ایک مثلث نما ٹکرہ ہے جو اس تمام بحري احاطہ کے اندر واقع ہے - صرف خشکي کا ایک حصہ شمال میں فرات کے بائیں جانب نظر آتا ہے - یعني سرحد شام - یہي مثلث ٹکرہ جزیرۂ عرب ہے - قدیم و جدید جغرافیہ نگار' دونوں اس پر متفق ہیں -

اس سے معلوم ہوا کہ عرب کے " جزیرہ " اور " جزیرہ نما " ہونے میں سب سے زیادہ اہم وجود دریاے دجلۂ و فرات کا ہے - کیونکہ اگر یہ عرب کے حدود سے کوئي متصل تعلق نہیں رکھتے ' تو پھر اس کي ایسي صورت هي باقي نہیں رهتي جس پر جزیرہ کا اطلاق ہوسکے - یعني شمال کي جانب بالکل خشک رهجاتي ہے - یہي وجہ ہے کہ جس کسي نے عرب کي تعریف کي'



ں ملکر خلیج فارس میں گرتے هیں -
ي پر بغداد واقع هے - خلیج فارس کے
حل میں قطیف و حساء - پھر یہ خلیج
عمان کے کنارں سے گزرتا هے اور اسکے
- اسکے بعد حضرموت کا ساحل دیکھوگے -
رتھي آگے بڑھے' بحر احمر شروع هوگیا -
ر حبش سے متصل هے ' اسلیے قدیم
تے تھے - بحر احمر کے کنارے پہلے یمن
حجاز - حتی که سمندر کي شاخ پتلی
ر اسکے ساتھه هي خلیج عقبه کي شاخ
شروع هوگئی - نہر سوئیس کے بننے سے
نے بحر احمر کو بحر متوسط سے جدا
ں دریاے نیل کا ذکر کیا' جسکو اسی
ب دیکھه رهے هو - وه قاهره سے هوتا هوا
- پس اگرچه اُس زمانے میں یه ٹکڑہ
یل کا خط آبي موجود تھا -

ابتدائي حصه کو قدیم جغرافیه نویس
سي پر بیروت واقع هے اور ساحل سے
مقام سامنے هوگا ' جہاں سے دریاے
ں بڑھا تھا -

ے جو اس تمام بحري احاطه کے اندر
شمال میں فرات کے بائیں جانب نظر
ٹکڑہ جزیرۂ عرب هے - قدیم و جدید
-

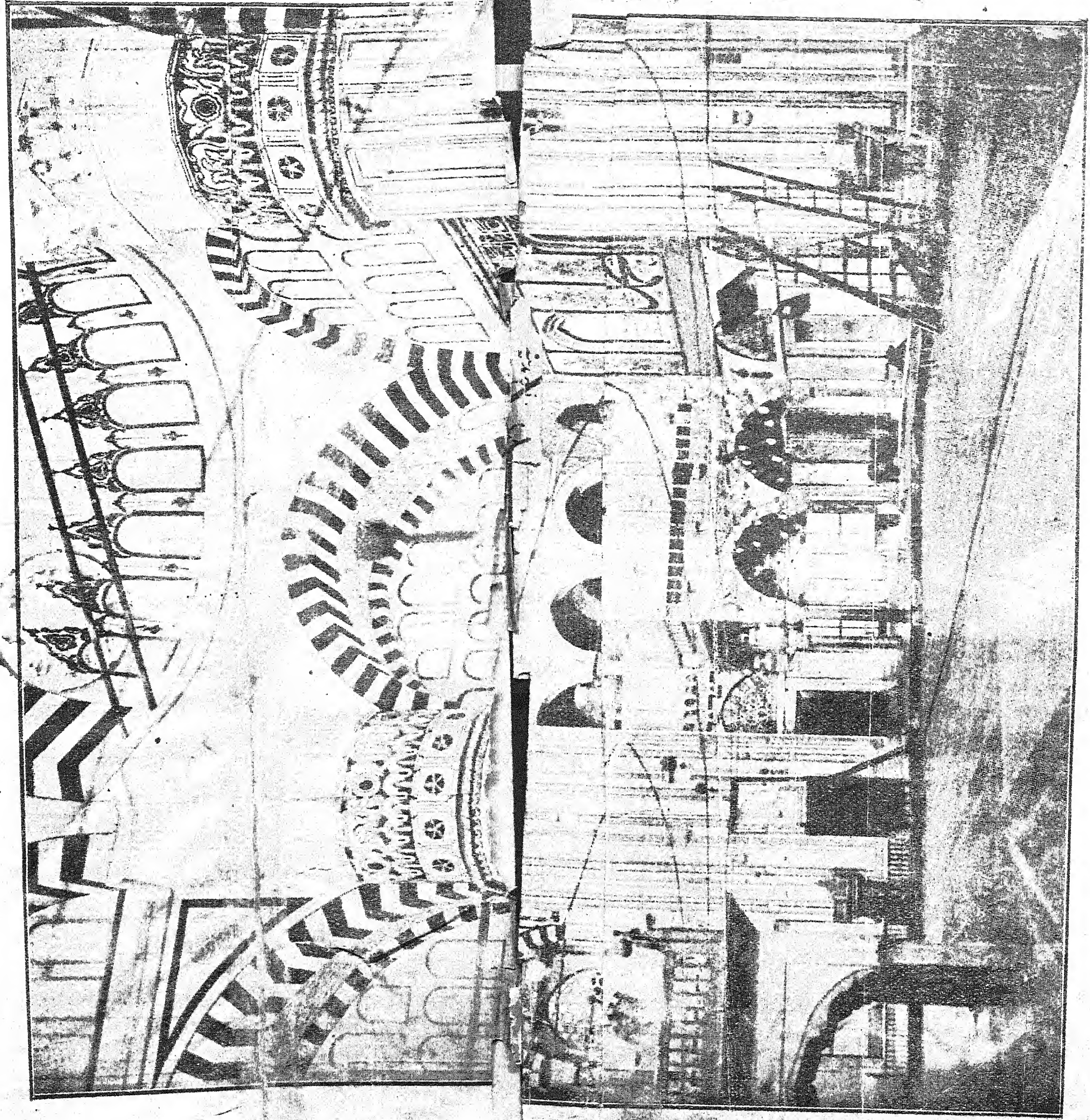
یرہ " اور " جزیرہ نما " هونے میں
فرات کا هے - کیونکه اگر یه عرب کے
' تو پھر اس کي ایسي صورت هي
رسکے - یعني شمال کي جانب بالکل
ں کسي نے عرب کي تعریف کي '

احاطۂ بحر و فہر کا لفظ کہکر واضح کردیا کہ
هوا هے - اور جنہوں نے مقامات کے نام لیکر
صاف کہدیا کہ شمالي حد دجلہ هے - نہا
میں اصمعي کا قول منقول هے " من اقص
طولاً ' و من جدہ و ساحل البحر الی ا
" هي ما بین عدن الی ریف العراق طو
یہي قاموس میں هے - ایسا هي ابن
طہطاوي نے قدیم و جدید کتب سے اخذ
امرید الجغرافیہ " لکھي - اسمیں بھي
کي تفصیل اور تمام اقوال سے ثابت هو
عراق کي ترائي تک ' اور عرض میں س
پھیلا هوا هے - اس کي حد شمال میں
عرض کا خط کھینچیں تو بائیں جانب شام
کے یہي حدود بتلائے جاتے هیں - پچھم
پورب میں خلیج فارس ' اور دکھن میں

اسی معجم البلدان میں عراق کي
" ای انها اسفل ارض العرب " (جلد
کہ زمین عرب کا سب سے زیادہ نچلا ح
عراق عرب میں داخل هے - البتہ عراق
اس میں داخل نہ هوگا -

هم یہاں عرب کا ایک نقشہ تفسی
هیں - اس نقشہ میں ظہور اسلام کے
هے - یہ نقشہ در اصل یورپ کے بعض
نے قدیم نقشوں اور تعریفات سے مدد
پروفیسر فرڈنینڈ ویسٹن فیلڈ (feld
یونیورسٹی سے شائع کیا - جزیرۂ عرب
زیادہ صحیح اور مستند نقشہ یہي
قافلوں کي وہ سڑکیں دکھلائي هیں
اندرونی مقامات سے سواحل تک ج

حتی المحاریب تبکي وهي جامدة
حتی المنابر ترثي وهي عیدان !



ایڈریا نوپل کی جامع مسجد
جو بقیۂ یوروپین ترکی میں اسلام کی آخری متاعِ عزت تھی اور یونان کے سپرد کردی گئی !

احاطۂ بحر و نہر کا لفظ کہکر واضح کردیا کہ جانب شمال دجلہ تک پھیلا ہوا ہے - اور جنہوں نے مقامات کے نام لیکر حدود متعین کیے ' انہوں نے بھی صاف کہدیا کہ شمالی حد دجلہ ہے - نہایۂ ' معجم البلدان ' اور فتح الباری میں اصمعی کا قول منقول ہے " من اقصی عدن ابین الی ریف العراق طولاً ' و من جدہ و ساحل البحر الی اطراف الشام عرضاً " کرمانی نے کہا " ھی ما بین عدن الی ریف العراق طولاً ' و من جدہ الی الشام عرضاً " یہی قاموس میں ہے - ایسا ہی ابن کلبی سے مروی ہے - رفاعہ بک طہطاوی نے قدیم و جدید کتب سے اخذ کرکے عربی میں " تعریفات الذافعہ لمرید الجغرافیہ " لکھی - اسمیں بھی یہی حدود ہیں - پس صاحب معجم کی تفصیل اور تمام اقوال سے ثابت ہوگیا کہ عرب طول میں عدن سے لیکر عراق کی ترائی تک ' اور عرض میں ساحل بحر احمر سے خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے - اس کی حد شمال میں دھنی جانب دجلہ ہے ' اور اگر عرض کا خط کھینچیں تو بائیں جانب شام - آجکل کے جغرافیوں میں بھی عرب کے یہی حدود بتلائے جاتے ہیں - پچھم میں بحر احمر ' جنوب میں بحر ہند ' پورب میں خلیج فارس ' اور دکھن میں ملک شام -

اسی معجم البلدان میں عراق کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوے لکھا ہے : " ای انہا اسفل ارض العرب " (جلد ۶ : ۱۳۳) یعنی عراق اسلیے نام ہوا کہ زمین عرب کا سب سے زیادہ نچلا حصہ ہے - اس سے بھی ثابت ہوا کہ عراق عرب میں داخل ہے - البتہ عراق کا وہ حصہ جو دجلہ کے پار واقع ہے ' اس میں داخل نہ ہوگا -

ہم یہاں عرب کا ایک نقشہ تفسیر البیان کے مسودہ سے لیکر درج کرتے ہیں - اس نقشہ میں ظہور اسلام کے وقت جزیرۂ عرب کی حالت دکھلائی ہے - یہ نقشہ در اصل یورپ کے بعض مشہور مستشرقین (اورنٹیلسٹ) نے قدیم نقشوں اور تعریفات سے مدد لیکر طیار کیا تھا جسکو سنہ ۱۸۵۰ میں پروفیسر فرڈنینڈ ربستن فیلڈ (Ferdinand Wustenfeld) نے لیڈن یونیورسٹی سے شائع کیا - جزیرۂ عرب کے تمام قدیم نقشوں میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند نقشہ یہی ہے - نقطوں کے خطوط سے تجارتی قافلوں کی وہ سڑکیں دکھلائی ہیں جو چھٹی صدی عیسوی میں عرب کے اندرونی مقامات سے سواحل تک جاتی تھیں -

فصل

(مسجد اقصیٰ و ارض مقدس)

مقامات مقدسۂ اسلامیہ کے سلسلہ میں بیت المقدس اور اسکی سرزمین کا مسئلہ بھی مسلمانوں کے لیے اس سے کم اھمیت نہیں رکھتا جس قدر حرم مکہ اور حرم مدینہ کا -

اسلام نے صرف تین مقامات کے لیے بہ نیت طاعت و ثواب سفر کرنے کی اجازت دی ھے - اُن میں جسطرح مکہ و مدینہ کا نام ھے ' اُسیطرح بیت المقدس کا بھی - بخاری و مسلم کی مشہور روایت میں ھے : " لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد : المسجد الحرام ' و مسجدی ھذا ' و المسجد الاقصیٰ " یعنی بہ نیت زیارت و طاعت سفر کا قصد و اھتمام کرنا نہیں ھے مگر ان تین جگہوں کے لیے - مسجد حرام ' مسجد مدینہ ' اور مسجد اقصیٰ - اس سے معلوم ھوا کہ تمام دنیا میں مسلمانوں کے لیے شرعاً یہی تین مقام سب سے زیادہ مقدس و محترم ھیں ' اور انہی کو یہ خصوصیت حاصل ھے کہ انکی زیارت کیلیے نیت کرکے اپنے وطنوں سے نکلتے ھیں ' سفر کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتے ھیں ' اور یقین کرتے ھیں کہ اس کے معاوضہ میں اُنکے لیے بڑا ھی اجر ھے -

یہی وجہ ھے کہ جمہور ائمۂ اسلام نے اتفاق کیا کہ اگر مسجد اقصیٰ کی زیارت کی نذر مانی ھو ' تو اسکا ادا کرنا اسی طرح واجب ھوگا ' جس طرح زیارت مسجد نبوی اور حج و عمرہ کا ادا کرنا - حالانکہ ان تین جگہوں کے علاوہ اگر کسی دوسری زیارتگاہ کے سفر کیلیے نذر مانی ھو ' تو اسکا ادا کرنا باتفاق ائمہ واجب نہ ھوگا - اسی بات سے اندازہ کرلیا جاسکتا ھے کہ بیت المقدس کی سرزمین مسلمانوں کے مذھبی احکام و اعتقاد میں کیسا اھم درجہ رکھتی ھے ؟

یہی وہ مقدس سرزمین ھے جسکا اللہ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا ' اور بالاخر وعدہ پورا ھوکر رھا - لیکن وہ اسکے اھل ثابت نہ ھوے ' اور دنیا کی حکومت و عزت کے ساتھہ یہاں کی پادشاھت بھی اُن سے چھین لی گئی - پھر مسیحی دور شروع ھوا - اسکے بعد مسلمان وارث ھوے - قرآن حکیم نے

مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھہ اس وراثت کی بشارت دی تھی -

ولقد کتبنا في الزبور من بعد الذکر ' ان الارض یرثها عبادي الصالحون -

ان في هذا لبلاغاً لقوم عابدین - وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (۲۱ : ۱۰۵)

حضرة ابن عباس وغیرہ سے مروي ہے کہ اس آیت میں " الارض " سے مقصود بیت المقدس اور فلسطین ہے - اسمیں خبر دي گئي تھي کہ اب وہانکي پادشاهت مسلمانوں کے حصے میں آئیگي - اسي لیے کہا : ان في هذا لبلاغا الخ -

یہي وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اس سرزمین کي خدمت و وراثت کو اللہ کي طرف سے ایک مخصوص عطیة و امانت سمجھا ' اور اسکي حفاظت کو حرمین کي طرح ساري دنیا کي حکومت و فرماں روائي سے بھي زیادہ عزیز و محبوب سمجھتے رہے - یہی اعتقاد دیني تھا جسنے مسیحي جہاد کي اُن آتھہ لڑائیوں کو کامیاب ہونے نہ دیا جن میں تمام یورپ کي طاقت اکٹھي ہوگئي تھي ' حالانکہ وہ وقت مسلمانوں کی پولیٹکل طاقت کے عروج کا نہ تھا - تنزل و انحطاط کا تھا ' اور تمام عالم اسلامي مختلف حکومتوں میں متفرق ہوچکا تھا - اُسوقت سے لیکر آجتک وہاں کي حکومت خلیفۂ اسلام کے ماتحت رہي ہے ' اور ہمیشہ خود یورپ نے مسیحي دنیا کے امن و سکون کیلیے اسی بات کو بہتر سمجھا ہے - پس اگر آج پھر ازمنۂ مظلمہ (مدل ایجز) کي تاریخ دہرائی جائیگي ' اور اسلام کي جگہ اُسے مسیحیت یا یہودیت کے زیر اثر لانے کي کوشش کي جائیگي ' تو مسلمانان عالم کیلیے ناممکن ہوگا کہ خاموش رہسکیں - اُنکا فرض ہوگا کہ جب گذشتہ کروسیڈ کا ایک حصہ دہرایا گیا ہے ' تو دوسرا حصہ بھي ظہور میں آجاے - وہ مسلمانوں کي دیني زیارت گاہ ہے - اُنکا مقدس اولین قبلہ ہے - اسکي مذہبي وابستگي اُنکے ایمان و مذہب کا جزء ہے - اگر وہاں یہودیوں کا اقتدار بڑھایا جاتا ہے ' یا کسي مسیحی حکومت کو نگراني و بالا دستی کے نام سے قائم کیا جاتا ہے ' تو یہ صرف مسلمانوں کی آبادیوں ہی کو نہیں بلکہ انکی شریعت کو چیلنج دینا ہے ' اور مسلمانوں کو مجبور کردینا ہے کہ یا تو اسلام کی جانب سے اس چیلنج کو قبـــول کرلیں ' یا اسکی اطاعت و حمایت سے دست بردار ہو جائیں -



باب

(خاتمۂ سخن)

فصل

(نتائج بحث)

گذشتہ مباحث و تفصیلات کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

(۱) اسلام کا قانون شرعی یہ ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفۂ و امام ہونا چاہیے - " خلیفہ " سے مقصود ایسا خود مختار مسلمان پادشاہ اور صاحب حکومت و مملکت ہے جو مسلمانوں اور انکی آبادیوں کی حفاظت اور شریعت کے اجراء و نفاذ کی پوری قدرت رکھتا ہو اور دشمنوں کے مقابلے کیلیے پوری طرح طاقتور ہو -

(۲) اُسکی اطاعت و اعانت ہر مسلمان پر فرض ہے - اور مثل اطاعت خدا ؤ رسول کے ہے - تاوقتیکہ اُس سے کفر بواح (صریح) ظاہر نہو - جو مسلمان اسکی اطاعت سے باہر ہوا ' وہ اسلامی جماعت سے باہر ہوگیا - جس مسلمان نے اُسکے مقابلہ میں لڑائی کی - یا لڑنے والوں کی مدد کی ' اُس نے اللہ اور اسکے رسول کے مقابلے میں تلوار کھینچی - وہ اسلام سے باہر ہوگیا ' اگرچہ نماز پڑھتا ہو ' روزہ رکھتا ہو ' اور اپنے تئیں مسلم سمجھتا ہو -

(۳) ایک خلیفہ کی حکومت اگر جم چکی ہے ' اور پھر کوئی مسلمان اُسکی اطاعت سے باہر ہوا اور اپنی حکومت کا دعوا کیا ' تو وہ باغی ہے - اسکو قتل کردینا چاہیے -

(۴) صدیوں سے اسلامی خلافت کا منصب سلاطین عثمانیہ کو حاصل ہے ' اور اسوقت از روے شرع تمام مسلمانان عالم کے خلیفہ ؤ امام وہی ہیں - پس اُنکی اطاعت و اعانت تمام مسلمانوں پر فرض ہے - جو انکی اطاعت سے باہر ہوا ' اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکالدیا ' اور

اسلام کی جگہ جاهلیۃ مول لی - جس نے انکے مقابلے میں لڑائی کی ' یا انکے دشمنوں کا ساتھہ دیا ' اُس نے خدا اور اُسکے رسول سے لڑائی کی -

(٥) صرف خلیفۂ اسلام هي کے لیے یہ حکم مخصوص نہیں هے - جب کبھي مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں لڑائي هو' تو کسي مسلمان کیلیے شرعاً جائز نہیں کہ غیر مسلمان فوج کا ساتھي هوکر مسلمانوں سے لڑے - یا انکي مدد کرے - اگر کریگا تو بحکم " من حمل علینا السلاح فلیس منا "

اور نص قرانی من یقتل مومناً متعمداً فجزاءہ جهنم خالداً فیها وہ اسلامي جماعت سے خارج هو جائیگا - اس کا ٹھکانا دوزخ هے -

(٦) جب کسي اسلامی حکومت یا جماعت پر غیر مسلم حملہ کریں یا حملہ کا قصد کریں ' یا اُنکی آزادي و خود مختاري کو کسي دوسري طرح نقصان پہونچانا چاهیں ' تو هر ملک کے مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے اُنکي مدد کرنا ' اور حملہ کرنے والوں سے لڑنا ' فرض هو جاتا هے - علی الخصوص ایسي حالت میں جب کہ حملہ آور زیادہ طاقتور هوں ' اور ان کے مقابلہ کي کافي طاقت اُن مسلمانوں اور وهاں کي اسلامی حکومت میں نہو - اس صورت میں جهاد کي فرضیۃ علی الکفایہ نہ هوگی - مثل نماز روزہ کے فرض عین هوگي -

(۷) اگر خلیفۂ اسلام کو دشمنوں کا ایسا طاقتور گروہ گھیر لے کہ ان کا مقابلہ کرنا اس کی طاقت سے باهر هو' اور بلا تمام مسلمانان عالم کي فوري مدد و نصرت کے اسلامي ممالک کي حفاظت نہ هو سکے' تو اُس صورت میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا بہ یک وقت فرض هوگا کہ جس طرح بھي ممکن هو' اس کی مدد کریں - اور اُس کے دشمنوں پر حملہ آور هوں -

(۸) اسلام کا حکم شرعی هے کہ جزیرۂ عرب کو غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھا جاے - اُس میں عراق کا ایک حصہ اور بغداد بھي داخل هے - پس اگر کوئي غیر مسلم حکومت اس پر قابض هونا چاهے ' یا اُس کو خلیفۂ اسلام کي حکومت سے نکال کر اپنے زیر اثر لانا چاهے ' تو یہ صرف ایک اسلامي ملک کے نکل جانے هي کا مسئلہ نہ هوگا ' بلکہ اُس سے بھي بڑھکر ایک مخصوص سنگین حالت پیدا هو جائیگي - یعنی اسلام کی مرکزي سر زمین پر کفر کا اثر چھا رها هے - پس اس حالت میں تمام مسلمانان عالم کا

اولین فرض ہوگا کہ اس قبضہ کو وہاں سے ہٹانے کے لیے اُٹھہ کھڑے ہوں ' اور اپنی تمام قوتیں اس کام کے لیے وقف کردیں -

(۹) اسلام کے مقامات مقدسہ میں بیت المقدس اُسی طرح محترم ہے جس طرح حرمین شریفین - اس کے لیے لاکھوں مسلمان اپنی جانوں کی قربانیاں ' اور یورپ کے آٹھہ صلیبی جہادوں کا مقابلہ کرچکے ہیں - پس تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس مقام کو دوبارہ غیر مسلموں کے قبضہ میں جانے نہ دیں - علی الخصوص مسیحی حکومتوں کے قبضۂ واقتدار میں - اور اگر ایسا ہو رہا ہے ' تو اُس کے خلاف دفاع کرنا صرف وہاں کی مسلمان آبادی ہی کا فرض نہوگا - بلکہ بہ یک وقت و بہ یک دفعہ تمام مسلمانان عالم کا -

(۱۰) اس صورت میں جو فرض شرعی مسلمانوں پر عائد ہوگا ' اس میں پہلی چیز " ترک " ہے - دوسری " اختیار " - " ترک " سے مقصود یہ ہے کہ تمام ایسے تعلقات ترک کردینا پڑینگے جن میں برٹش گورنمنٹ کی اعانت و موالات ہو - "اختیار" سے مقصود یہ ہے کہ وہ تمام وسائل اختیار کرنے پڑینگے ' جنکے ذریعہ فریضۂ دفاع انجام پاسکے -

و تلک عشرۃ کاملہ -

فصل

(خلیفۃ المسلمین اور گورنمنٹ برطانیہ)

جب کہ اسلام کے اٹل اور اپنے پیروؤں کے لیے دائمی احکام کا یہ حال ہے' تو یکایک ۴ - اگست ۱۹۱۴ کو عالمگیر جنگ عالم کا شرارہ وسط یورپ میں چمکا ' اور دیکھتے ہی دیکھتے مغربی تمدن کا تمام آتشگیر مادۂ جنگ بھڑک اُٹھا : نار اللہ الموقدۃ التي تطلع علی الافئدہ ! پھر تھوڑے ہي عرصہ کے بعد جنگ نے مسلمانان ہند کے لیے ایک ایسی نازک صورت اختیار کر لی ' جو برطانیہ کی حکومت ہند کی پوری تاریخ میں آج تک کبھی پیش نہیں آئی تھي - یعنی خلیفۃ المسلین کی فوجیں بھی میدان جنگ میں مشغول پیکار نظر آئیں ' اور ترکی کے برخلاف برطانیہ نے اعلان جنگ کردیا -

اس اعلان جنگ کي اطلاع جب سرکاری طور پر هندوستان میں مشتہر کی گئي ' تو ساتھہ هي حسب ذیل امور کا بھی اعلان کیا گیا تھا :

(۱) ترکی حکومت کے ساتھہ هماري جنگ دفاعي هے - نه که حمله آورانه - هم نے دو ماه تک هر طرح کا مخالفانه اور جنگ جویانه سلوک برداشت کیا ' اور پوري کوشش کی که کسي طرح یه جنگ ٹل جاے ' لیکن ترکي گورنمنت نے برابر اپنے حملے جاری رکھے - اب مجبوراً هم کو بھی اعلان جنگ کرنا پڑا هے -

(۲) هندوستان کے مسلمانوں کو پوري طرح بھروسه رکھنا چاهیے که اس جنگ میں همارے یا همارے ساتھیوں کی جانب سے کوئی بات ایسي نه هوگي جو آنکے مذهبي محسوسات کو صدمه پہونچاے - اسلام کے تمام مقدس مقامات محفوظ رهینگے جن میں عراق بھی داخل هے - انکے احترام کا پورا پورا لحاظ رکھا جاے گا - اسلام کے مقدس مقام خلافت کے خلاف کوئی کارروائي عمل میں نه آئیگي - هماري جنگ موجوده ترکي وزارت سے هے جو جرمني کے زیر اثر کام کررهي هے - خلیفة المسلمین سے اور اسلام سے نہیں هے - گورنمنت برطانیه نه صرف اپني جانب سے بلکه اپنے تمام حلیفوں کي جانب سے اِن باتوں کي ذمه داري لیتي هے -

یه خلاصه اُس سرکاري اعلان کا هے جو پہلي نومبر سنه ۱۹۱۴ کو اعلان جنگ کي اطلاع کے ساتھہ هي گورنمنت آف انڈیا نے شائع کیا تھا ' اور پھر تمام صوبوں میں سرکاري طور پر اسکي اشاعت کی گئي تھي - حتی که هر کمشنري ' هر ضلع ' هر صدر مقام ' هر شہر کے مسلمانوں کو جمع کرکے مقامی حکام نے اسکي نقلیں بانٹي تھیں اور زباني بھي پڑھکر سنایا تھا - برٹش انڈیا کا کوئي مسلمان گھر ایسا نہیں ملیگا جو اس اعلان سے بے خبر چھوڑ دیا گیا هو - بعد کو " نیر ایسٹ " وغیره اخبارات سے معلوم هوا که مصر و سوڈان میں بھی بجنسه یہی اعلان شائع کیا گیا تھا -

اس اعلان کے بعد بھي همیشه ذمه دار حکام هند و انگلستان کي زبان سے یه دونوں باتیں بار بار ظاهر هوتي رهیں - اگر کسی اظهار و بیان کي مضبوطی میں اعلان کي تکرار و اشاعت کي کثرت و وسعت کو دخل هے ' تو بلا خوف رد کہا جاسکتا هے که جسقدر کثرت و تکرار کے ساتھہ یه اعلان شائع کیا گیا ' شاید هی کوئی انساني وعده اسقدر دهرایا گیا هو -

یہ کہنا ضروری نہیں کہ اسوقت میدان جنگ کا کیا حال تھا ؟ برٹش گورنمنٹ کو اپنی زندگی کیلیے لاکھوں سپاہیوں اور توپوں کی جسقدر ضرورت تھی ' اس سے کہیں زیادہ اس اعلان اور اسکی کامیابی کی ضرورت تھی - اگر اسوقت هندوستان کے مسلمانوں میں ذرا بھی بے چینی پیدا هوجاتی ' تو نہیں معلوم جنگ کی تاریخ کیسا پلٹا کھاتی ' اور آج نتائج کا کیا حال هوتا ؟

اس اعلان کا نتیجہ وهی نکلا جو مطلوب تھا - یعنی مسلمانان هند پر صورت حال مشتبه هوگئی - نادان و حیله جو علماء اس خیال میں پڑگئے که جب ترکوں نے انگلستان و دول متحده پر حمله کیا ہے ' تو شرعاً صورت دفاع کی نہیں ہے بلکه حملۂ وهجوم کی ہے ' اور اسلیے اسکی شوکت فرض کفایه کا حکم رکھتی ہے - نه که فرض عین کا - پس شرعاً ضروری نہیں که مسلمانان هند بھی اسمیں حصه لیں - عام مسلمانوں پر یه اثر پڑا که برٹش گورنمنٹ صرف اپنا بچاؤ کر رهی ہے - اسکا مقصود اسلامی ممالک پر قبضۂ و تصرف کرنا یا خلیفۂ اسلام کی حکومت کو نقصان پہنچانا نہیں ہے - نیز اسلام کے مقدس مقامات یعنی جزیرۂ عرب اور بیت المقدس وغیرہ هر حال میں محفوظ رهینگے - ان تمام باتونکا نه صرف انگلستان کی جانب سے وعده کیا جاتا ہے ' بلکه تمام حلیف حکومتوں کی جانب سے بھی -

نہایت افسوس اور روسیاهی کے ساتھہ اقرار کرنا پڑتا ہے که مسلمانوں کا نه یه مذهبی فیصله صحیح تھا - نه وعدوں اور اعلان پر اعتماد - انہوں نے اپنی سیزده صد ساله تاریخ حیات میں شاید هی کوئی ایسی قومی و مذهبی غلطی کی هوگی ' جیسی اس موقعه پر کی ' اور جسکے نتائج کی پہلی قسط آج آنکے سامنے ہے - " وما تخفی فی صدورهم اکبر "

فما کان الله لیظلمهم و لکن کانوا انفسهم یظلمون !

تھوڑی دیر کیلیے اس سے قطع نظر کرلو که احکام شرع کی بنا پر یه راے کہانتک صحیح تھی ؟ صرف اس پہلو سے دیکھو که جن وعدوں پر بھروسه کیا گیا ' اُنکا حال کیا تھا ؟

پرانے وقتوں کی طرح موجوده زمانے کی سوسائٹی بھی اشخاص کے لیے ضروری سمجھتی ہے که ایفاے عہد میں اپنے تئیں

شریف ثابت کریں ' لیکن بیسویں صدي کي تہذیب میں حکومتوں کیلیے شریف هونا چنداں ضروري بات نہیں ہے ' اور اگر طاقت موجود ہے تو پھر اخلاقي صداقت کے مطالبه کا وهم و گمان بھی نہیں کرنا چاهیے - جب وعدوں کا ایفا اور عہد و پیمان کي پابندي کمزور حکومتوں کے ساتھه ضروري نہیں سمجھی جاتی ' تو پھر محکوم و بے سرو سامان رعایا کے ساتھه کیوں ضروري سمجھي جاے ' جو اپني وفاداري میں کتے کی طرح قابل تعریف مگر بے زبانی میں اُسی کي طرح بے بس بھي ہے ؟

انگلستان کي حکومت نے نپولین کے عہد سے لیکر آجتک اپنے وعدوں کو جس طرح پورا کیا ہے ' انکي عبرة انگیز سرگذشت صفحات تاریخ پر ثبت ہے -

برطاني وعدوں کے اعتماد اور اُنکے ایفاء کي اخلاقي نمائش کا یه پہلا هي موقعه نہیں ہے - ۱۵ - جولائي سنه ۱۸۱۵ع کو جب نپولین نے بلرافان نامي انگریزي جہاز پر قدم رکھا تھا تو اُس نے بھي انگلستان کے وعدوں پر اعتماد هي کیا تھا - کچھه بے اعتمادي نه کي تھي - لیکن خود اُسي کے لفظوں میں " انگلستان نے هاتھه بڑھا کر اپنا مہمان بنانے کیلیے بلایا ' اور جب وہ آ گیا تو اسکا خاتمه کردیا "

سینٹ هلینا کي سنگلاخ چٹانیں آجتک سمندر کے طوفانوں کے اندر انگریزي مواعید کي اخلاقي قدر و قیمت کا اعلان کر رهي هیں !

۴ - اگست سنه ۱۸۱۵ کو جنگ واٹر لو کے بعد جب شہر پیرس متحدہ افواج کے حوالے کیا گیا ' اور اس عہد نامه کو فرانسیسیوں نے عہد نامه سمجھا جس پر انگلستان کے نامور هیرو ڈیوک آف ویلنگٹن کے دستخط تھے ' تو یقیناً انھوں نے بھي انگلستان پر اعتماد هي کیا تھا - لیکن قبضہ کے بعد جو نتیجه نکلا ' اس پر تاریخ کا اٹل فیصلہ صادر هوچکا ہے ' اور خود انگریز مورخوں کي زباني اُسکا افسانۂ خونیں سن لیا جاسکتا ہے -

خود هندوستان کے گذشته سو سالوں کي تاریخ هي اسکے لیے کافی ہے - دوسرے ملکوں کي سرگذشتوں کي طرف نظر اُٹھانے کي ضرورت کیا ہے ؟

شمشاد خانه پرور ما از کے کمترست ؟

تاہم بدبخت مسلمانوں نے بھروسہ کیا اور جنگ کے نتائج کی طرف سے مطمئن ہوگئے - اُنکا روپیہ ' اُنکی جانیں ' اُنکے ملک کی تمام قوتیں ' بے دریغ خرچ کی گئیں - دنیا کی آخری اسلامی حکومت و خلافت کے مٹانے میں اُنکی ہر چیزنے پورا پورا کام دیا - یہانتک کہ برٹش گورنمنٹ اپنی تاریخ حیات کے سب سے بڑے مہلک وقت سے بچ گئی ' اور وہ فتح مندی مکمل ہوگئی جسکا پہلا نتیجہ اسلامی خلافت کی بربادی و تباہی ہے -

اثناء جنگ ہی میں اس اعتماد کے تمام نتائج ظاہر ہوگئے تھے - بغداد پر انگریزی فوج قابض ہوگئی تھی جو جزیرۂ عرب کی مقدس سرزمین میں داخل ہے - عین حدود حرم مکہ کے اندر سازشیں کرکے بغاوت کرائی گئی اور اسکی وجہ سے جسقدر توہین اس مقدس مقام کی ہونی تھی وہ ہوکر رہی - پھر بھی مسلمانان ہند اپنے اعتماد سے دست بردار نہ ہوے اور اس انتظار میں رہے کہ یہ جنگ کی عارضی حالتیں ہیں - صلح کے بعد ہی برطانی اعلان و مواعید کی مقدس صداقت تمام عالم پر آشکارا ہو جائیگی -

فصل

(موجودہ و آیندہ حالت اور احکام شرعیہ)

بحث کے اس ٹکڑہ کو ہم دانستہ حذف کردیتے ہیں کہ جنگ کے بعد ان وعدوں اور اعلانات کا کیا نتیجہ نکلا ؟ نہ ہم اُن پیہم اعلانات کا یہاں ذکر کرینگے جنکا سلسلہ برابر اثناے جنگ میں بھی جاری رہا - مثلاً وزیر اعظم کی تقریر ۵ - جنوری سنہ ۱۹۱۸ - کیونکہ یہ تمام باتیں دنیا کے سامنے ہیں - اور سورج کی روشنی جن چیزوں کو دکھلاے ' انکے لیے بحث و نظر کی روشنی سے مدد لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی -

ہمکو یہاں صرف ایک بات کا فیصلہ کرنا ہے - اسکے علاوہ نہ اب کوئی بات ہمارے لیے سوچنے سمجھنے کی باقی رہی ہے - نہ گورنمنٹ کیلیے - وہ صرف موجودہ و آیندہ حالت کا سوال ہے -

احکام شرعیۃ اوپر گذر چکے ھیں - پس اگر موجودہ حالت میں تبدیلی نہ ھوئی اور صلح کے نام سے اسلامی خلافت کے خلاف رھی حملہ آورانہ جنگ عمل میں لائی گئی جسکا اظہار ھورھا ھے ' تو نتائج حسب ذیل ھونگے :

(۱) جس وقت خلیفۃ المسلمین نے جنگ میں شرکت کي ھے تو برٹش گورنمنٹ نے اعلان کیا تھا کہ حملہ اُنکی جانب سے ھے - انگلستان و حلفاء کي جانب سے نہیں ھے - لیکن اب موجودہ حالت بالکل اسکے برعکس ھے - یعنی خلیفۃ المسلمین کسي غیر مسلم ملک و حکومت پر حملہ آور نہیں ھیں بلکہ غیر مسلم حکومتیں مسلمان آبادیوں اور خلیفۃ اسلام کي حکومت پر قابض ھو رھي ھیں ' اور خلیفۃ المسلمین پر حملہ آور ھیں - پس اگر اس حالت میں تبدیلي نہ ھوئي اور عارضي صلح کے بعد بھي یھي حال رھا ' تو مسلمانوں کیلیے قطعاً صورت دفاع اور نفیر عام کي پیدا ھو جائیگي جب جہاد ھر مسلمان پر فرض عین ھو جاتا ھے - حملۃ و ھجوم کي صورت نہ ھوگي کہ فرض علی الکفایہ ھو - لہذا ھندوستان کے ھر مسلمان کا یہ شرعي فرض ھوگا کہ خلیفۃ المسلمین ' اور اُن تمام اسلامي آبادیوں کي اعانت کیلیے اُٹھہ کھڑا ھو ' جہاں سے اسلامي حکومت متائي جا رھي ھے -

(۲) یہ حقیقت پہلے سے آشکارا تھي ' مگر چار سال کي جنگ اور اسکے نتائج نے آخري درجۂ یقین تک ظاھر کردي کہ نہ تو خلیفۃ المسلمین کي موجودہ طاقت غیر مسلم حریفوں کے مقابلے کیلیے کافي ھے - نہ موجودہ اسلامی ممالک کے مسلمانوں کي - یعني وہ شکست کھا چکے ھیں اور بعض مقامات کے مسلمانوں کي درماندگي و تباھی غایت درجۂ ھلاکت تک پہنچ چکي ھے - جیسے ولایت سمرنا وغیرہ کے مسلمان - پس اس بنا پر بھي مسلمانان ھند کا فرض شرعی ھوگا کہ انکي مدد کیلیے اُٹھہ کھڑے ھوں - کیونکہ اگر ایک مقام کے مسلمان دشمن کے مقابلے کي طاقت نہیں رکھتے تو دیگر ممالک کے مسلمانوں پر دفاع میں شریک ھونا فرض ھوجاتا ھے -

(۳) جن بلاد اسلامیہ پر غیر مسلم دخل و تصرف کرنا چاھتے ھیں ' یا کرچکے ھیں - مثلاً ایڈریا نوپل ' تھریس ' ایشیاے کوچک ' سمرنا ' عراق ' فلسطین ' انکے قرب و جوار میں مسلمانوں کی کوئي ایسي جماعت موجود نہیں جو دشمنوں کے دفاع میں مددگار ھوسکے ' اور اسکي اعانت کي وجہ سے مسلمانان ھند بري الذمہ ھو جائیں - پس اس بنا پر بھي ساري شرعي

ذمہ داری مسلمانان ھند ھی کے ذمے عائد ھوتی ھے ' جنکی تعداد دنیا کی تمام اسلامی آبادیوں سے زیادہ ' اور جو بہت سی باتوں میں دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے بہتر حالت رکھتے ھیں -

(۴) عراق کا تمام خطہ دریاے دجلہ تک جزیرۂ عرب میں داخل ھے - پس اگر انگریزی قبضہ وھاں قائم رھا ' یا کسی طرح کا بھی انگریزی اقتدار حکم برداری اور نگرانی کے نام سے حاصل کیا گیا ' تو یہ صریح جزیرۂ عرب پر غیر مسلم اقتدار ھوگا ' اور از روے شرع مسلمانان ھند کا فرض ھوگا کہ اس اقتدار کے دور کرنے کیلیے حریف کا مقابلہ کریں -

(۵) بیت المقدس اسلام کے مقامات مقدسہ میں داخل ھے - اگر اسپر غیر مسلم اقتدار قائم رکھا جائیگا ' تو تمام دنیا کے مسلمانوں کی طرح ھندوستانی مسلمانوں کا بھی فرض ھوگا کہ دفاع کیلیے مستعد ھوجائیں -

(۶) غرضکہ ھندوستان کے مسلمانوں پر ایک وفادار برٹش شہری کی زندگی بسر کرنا شرعاً ناجائز ھوجائیگا - اور یہ فرائض کی سب سے بڑی کشمکش ھوگی جسمیں کوئی انسانی جماعت مبتلا ھو سکتی ھے - یعنی بمجرد ان حالات کے برٹش گورنمنٹ کی حیثیت از روے شرع یہ ھوجائیگی کہ وہ " اسلام اور مسلمانوں کی حملہ آور دشمن ھے ' اور اسلیے اس سلوک کی مستحق ھے جو از روے شرع مسلمانوں کو حملہ آور حریف کے ساتھہ کرنا چاھیے " جب ایسا ھوا ' تو مسلمان مجبور ھونگے کہ دو راھوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیں - یا برٹش گورنمنٹ کا ساتھہ دیں ' یا اسلام کا - یہ ناممکن ھوگا کہ دونوں تعلق ایک وقت میں جمع کیے جاسکیں -

کیا چھہ کروڑ سے زائد انسانوں کو اس کشمکش میں مبتلا کردینا کوئی عاقبت اندیشانہ فعل ھوسکتا ھے ؟ فرصت کی آخری گھڑیاں گزر رھی ھیں - اگر عارضی فتح مندی کا گھمنڈ مہلت دے ' تو گورنمنٹ اس سوال پر غور کرلے -

اگر انگلستان کے وزرا (نپولین کے لفظوں میں) وعدہ اسلیے نہیں کیا کرتے کہ وفا کیا جاے ' تو کم از کم اُس ایک وعدہ کو تو اس اخلاقی کلیہ سے مستثنی کردینا چاھیے جسکو ھندوستان میں برٹش گورنمنٹ کا بنیادی اصول سمجھا جاتا ھے - یعنی کامل مذھبی آزادی کا وعدہ - اسی وعدہ کا

نتیجه هے که هندوستان میں هر قوم کی طرح مسلمان بهی روزمرہ اپنے مذهبی فرائض انجام دے رهے هیں - انکی مسجدیں قائم هیں - پانچ وقت اذان کی صدائیں بلند هوتی هیں - کوئی حاکم مسلمانوں سے یه نهیں کهتا که نماز نه پڑهو -

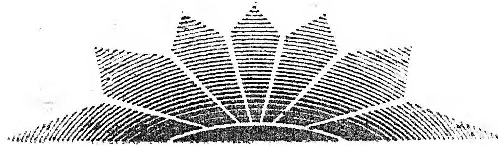
لیکن اگر برتش گورنمنٹ بلاد اسلامیه کے خلاف اپنے موجودہ طرز عمل پر قائم رهی ' اسکے جهاز اسلامی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کردینے کیلیے سمندروں میں دوڑتے رهے ' اسکی فوجیں عراق کی سرزمین پر قابض رهیں جو مقدس جزیرۃ عرب میں داخل هے ' اور ساتهه هی وہ اس کی بهی متوقع رهی که هندوستان کے بد بخت مسلمان اسکے وفادار بنے رهیں ' تو اسکے معنی یه هونگے که وہ مسلمانوں کو انکے مذهب کے چهوٹے چهوٹے حکموں میں تو آزادی دینے کیلیے طیار هے ' لیکن جو احکام اسلام کے بنیادی عقائد هیں اور ان بڑے حکموں میں داخل هیں جن کے ترک کردینے سے مسلمان مسلمان نهیں رهتا ' انکے لیے چاهتی هے که حق و آزادی کا نام بهی زبان پر نه لائیں ' اور برطانیه کی وفاداری کی خاطر اپنے اسلام سے باغی هو جائیں !

وہ مسلمانوں کو آزادی دیتی هے که نماز پڑهیں جو مذهبی احکام میں شاخ کا حکم رکهتی هے ' لیکن ساتهه هی اسلامی خلافت و امامت پر حمله آور بهی هے جو شاخ نهیں بلکه بنیاد اور جڑ کے حکم میں داخل هے ؟

وہ نماز پڑهنے میں مداخلت نهیں کریگی جس کے نه پڑهنے سے مسلمان گناهگار هو جاتا هے ' لیکن خلیفة المسلمین کو انکی حکومت و مملکت سے محروم کردیگی جنکی مدد نه کرنے سے مسلمان گناهگار هی نهیں بلکه اسلامی جماعت سے باهر هو جاتا هے ؟

وہ مسلمانوں کو حج کے سفر سے نهیں روکتی کیونکه انکا مذهبی عمل هے- لیکن وہ خلیفة المسلمین کو اپنی فوجی طاقت سے محصور کرکے مجبور کریگی که اسلامی مملکتوں کو غیر مسلموں کے حواله کردیں - اسوقت مسلمان دفاع کیلیے اٹهینگے تو کهیگی که یه بغاوت هے - پهر کیا دفاع مسلمانوں کا مذهبی عمل نه هوگا ؟ اور کیسا مذهبی عمل ؟ ایسا عمل که شرعا هزاروں حج سے بڑهکر- حج اس کے لیے چهوڑ دیا جا سکتا هے ' لیکن حج کی خاطر وہ نهیں چهوڑا جا سکتا -

مسلمان هندوستان کی مسجدوں اور اُنکے اندرکي نمازوں کو لیکر کیا کرینگے جنکي اجازت دیدینے پر برتش گورنمنت کي آزادي کو ناز هے ' جبکه شریعت کے وہ احکام اُن کے سامنے آجائینگے جنکي تعمیل هزار نمازوں سے بھی بڑھکر اور هزار روزوں سے بھي اشد و اهم هے ' اور جنکی نا فرمانی کے بعد نه تو اُنکی نمازیں هی اُن کے لیے سود مند رهینگي - نه اُن کے روزے هی اُن کو نجات دلا سکینگے ؟



بابـــــ

تـــرک و اختیـــار

فصل

(ترک مـــوالات)

اس صورت میں مسلمانوں پر ترک و اختیار' دونوں طرح کے احکام شرعاً عائد ہونگے -

" ترک " سے' مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت کر رہے ہیں ' ترک کردینی پڑینگی -

" اختیار " سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت نہیں کر رہے ' کرنی پڑینگی -

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز وہ ہے جس کو شریعت نے " ترک موالات " سے تعبیر کیا ہے - یعنی جو غیر مسلم مسلمانوں کے حریف و دشمن اور حملہ آور فریق کا حکم رکھتے ہوں ' اُن سے تمام ایسے تعلقات ترک کردینا جو محبت' خدمت' اور اعانت پر مبنی ہوں - اگر کوئی مسلمان ایسا تعلق رکھے گا ' تو اُس کا شمار بھی شریعت کے نزدیک اُنھی غیر مسلموں میں ہوگا - مسلمانوں میں نہ ہوگا -

قرآن حکیم نے اس بارے میں ایک اصولی تقسیم کردی ہے - تمام غیر مسلم اقوام و افراد کو دو قسموں میں بانٹ دیا ہے - ایک قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو نہ تو مسلمانوں سے لڑتے ہیں - نہ انپر حملہ آور ہیں ' نہ اُن کی آبادیوں پر قابض ہونا چاہتے ہیں - دوسری قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو یہ ساری باتیں کر رہے ہیں - یعنی لڑتے ہیں ' حملہ آور ہیں' اسلامی ممالک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں - یا کرچکے ہیں -

اسلام کا حکم یہ ہے کہ پہلی قسم کے غیر مسلموں کے ساتھہ مسلمانوں کو نیکی و محبت اور ہر طرح کے احسان و خیر خواہی کا سلوک کرنا چاہیے - اسلام اس سے ہرگز مانع نہیں - عالمگیر محبت اس کی دعوۃ حق کا اصل الاصول ہے - البتہ دوسری قسم کے غیر مسلموں کے ساتھہ وہ اجازت نہیں دیتا کہ اس طرح کا کوئی علاقہ بھی مسلمان رکھیں - اگر رکھینگے تو اُن کا شمار بھی اللہ اور اس کی شریعت کے دشمنوں میں ہوگا - ایک مسلمان کے سارے گناہوں سے شریعت درگزر کر لے سکتی ہے ، لیکن اگر دوسری قسم کے غیر مسلموں سے محبت کرتا ہے ، یا کسی طرح کا واسطہ رکھتا ہے ، تو یہ گناہ نہیں ہے - نفاق ہے - اور منافق مومن نہیں ہے -

قرآن نے یہ تقسیم سورۂ ممتحنہ میں کردی ہے : لا ینہا کم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ، ان تبروہم و تقسطوا الیہم ، ان اللہ یحب المقسطین - انما ینہا کم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم عن دیارکم و ظاہروا علی اخراجکم ، ان تولوہم ، ومن یتولہم فاولئک ہم ، الظلمون - [٦٠ : ١٠]

اور اسی سورۃ کے اوائل میں فرمایا : یا ایہا الذین آمنوا ! لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء ، تلقون الیہم بالمودۃ و قد کفروا بما جاءکم من الحق ؟ الخ مسلمانو ! جو غیر مسلم تمہارے اور تمہارے خدا کے دشمن ہیں ، اُنکو اپنا دوست نہ بناؤ - اور سورۂ مائدہ میں ہے : لا تتخذوا الیہود و النصاری اولیاء ، بعضہم اولیاء بعض - و من یتولہم منکم فانہ منہم (٥ : ٥٤) اُن یہود و نصاری کو جو مسلمانوں کی دشمنی اور نقصان رسانی میں سرگرم ہوں ، اپنا دوست نہ بناؤ - اور جو مسلمان بنائیگا ، خدا کے حضور اسکا شمار بھی اُنہی میں ہوگا - اس سے بھی زیادہ واضح فرمایا : لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین (٣ : ٢٨) اور لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین (٤ : ١٤٣) یعنی جبکہ غیر مسلموں اور مسلمانوں میں باہم جنگ ہو ، تو مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ اپنے بھائیوں کو چھوڑ کر اُن کے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں - " من دون المومنین " جہاں جہاں آیا ہے ، اس نے واضح کردیا ہے کہ مقصود ہر قسم کے غیر مسلموں سے ترک موالات نہیں ہے ،

بلکه ایک خاص قسم کے محارب غیر مسلموں سے اور ایک خاص حالت جنگ میں - اسي طرح سورۂ عمران میں ھے : لا تتخذوا بطانة من دونکم لا يالونکم خبالا - ودوا ماعنتم ، قد بدت البغضاء من افواههم ، و ما تخفي في صدورهم اکبر - (۳ : ۱۱۸)

یہاں ضمناً یه بات بهی واضح هوگئي که هندوستان کے هندوؤں کے ساتهه مسلمانوں کو شرعاً کیسا تعلق رکهنا چاهیے ؟ سو معلوم هوگیا که قران کي اس تقسیم کي بموجب وہ دوسری قسم میں داخل هیں - پس ان کے ساتهه برو احسان اور نیکي و همدردي کرنے سے شریعت هرگز هرگز نہیں روکتي - آجتک انهوں نے نه کبهي اسلامي ممالک پر حمله کیا ، نه مسلمانوں سے قتال فی الدین کیا ، نه کسي اسلامی ملک سے مسلمانوں کے اخراج کا باعث هوے -

فصل

(واقعۂ حاطب بن ابي بلتعه)

سورۂ ممتحنه کے شان نزول کا واقعه اس بارے میں مسلمانوں کیلیے بڑا هي عبرت انگیز هے -

بخاري و مسلم میں حضرت علي سے مروي هے که حاطب بن ابي بلتعه مهاجرین صحابه اور شرکاء بدر میں سے تهے - آنحضرت صلعم نے مکه پر چڑهائی کا قصد کیا تو انهوں نے اپنے اهل و عیال کي حفاظت کے خیال سے ایک خط لکهکر مکه میں اطلاع دیدیني چاهي - وحي الهي سے آنحضرت اسپر مطلع هوگئے اور راستے هي میں سے خط پکڑوا منگوایا - جب حاطب سے پوچها گیا تو انهوں نے معذرت کي " ما فعلت هذا کفرا و لا ارتدادا " میں نے کفر و ارتداد اور اسلام کي مخالفت کے خیال سے ایسا نہیں کیا - صرف اپنے اهل و عیال کي حفاظت کے خیال سے خط بهیجدیا تها - میری نیت بری نه تهي - حضرة عمر نے چاها که انهیں قتل کردیں اور کہا : " انه منافق - قد خان الله و رسوله " یه منافق هے - اس نے الله اور اسکے رسول کے ساتهه خیانت کي !

اسپر سورۂ ممتحنه کا نزول هوا :

يا ايها الذين آمنوا لاتتخذوا عدوي و عدوکم اولياء تلقون اليهم بالمودة ، و قد کفروا بما جاء کم من الحق -

مسلمانو ! خدا کے اور خود اپنے دشمنوں کو ايسا دوست نه بناؤ که محبت و الفت کے اُنسے تعلقات رکھو - يه وہ لوگ هيں جو اسلام سے انکار کرچکے هيں ، اور الله اور اسکے دين برحق کے دشمن هيں -

اس واقعه ميں همارے ليے بڑي هي عبرت هے - حاطب بن ابي بلتعه مهاجرين و بدريين ميں سے تھے - انهوں نے صرف اپنے اهل و عيال کي حفاظت کے خيال سے خط لکھا تھا - دشمنان اسلام کي مدد کرنا مقصود نه تھا - اسپر بھي الله کی جانب سے يه عتاب نازل هوا ، اور حضرة عمر قتل کردينے کيليے اُٹھے که يه منافق هے - غور کرنا چاهيے که جب باوجود علاقۂ قرابت ، مخالف و محارب فريق کے ساتھه اتنا تعلق بھي گوارا نهيں کيا گيا ، تو پھر اُن مسلمانوں کا شرعاً کيا حکم هونا چاهيے جو برٹش گورنمنٹ کے محارب فريق هونے پر بھي ، هر طرح کي محبت و موالات اور اعانت و مشارکت کے تعلقات اُسکے ساتھه رکھتے هيں - اور جنکا ابتک يه حال هے که اُسکے درباروں کے ديے هوے بے سود خطابوں کو بھی ترک کرديناا اُنکے نفس حق فراموش پر گراں گزر رها هے ؟

علي الخصوص اُن مدعيان علم و تقدس کا حال قابل تماشا هے جنکو اُنکي بارگاهوں سے " شمس العلماء " کے خطابات ملے هيں - يه وہ لوگ هيں جو اپنے تئيں اسلام کي ديني رياست کا اولين حقدار اور مسلمانوں کي مذهبي پيشوائي کا سب سے زيادہ مستحق ظاهر کرتے هيں - يا سبحان الله ! مسلمانوں پر اُنکي قومي بدبختي کا اس سے بڑھکر اور کونسا وقت آسکتا هے ؟ جن لوگوں کو اسلام اور اسکي کتاب قطعاً منافق قرار دے رهي هو ، اور جو الله کے نزديک اسکے بھي حقدار نهوں که مسلمانوں کي صف ميں جگه پائيں ، اُنکو مسلمانوں کي رياست و پيشوائي کا دعوی هو ، وہ مسلمانوں کي بڑي بڑی درسگاهوں کے مالک هوں جهاں صبح شام قال الله اور قال الرسول کا چرچا رهتا هو ، اور پھر اس سے بھي عجيب تر يه که بهت سے مسلمان هوں جو انکی پيشوائي کو جان و دل سے مان رهے هوں ، اور اُنکے آگے عقيدت و ارادت کا سر جھکا کر الله اور اُسکے رسول سے گردن موڑ رهے هوں !

مدار روزگار سفله پرور را تماشا کن !

الذين يتخذون الكافرين اولياء من دون المومنين ؛ ايبتغون عندهم العزة ؟ فان العزة لله جميعا : (۴ : ۱۳۸)

جو مسلمان ؛ مسلمانوں کو چھوڑ کر الکے مخالف غیر مسلموں کو اپنا دوست بنا رہے ہیں ؛ تو کیا وہ چاہتے ہیں کہ انکی بارگاہوں سے عزت حاصل کریں ؟ اگر عزت ہی کی طلب ہے تو یاد رکھیں کہ اصلی عزت دینے والے وہ نہیں ہیں - عزت اللہ کیلیے ہے اور ایک مسلمان کو ملسکتی ہے تو اسی کی چوکھٹ سے -

سورۂ نساء میں یہ تمام خصلتیں منافقوں کی قرار دی ہیں ؛ جن میں آج ہمارے بڑے بڑے مدعیان علم و مشیخت مبتلا ہیں - اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت میں اسلام و کفر ؛ دونوں سے ساز باز رکھنا چاہتے ہیں - یعنی وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی رہیں ؛ اور اسلام کے مخالفوں سے بھی رسم و راہ جاری رہے - مذبذبین بین ذالک - لا الی ھا اولاء ؛ ولا الی ھا اولاء (۴ : ۱۴۳) تو ایسے لوگوں کی نسبت فرمایا : یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین - اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطانا مبینا ؟ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار (۴ : ۱۴۳)

اسلام تو ایک مسلمان کے لیے یہ بات بھی جائز نہیں رکھتا کہ اگر اس کے ماں باپ ؛ بھائی بہن ؛ مسلمانوں سے لڑ رہے ہوں ؛ تو اُن سے بھی کسی طرح کا واسطہ رکھے : لا تتخذوا آباء کم و اخوانکم اولیاء ان استحبو الکفر علی الایمان ؛ و من یتولہم منکم فاولئک ہم الظالمون (۹ : ۲۳) اور جو مسلمان ایسے وقتوں میں محارب غیر مسلموں سے محبت و اعانت کا تعلق رکھیں ؛ خواہ وہ اُنکے ماں باپ ہی کیوں نہوں ؛ اُن کے مومن ہونےکی صاف صاف نفی کررہا ہے :

لا تجد قوما یومنون با اللہ و الیوم الاخر ؛ یوادون من حاد اللہ و رسولہ و لو کانوا آبائہم (۵۸ : ۲۲) مہاجرین صحابہ نے اس حکم کی تصویر بنکر دنیا کو دکھلا دیا کہ ایمان کے معنی کیا ہیں ؟

پس اب فیصلہ کرلو کہ اُن لوگوں کا حکم کیا ہونا چاہیے جو ایسے وقتوں میں بھی محارب غیر مسلموں کے دیے ہوے خطابوں سے پیار کرینگے ؛ اُن کے دیے ہوے تمغوں کو (جن میں سے اکثر اسلام فروشی ہی کے صلے میں ملے ہیں) اپنے سینوں پر جگہ دینگے ؛ اُنکی بارگاہوں میں جاکر اطاعت و تعبد

کا سر جھکائینگے ' اور آہ ' ان سب سے بھي بڑھکر وہ ' جو انکي راھوں میں غلاموں کي طرح بچھینگے ' انکے حکموں پر کتوں کی طرح لوتینگے ' انکي خدمت و چاکري کے عشق میں اپنے دین و ایمان تک کو نثار کردینگے ؟ فیا للہ و للمسلمین ! من هذہ الفاقرة التي هي اعظم فواقر الدین ' والرزیة التي ما رزي بمثلها سبیل المومنین !

لمثـــل هذا یذوب القلب من کمد
ان کان في القلب اســـلام و ایمان !

فصل

هل للامام ان یمنع المتخلفین والقاعدین من الکلام معهم و الزیارة و نحوہ ؟

ایک اهم سوال شرعاً یہاں یہ پیدا هوتا ھے کہ جو مسلمان باوجود تبلیغ و تفهیم ' محارب غیر مسلموں سے ترک موالات نہ کریں ' اور اُنکي مودت و اعانت سے باز نہ آئیں ' اُنکے ساتھہ مسلمانوں کو کیا سلوک کرنا چاھیے ؟

حضرة کعب بن مالک اور غزوۂ تبوک کے متخلفین کا واقعہ گذشتہ باب میں گزر چکا ھے - اس موقعہ پر آنحضرة صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا ' اس سے ثابت هوتا ھے کہ جو مسلمان مصالح امت کے خلاف روش اختیار کریں ' اور دشمنان ملت کے دفاع میں با وجود استطاعت حصہ نہ لیں ' انسے بھي مسلمانوں کو ترک موالات کردینا چاھیے -

امام بخاری نے کتاب الاحکام میں باب باندھا ھے " هل للامام أن یمنع المجرمین و اهل المعصیة من الکلام معہ و الزیارة و نحوہ ؟ " یعنی کیا مسلمانوں کے امام کو اس بات کا حق پہنچتا ھے کہ جو لوگ شرعي جرائم کے مرتکب هوں ' اُنسے ملنے ' بات چیت کرنے ' اور اسي طرح کے تعلقات رکھنے سے لوگوں کو روک دے ؟ اور پھر اسمیں حضرة کعب بن مالک کي روایت درج کي ھے - گویا اس واقعہ سے وہ استدلال کرتے هیں کہ امام کو ایسا کرنے کا حق پہنچتا ھے ' اور زجر و تنبیـــہ اور عبرت پذیري کے لیے ایسا کرنا اعمال نبوت کے تھیک مطابق هوگا -

امام بخاري کا یہ استدلال نہایت واضح اور صاف ہے - آنحضــرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو حکم دیدیا تھا کہ کسي طرح کا واسطہ ان لوگوں سے نہ رکھیں - نہ سلام کریں - نہ کلام کریں - نہ ملیں جلیں - یہانتک کہ انکي بیویوں تک کو تعلقات زوجیۃ رکھنے کي اجازت نہ تھي - بالاخر یہ حالت ہوگئي کہ " ضاقت علیهم الارض بما رحبت " پس اس سے ثابت ہوا کہ جب کبھي اسلام اور امت کي حفاظت اور دفاع کا وقت آجاے اور تمام مسلمانوں کا اسمیں شریک ہونا ضروري ہو ' تو جس مسلمان کي طرف سے اسمیں سستي وکاہلي ہو ' یا انکار و تخلف ہو ' اُسکا جرم عند اللہ نہایت شدید و عظیم ہے ' اور مسلمانوں کی جماعت کو حق پہنچتا ہے کہ زجر و تنبیہ کیلیے اُسکے ساتھہ وہي سلوک کریں جو اُن تینوں شخصوں کے ساتھہ کیا گیا تھا - اور جبتک وہ اپنے رویہ سے باز نہ آجائیں ' کوئي مسلمان اُن سے کسي طرح کا علاقہ نہ رکھے - جب اُن مسلمانوں کیساتھہ یہ سلوک جائز ہوا جو سابقین انصار اور شرکاء بدر میں سے تھے اور جنکا قصور بجز سستي و کاہلي کے اور کچھہ نہ تھا ' تو جو لوگ صریح طور پر اعــداء اسلام کے ساتھہ اطاعت و اعانت کے تعلقات رکھیں ' اور دفاع اسلام کي سعي و تدبیر میں شامل ہونے سے صاف صاف انکار کردیں ' انکے لیے تو ایسا حکم دینا نہ صرف جائز و مشروع ہوگا ' بلکہ یقیناً واجب و لازم ہوگا -

ابن ابي حاتم نے امام حسن بصري کا کیا خوب قول نقل کیا ہے - قال " یا سبحان اللہ ! ما أکل ھا اولاء الثلاثۃ مالاً حراماً ' و لا سفکوا دماً حراما ' و لا افسدوا فی الارض ' اصابہم ما سمعتم ' و ضاقت بہم الارض بما رحبت ' فکیف بمن یواقع الفواحش و الکبائر ؟ "

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں " و فیها ترک السلام علی من أذنب و جواز ھجرہ أکثر من ثلاث - و اما النهي عن الھجر فوق الثلاث فمحمول علی من لم یکن ھجرانہ شرعیا " (۱) یعنی اس واقعۃ سے یہ بات بھي ثابت ہوتي ہے کہ مجرمین شرع سے ترک سلام و کلام کرنا جائز ہے اور تین دن سے زیادہ

---

(۱) امام بخاري اپني عادت کے مطابق حدیث کعب کو مختلف ابواب میں لاے ہیں - باب متذکرۂ متن کتاب الاحکام کا آخري باب ہے ' اور مفصل حدیث کتاب المغازي میں ہے - کتاب المغازي کي شرح میں حافظ موصوف کي یہ عبارت ملیگي - (جلد ۸ - ۹۴)

اُن سے ترک تعلق کیا جا سکتا ہے - باقي رهی حدیث - " لا یحل لرجل ان یهجر اخاه فوق ثلاث" یعني کسي مسلمان کیلیے جائز نهیں که تین دن سے زیاده اپنے بهائي مسلمان سے جدا رهے - تو اُس سے مقصود وہ جدائي هے جو بلا سبب شرعي هو' اور اس واقعه میں جدائي کا حکم جرم شرعي کے ارتکاب کي بنا پر هوا - پس زیاده عرصه تک ترک علائق جائز هے -

حافظ ابن قیم نے بهی هدي میں اس واقعه سے یه حکم مستنبط کیا هے اور اپنے مخصوص طرز میں مشرح بحث کي هے -

فصل

(ایک شبه اور اُسکا ازاله)

بیجا نه هوگا اگر یهاں ایک شبه دور کردیا جاے جو اس معامله کي نسبت هوا هے اور هوسکتا هے - حافظ ابن حجر لکهتے هیں " استدل بعض المتاخرین لکونهما لم یشهدا بدرا بما وقع في قصة حاطب' و ان النبي صلعم لم یهجره و لا عاقبه مع کونه جس علیه بل قال لعمر لما هم بقتله : لعل الله اطلع علي اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم : قال - و این ذنب التخلف من ذنب الجس ؟ " یعني بعض متاخرین نے اس سے انکار کیا هے که مرارہ بن ربیع اور هلال بن امیه شهداء بدر میں سے تھے - کیونکه اگر ایسا هوتا تو انکو یه سزا نه دي جاتي - حاطب بن ابی بلتعه نے قریش مکه سے خط و کتابت کي اور وہ جرم بڑا هی سخت جرم تها - یعني جاسوسي کا تها - اسپر بهي بوجه بدري هونے کے آنحضرة نے معاف کردیا اور لوگوں کو انکے ساتهه ترک تعلق کا حکم نهیں دیا - کعب اور اُنکے ساتهیوں کا اس سے بڑهکر تو قصور نه تها ؟ پهر اتني بڑي سخت سزا انکو کیوں دي گئي ؟ پس اس سے ثابت هوتا هے که حاطب کي معافی اُنکے بدري هونے کي وجه سے تهی' اور یه لوگ اسلیے ماخوذ هوے که بدری نه تھے - انتهی -

پهر حافظ موصوف نے اسکا جواب دیا هے که یه لوگ ضرور بدری تھے - حاطب کو اسلیے کوئي سزا نهیں دي گئي که اُنهوں نے اپنے اهل و عیال کي حفاظت کا عذر پیش کیا تها - لیکن ان لوگوں کے پاس کوئي عذر نه تها - پهر آگے چلکر سهیلي کا جواب نقل کیا هے که ان لوگوں کو سخت

سزا اسلیے دی گئي که انصار میں سے تھے اور انصار نے آنحضرت کي حمایت کا خاص طور پر وعدہ کیا تھا - انپر دوسروں سے کہیں زیادہ معیت و نصرت فرض تھي - اسمیں کوتا ھي ھوئي تو مستحق تعزیر ھوے -

ھم کو افسوس کے ساتھہ کہنا پڑتا ھے که یه شبه جسقدر تعجب انگیز ھے، اس سے کہیں زیادہ ان اکابر و اعلام کے جوابات و تعلیلات تعجب انگیز ھیں - سخت حیراني ھوتي ھے که ایک نہایت صاف و واضح معامله کي نسبت کیوں اسقدر غیر ضروري کاوشیں کي گئیں ، اور کیوں اصلي علت سامنے نه آ گئي ؟

حضرت ھلال اور مرارہ کا بدري ھونا مسلم ھے - بخاري کي روایت میں خود حضرۃ کعب کہتے ھیں " رجلین صالحین قد شھدا بدرا " اور حاطب بن ابي بلتعه کے واقعه اور اس معامله میں کسي طرح کي منافات نہیں ھے - دونوں معاملے اپني اپني جگه تھیک ھیں - اس واقعه پر جن لوگوں کو تعجب ھوا ، انھوں نے حکم دفاع کي اھمیت پر نظر نه ڈالي - اگر اسپر غور کرلیتے تو یه شبه پیدا ھي نه ھوتا - نه ان کمزور توجیھوں کي ضرورت پیش آتي -

ایک صورت عام طور پر حفظ ملک و نصرت قوم کي ھے - اور ایک صورت خاص دشمن کے حملۂ و ھجوم کی ھے - پہلي حالت میں اگر جنگي احکام کي تعمیل میں سستي و کاھلي ھو ، تو اُس درجه سنگین نہیں ھوتي جسقدر دوسري حالت میں - پہلي حالت اندروني امن کي ھے :- دوسري بیروني حملهٔ و جنگ کي - جنگ و دفاع کي حالت میں ایک ذرا سي سستي اور کاھلي بھي اتنا بڑا جرم ھوتي ھے که اسکي پاداش میں موت کي سزا کو بھي سخت نہیں کہا جاسکتا -

اسي بنا پر شریعت نے ایک حالت تہیۂ جہاد و رباط خیل و استعداد کار کي قرار دي ھے - دوسري حالت " دفاع " اور نفیر کي بتلائي - جب کسي دشمن نے مسلمانوں پر حمله کردیا ھو اور مسلم و غیر مسلم جنگ کي حالت پیدا ھوگئي ھو ، تو وہ حالت دفاع کی ھے -

حاطب بن ابي بلتعه کا واقعه یه ھے که مدینه میں امن تھا - قریش یا کسی دوسرے دشمن کی طرف سے آسوقت حمله کا خوف نه تھا - خود مسلمان مکه پر حمله کرنے والے تھے - کیونکه قریش نے اپنا عھد و میثاق توڑ دیا تھا -

لیکن حضرت کعب بن مالک کا معاملہ دوسرا تھا - اُنہوں نے اسوقت اداء فرض میں سستی کی جب دشمن کے حملۂ و ہجوم کا اعلان ہوچکا تھا اور چالیس ہزار رومیوں کے اجتماع کی خبریں آچکی تھیں - وہ حملہ کا وقت نہ تھا - دفاع کا تھا - امام نے حکم دیدیا تھا ' اور نفیر عام کی صورت پیدا ہوگئی تھی - اُسوقت اداء فرض میں غفلت کرنا ایسا سنگین جرم ہے کہ کسی طرح معاف نہیں کیا جاسکتا - پس ضروری تھا کہ عبرت کیلیے کوئی سخت طرز عمل اختیار کیا جاتا ' تا کہ آیندہ ایسی غفلتوں کی کسی کو جرأت نہ ہو -

تعجب ہے کہ حافظ ابن قیم کو بھی ہدی میں یہی شبہ لاحق ہوا اور اسی لیے اُنہوں نے ہلال اور مرارہ کے بدری ہونے سے انکار کردیا ہے - والغلط لا یعصمہ الانسان -

فصل

(گورنمنت کے لیے اصلی سوال)

گورنمنت صرف اپنے فوائد و اغراض ہی سامنے رکھکر غور کر لے کہ ہندوستان کے کروروں انسانوں کو جو دنیا اور زندگی کی ساری چیزوں سے زیادہ اپنے مذہب کو محبوب رکھتے ہیں ' ایک ایسی اٹل اور لا علاج کشمکش میں ڈالدینا بہتر ہوگا جس میں ایک طرف انکے مذہبی احکام ہیں ' دوسری طرف برٹش گورنمنت ؟ اور دونوں باتیں اس طرح آپس میں لڑگئی ہیں کہ کسی طرح بھی جمع نہیں ہو سکتیں ؟

اگر انسان کے ہاتھہ اشارے کرکے طوفانوں اور بجلیوں کو بلا سکتے ہیں ' تو یقیناً برٹش گورنمنت اِسوقت اُس آدمی کی طرح سمندر کے کنارے کھڑی ہے جو اپنا ہاتھہ ہلا ہلا کر طوفانوں کو دعوت دے رہا ہو -

فی الحقیقت یہ نہ تو کوئی اُلجھاؤ ہے نہ کوئی مشکل مسئلہ - بالکل صاف اور سیدھی سی بات ہے - بشرطیکہ حاکمانہ غرور اور طاقت کا نشہ چند لمحوں کے لیے عقل و انصاف کو کام کرنے دے -

مسلمانوں کا مطالبہ شرعی احکام کا مطالبہ ہے - اسلام کے احکام کوئی راز نہیں ہیں جن تک گورنمنت کی رسائی نہو - چھپی ہوئی کتابوں میں

مرتب هیں اور مدرسوں کے اندر شب و روز زیر درس و تدریس رهتے هیں - پس گورنمنت کو چاهیے کہ صرف اس بات کي جانچ کرلے کہ واقعي اسلام کے شرعي احکام ایسے هي هیں یا نہیں ؟

اگر ثابت هوجاے کہ ایسا هی هے ' تو پھر صرف دو هي راهیں گورنمنت کے سامنے هوني چاهئیں :

یا مسلمانوں کیلیے آنکے مذهب کو چھوڑدے اور کوئي بات ایسی نہ کرے جس سے انکے مذهب میں مداخلت هو اور وہ اپنے مذهبي احکام کی بنا پر برٹش گورنمنت کے خلاف هوجانے پر مجبور هو جائیں -

یا پھر اعلان کردے کہ اس کو مسلمانوں کے مذهبی احکام کي کوئي پروا نہیں هے - نہ اس پالیسي پر قائم هے کہ ان کے مذهب میں مداخلت نهوگي - اس کو صرف زیادہ سے زیادہ زمین چاهیے ' زیادہ سے زیادہ حکومت چاهیے ' موصل کے تیل کے چشمے چاهئیں ' عراق کي زرخیز زمین کي دولت چاهیے ' اور اسلامي خلافت کا خاتمہ ' تا کہ دنیا میں اس کا کوئی اسلامي حریف باقی نہ رهے - اگر ایسا کرنے کي وجہ سے مسلمانوں کے مذهبي احکام متصادم هوتے هیں ' تو هوں - اگر انپر طرح طرح کے اشد فرائض عائد هوجاتے هیں ' تو هوا کریں - آنکو هر حال میں برٹش گورنمنت کا وفادار غلام بنا رهنا چاهیے ' اگرچہ اسکی خاطر اپنے مذهب سے بھی دست بردار هو جانا پڑے -

اسکے بعد مسلمانوں کیلیے بھي نہایت آسان هوجائگا کہ اپنا وقت بے سود شور و فغاں میں ضائع نہ کریں ' اور برٹش گورنمنت اور اسلام ' ان دونوں میں سے کوئي ایک بات اپنے لیے پسند کرلیں -



باب

(نظـــام عمـــل)

فصل

(مسلمانان هند اور نظام جماعت)

لیکن همارے لیے اصلي سوال اب یه نهیں رها هے که گورنمنٹ کو کیا کرنا تها ؟ صرف یه هے که همیں کیا کرنا چاهیے ؟

اس بارے میں مسلمانوں کیلیے راہ عمل همیشه سے ایک هی رهي هے ' اور همیشه کي طرح اب بهي ایک هي هے - یعني هندوستاں کے مسلمان اپني جماعتي زندگي کي اُس معصیت سے باز آجائیں جسمیں ایک عرصه سے مبتلا هیں ' اور جسکي وجه سے فوز و فلاح کے تمام دروازے انپر بند هوگئے هیں -

" جماعتي زندگي کي معصیت " سے مقصود یه هے که ان میں ایک " جماعت " بنکر رهنے کا شرعي نظام مفقود هوگیا هے - وہ بالکل اُس گلے کي طرح هیں جسکا انبوہ جنگل کي جهاڑیوں میں منتشر هوکر گم هوگیا هو - وہ بسا اوقات یکجا اکٹھے هوکر اپني جماعتي قوت کي نمایش کرني چاهتے هیں - کمیٹیاں بناتے هیں - کانفرنسیں منعقد کرتے هیں - لیکن یه تمام اجتماعي نمائشیں شریعت کي نظروں میں " بهیڑ " اور " انبوہ " کا حکم رکهتی هیں - " جماعت " کا حکم نهیں رکهتیں - " بهیڑ " اور جماعت " میں فرق هے - پہلي چیز بازاروں میں نظر آجاتي هے جب کوئی تماشه هورها هو - دوسري چیز جمعه کے دن مسجدوں میں دیکهي جا سکتي هے جب هزاروں انسانوں کی منظم و مرتب صفیں ایک مقصد ' ایک جهت ' ایک حالت ' اور ایک هي کے پیچهے مجتمع هوتي هیں -

شریعت نے مسلمـــانوں کیلیے جہاں انفرادي زندگي کے اعمال مقرر کردیے هیں ' وهاں اُنکے لیے ایک اجتمـــاعي نظام بهی قرار دیدیا هے - وہ کهتي هے که زندگي اجتماع کا نام هے - افراد و اشخاص کوئي شے نهیں - جب

کوئي قوم اس نظام کو ترک کردیتي ھے تو گو اسکے افراد فرداً فرداً کتنے ھي شخصي اعمال و طاعات میں سرگرم ھوں ' لیکن یہ سرگرمیاں اس بارے میں کچھہ سود مند نہیں ھوسکتیں ' اور قوم جماعتي معصیت میں مبتلا ھوجاتي ھے -

قرآن و سنة نے بتلایا ھے کہ شخصي زندگي کے معاصي کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کردیتے - اشخاص کی معصیت کا زھر آھستہ آھستہ کام کرتا ھے - لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعني نظام جماعتی کا نہونا) ایسا تخم ھلاکت ھے جو فوراً بربادي کا پھل لاتا ھے اور پوري قوم کي قوم تباہ ھو جاتی ھے -

شخصی اعمال کي اصلاح و درستگي بھي نظام اجتماعی کے قیام پر موقوف ھے - مسلمانان ھند جماعتي زندگی کي معصیت میں مبتلا ھیں - اور جب جماعتي معصیت سب پر چھا گئي ھے تو افراد کی اصلاح کیونکر ھوسکتی ھے ؟

کتاب و سنة نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے ھیں :

تمام لوگ کسي ایک صاحب علم و عمل مسلمان پر جمع ھوجائیں ' اور وہ اُنکا امام ھو -

وہ جو کچھہ تعلیم دے ' ایمان و صداقت کے ساتھہ قبول کریں -

قرآن و سنت کے ماتحت اسکے جو کچھہ احکام ھوں ' اُنکی بلا چون و چرا تعمیل و اطاعت کریں -

سب کی زبانیں گونگی ھوں - صرف اسی کی زبان گویا ھو - سب کے دماغ بیکار ھوجائیں - صرف اُسي کا دماغ کار فرما ھو - لوگوں کے پاس نہ زبان ھو نہ دماغ - صرف دل ھو جو قبول کرے ' صرف ھاتھہ پاؤں ھوں جو عمل کریں !

اگر ایسا نہیں ھے ' تو ایک بھیڑ ھے ' ایک انبوہ ھے ' جانوروں کا ایک جنگل ھے ' کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ھے ' مگر نہ تو " جماعت " ھے نہ " امت " - نہ " قوم " نہ " اجتماع " - اینٹیں ھیں مگر دیوار نہیں - کنکر ھیں مگر پہاڑ نہیں - قطرے ھیں مگر دریا نہیں - کڑیاں ھیں جو ٹکڑے ٹکڑے کردي جاسکتي ھیں ' مگر زنجیر نہیں ھے جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کرلے سکتی ھے -

کسی گذشتہ فصل میں بہ ضمن شرح حدیث حارث اشعری "جماعت" کی حقیقت پر بحث کی گئی ھے - اس موقعہ پر وہ پیش نظر رھے -

یہ وقت فصل کاٹنے کا تھا ' نہ کہ دانہ ڈالنے کا - لیکن مسلمانوں نے اپنی جد و جہد کی تمام گذشتہ زندگی گمگشتگی و بے حاصلی میں ضائع کردی - حتی کہ سچ مچ وہ وقت آگیا جسکی تباھیوں کا تخیل پیدا کرکے کبھی ڈرانے والے ڈرایا کرتے تھے : فقد جاء اشراطها - فانی لهم اذ جاءتهم ذکراهم ؟ (۴۷ : ۲۱) اب بھی اگر کام ھے تو یہی کام ھے اور غم ھونا چاھیے تو اسی کا - سچے کام کے کرنے میں کتنی ھی دیر ھو جاے ' مگر جب کبھی کیا جاے ' سچائی ھے - اسکے لیے نہ تو کوئی وقت ناموافق ھے نہ کوئی جگہ مخالف - اسکے کرنے میں جسقدر دیر کی جائیگی ' معصیت اور ھلاکی ھے - لیکن جب کبھی کردیا جاے ' سچائی اور نیکی ھے ' اور اُسکا ثمرہ زندگی اور کامرانی -

تمھاری سب سے بڑی گمراھی یہ ھے کہ خاص خاص وقتوں میں خاص خاص کاموں کا نام سن پاتے ھو ' اور پھر چیخنے چلانے لگتے ھو ' اور جسطرح اونگھتا ھوا آدمی ایک مرتبہ چونک اُٹھتا ھے ' یکایک اعتقاد اور عمل ' دونوں تمھیں یاد آ جاتے ھیں - حالانکہ نہ تو خاص خاص وقتوں ھی میں تمھاری مصیبت وجود میں آتی ھے - نہ کامیابی کی راہ کسی خاص کام کے پڑ جانے پر موقوف ھے - تمھاری مصیبت دائمی ' تمھارا ماتم ھمیشگی کا ' تمھارا روگ تمھاری ھڈیوں کے اندر سمایا ھوا ' اور تمھاری نحوست چوبیس گھنٹے تمھاری ساتھی ھے - اور ٹھیک اُسی کی طرح تمھاری کامیابی و خوشحالی بھی ھر وقت تمھارے سایے کے ساتھہ ساتھہ دوڑ رھی ھے - اور ھر آن و ھر لمحہ تمھارے وجود کے اندر سمائی ھوئی ھے -

تم وقت پر سامنے آجانے والی چیزوں کے غم میں کیوں گھلے جاتے ھو ؟ اپنا ھمیشہ کا معاملہ ایک مرتبہ درست کیوں نہیں کر لیتے ؟ جبتک دل و جگر کا علاج نہوگا ' روز نئے نئے روگ لگتے رھینگے - خلافت کا مسئلہ کل سے سامنے آیا ھے ' مگر تمھاری بربادی کا مسئلہ کل ھی سے نہیں شروع ھوا - پس تمھارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ھو سکتی - ھمیشہ سے اور ھمیشہ کیلیے صرف یہی ھے کہ " ھندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاھیے ' اور قوم و فرد ' دونوں اعتباروں سے ٹھیک ٹھیک

اسلامی زندگی اختیار کرلینی چاهیے " اس ایک کام کے انجام پانے پر سارے
کام خود بخود انجام پا جائینگے - سوال حکومتوں کے نکل جانے کا نہیں ہے -
ایمان کی گم گشتگی اور محرومی کا ہے :

درازي شب و بيداري من ایں همه نیست
ز بخت من خبر آرید تا کجا خفتست !

اسی مسئلۂ خلافت کو دیکھو ! شرعی اور سیاسی ' دونوں پہلوؤں سے
کسقدر اہم اور نازک معاملہ ہے ؟ اگر آج مسلمانوں میں انکے ائمۂ و مشاہیر
موجود ہوتے' تو اُنمیں سے بھی ہر شخص زبان نہ کھولتا - کسی ایک صاحب
نظر و عمل کے احکام پر سب کار بند ہو جاتے - لیکن اسکے مقابلہ میں آج
تمہارا حال کیا ہو رہا ہے ؟ کمیٹیوں اور تجویزوں کی عادت برسوں سے پڑی
ہوئی ہے - اُسی قینچی سے اس پہاڑ کو بھی کترنا چاہتے ہو - ہر زبان
تجویزیں پیش کر رہی ہے - ہر قلم امام و مجتہد کی طرح احکام نافذ کر رہا
ہے - کوئی کچھہ کہتا ہے - کوئی کچھہ کہتا ہے - کوئی دہنے بلاتا ہے - کوئی
بائیں - کیا اس طوائف الملوکی اور ذہنی انارکی کے ساتھہ جو عالم فکر و نظر
کا ایک پورا پورا غدر ہے ' یہ مہم سر ہوسکتی ہے ؟

شرعی پہلو سے مسئلہ کا یہ حال کہ ایک صاحب نظر و اجتہاد دماغ کی
ضرورت ہے جسکا قلب کتاب و سنۃ کے معارف و غوامض سے معمور ہو -
وہ اصول شرعیہ کو مسلمانان ہند کی موجودہ حالت پر' انکے توطن ہند کی
حدیث العہد نوعیت پر' ایک ایک لمحہ کے اندر متغیر ہوجانے والے
حوادث جنگ و صلح پر' ٹھیک ٹھیک منطبق کرے ' اور پھر تمام مصالح
و مقاصد شرعیۂ و ملیہ کے تحفظ و توازن کے بعد فتوئ شرع صادر کرتا رہے -
نہ ہر عالم اسکا اہل ہے - نہ ہر مدرسہ نشین اس کا اسرار شناس -

سیاسی پہلو سے دیکھا جاے تو جو کام فوجوں اور حکومتوں کی طاقت
سے انجام پا سکتا ہے ' اسکو تم صرف اپنی جماعتی قوت کے استعمال سے
حاصل کرنا چاہتے ہو - پھر کسقدر نامرادی ہے کہ وہ قوت بھی ناپید ؟

بلاشبہ لوگوں میں احساس اور طلب کی کمی نہیں - نہ جوش و سرگرمی کی
کمی ہے' اور یہ بڑی ہی قیمتی چیز ہے - لیکن اگر صحیح راہ عمل اختیار نہ
کی گئی تو یہی بات سب سے زیادہ مضر بھی ہو جاسکتی ہے - جذبات کی
مثال اسٹیم کی سی ہے - بغیر اسٹیم کے کچھہ نہیں ہوسکتا ' لیکن وہ بھی
بغیر مشین اور سائق (ڈرایور) کے کچھہ نہیں کرسکتی - مشین اسکی

طاقت کو ترتیب دیتي اور ڈرایور اس سے کام لیتا ھے - اگر یہ دونوں باتیں نہیں ھیں ' تو اس سے زیادہ کوئي خطرناک اور مہلک چیز بھي نہیں ھوسکتي - کاش وہ نہ ھوتي - وہ ٹرین کو منزل مقصود پر پہنچاتي ھے ' مگر انجنوں کو ٹکرا کر ھزاروں انسانوں کو ھلاک بھي کردیتي ھے !

" جذبات " اُسي وقت کام دے سکتے ھیں ' جب اُنکو مرتب کرنے اور اُنپر حکم و قضاء کیلیے " ادراک " اور " دماغ " بھي موجود ھو - و ذلک من عمل النبوۃ ' و لکن لا یعقلھا الا العالمون -

بہر حال اسوقت ' او ر ھمیشہ سے ' اور ھمیشہ کیلیے ' " راہ عمل " یہي ھے کہ مسلمان سب سے پہلے اسلام کي جماعتي زندگي اختیار کرلیں - اسي پر مسئلۂ خلافت اسلامي کے بھي تمام مہمات و اعمال موقوف ھیں -

تمام مسلمانوں کو اُن ھمدردان ملت کا شکر گزار ھونا چاھیے جنھوں نے آل انڈیا خلافت کمیٹي کي بنیاد ڈالي اور تمام ملک میں اسکي شاخوں کے قیام کا سروسامان کیا - لیکن خلافت کمیٹي کا نظام مسلمانوں کو نظـــام جماعتي و شرعي کے قیام سے مستغني نہیں کردے سکتا - خلافت کمیٹي روپیہ جمع کریگي - ایجي ٹیشن جاری رکھیگي - تبلیغ و اشاعت کریگي - لیکن نہ تو وہ قوم کو سنبھال سکتي ھے ' نہ کمیٹیوں سے " جماعت " پیدا ھوسکتي ھے ' نہ شرعي نظام کي قائم مقامي ھوسکتي ھے - وہ خود احکام شرعیہ کے علم کیلیے ' اپنے قیام و تکمیل کیلیے ' دفع تفرقۂ و انتشار کیلیے ' اور روح اجتماع و قوام کے نفوذ کیلیے ایک بالاتر قوت حاکمۂ و نافذہ کي محتاج ھے - اور اگر وہ قوت نہیں ھے تو پھر اسکي ھستي بھی قائم نہیں رھسکتي -

نظام شرعي یہ نہیں ھے کہ ھر شخص فرداً فرداً سونچتا رھے کہ مسئلۂ خلافت کیلیے کیا کرنا چاھیے ؟ اور اخباروں میں آرٹیکل لکھے جائیں کہ عملي راہ کیا ھوني چاھیے ؟ اور نہ ھر شخص یا چند آدمیوں کي گڑھي ھوئي کمیٹي کو یہ حق ھے کہ لوگوں کو کسي خاص راہ کي طرف دعوت دینا شروع کردے - یہ کام صرف ایک صاحب نظر و اجتہاد کا ھے جسکو قوم نے بالاتفاق تسلیم کرلیا ھو - وہ وقت اور حالت پر اصول و احکام شریعت کو منطبق کریگا - ایک ایک جزئیۂ حوادث و واقعات پر پوری کار دائي و نکتہ شناسی کے ساتھہ نظر ڈالیگا ' اُمت و شرع کے اصولي مصالح و مقاصد اسکے سامنے ھونگے - کسي ایک گوشے ھي میں ایسا مستغرق نہوجائیگا کہ باقي تمام گوشوں سے بے پروا ھوجاے :

حفظت شیئاً و غابت عنك اشیاء !

سب سے بڑھکر یہ کہ اعمال مہمۂ اُمت کی راہ میں منہاج نبوت پر اسکا قدم استوار ہوگا ' اور ان ساری باتوں کے علم و بصیرۃ کے بعد ہر وقت ' ہر تغیر ' ہر حالت ' ہر جماعت کے لیے احکام شرعیہ کا استنباط کرسکے گا -

فصل

زباں ز نکتہ فرو ماند و راز من باقیست !
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست !

عزیزان ملت ! اس طول طویل صحبت میں جو کچھہ بیان کیا گیا ' اُس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو میری زبان پر نئی ہو - یہ تمام وہی افسانۂ کہن ہے جو پچھلے دس سالوں سے برابر دھراتا رہا ہوں ' اور اگر " الہلال " و " البلاغ " کی پیہم صدائیں تمھارے حافظہ میں فراموش نہیں ہوگئی ہیں ' تو تم اُسکی تصدیق کروگے - تمھارے رہبروں اور پیشواؤں کی رائیں اور صدائیں کتنی ہی مضطرب و متزلزل رہی ہوں ' لیکن میری طرف دیکھو ! میں ایک انسان تم میں موجود ہوں جو دس سال سے صرف ایک ہی صداے دعوۃ بلند کر رہا ' اور صرف ایک ہی بات کی جانب تڑپ تڑپ کر بلا رہا اور لوٹ لوٹ کر پکار رہا ہوں - و لکن لا تحبون الناصحین (۷ : ۲۸) افسوس ! کہ تم حقیقی اور سچی بات کہنے والوں کو پسند نہیں کرتے - تم نمائش کے پجاری ' شور و ھنگامہ کے بندے ' اور وقتی جذبات و انفجار ھیجان کی مخلوق ہو - تم میں نہ امتیاز ہے نہ نظر - نہ تم جانتے ہو نہ پہچانتے ہو - تم جس قدر تیز دوڑ کر آتے ہو ' اُتنی ہی تیزی کے ساتھہ فرار بھی کرجاتے ہو - تمھاری اطاعت جس قدر سہل ہے اور تمھاری ارادت جتنی سستی ' اُتنا ہی تمھارا انحراف آسان ہے ' اور اُسی نسبت سے تمھاری مخالفت بھی ارزاں ہے - پس نہ تو تمھاری تحسین کی کوئی قیمت ' نہ تمھاری توھین کا کوئی وزن - نہ تمھارے پاس دماغ ہے نہ دل - وساوس ہیں جنکو تم افکار سمجھتے ہو ' خطرات ہیں جنکو تم عزائم کہتے ہو - خدا را بتلاؤ ! میں تمھارے ساتھہ کیا کروں ؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آج جن باتوں کے لیے تم رو رہے ہو ' یہ وہی باتیں ہیں جو ایک زمانے میں میری زبان سے فریاد کا اضطراب اور طلب

کی چیخ بنکر نکلتی تھیں ؛ مگر تمہارے سینے کے اندر پتھر کا ایک ٹکرہ ہے ؛ اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آجاتی تھیں ؟ اور تم یکقلم انکار و اعراض میں غرق تھے ؟

تم نے ہمیشہ اعراض کیا - تم نے اعـــراض ھی نہیں کیا ؛ بلکـــہ

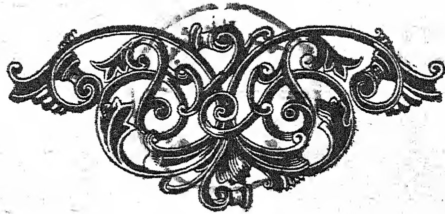
جعلوا اصابعهم فی آذانهم ؛ و استغشوا ثیابهم ؛ و اصروا ؛ و استکبروا استکبارا [۷۱ : ۷] کی ساری سنتیں غفلت و انکار کی تازہ کردیں - میں نے تم میں سے ہر گروہ کو ٹٹولا - میں نے دلوں اور روحوں کا ایک ایک گوشہ چھان مارا - جب کبھی کوئی بھیڑ دیکھی ؛ فریاد کی - جب کبھی انسانوں کو دیکھا اپنی طرف بلایا - لیکن فلم یزدهم دعائی الا فـــرارا (۷۱ : ٦) بہت کم روحیں ایسی نکلیں جنکو حقیقت کا فہم ہو ؛ اور بہت کم دل ایسے ملے جو طلب و عشق سے معمور ہوں - یہانتک کہ میں تمہاری آبادیوں سے الگ ہوکر رانچی کے گوشۂ قید و بند میں چلا گیا ؛ اور خدا ھی بہتر جانتا ہے کہ وہاں بھی میری صبحیں اور میری شامیں کن فکروں اور کاموں میں بسر ہوتی رہیں - اب میں پھر تم میں واپس آ گیا ہوں - لیکن تمہاری بھیڑوں اور غولوں میں سچی جستجو کا چہرہ اُسی طرح مفقود ہے ؛ جیسا کہ ہمیشہ سے مفقود رہا ہے - ابتک حقیقت شناسی کی کوئی گیرائی تم میں نظر نہیں آتی - تم مجھے بلاتے ہو کہ استقبال سے بھرے ہوے ریلوے اسٹیشنوں پر اُتارو ؛ اور ایسے پر جوش انسانوں کے نعرے سناؤ جنکے ہاتھوں میں فتح مند فوجوں کی طرح جھنڈیاں ہوں ؛ اور پھر اتنے انسان میری گاڑی کے چاروں طرف اکٹھے کردو کہ اُنکے ہجوم میں دو چار آدمیوں کا خون ہو جاے ؛ مگر آہ ! میں تمہاری ان بھیڑوں کو لیکر کیا کروں جب تمہارے دلوں میں سناٹا چھایا ہوا ہے ؛ اور تمہارے اس جوش استقبال سے مجھے کیا خوشی ہو جب تمہاری روحیں موت کی افسردگی سے مرجھائی ہوئی ہیں - افسوس ! تم میں کوئی نہیں جو میری زبان سمجھتا ہو - تم میں کوئی نہیں جو میرا شناسا ہو - میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تمہارے اس پورے ملک میں میں ایک بے یار و آشنا غریب الوطن ہوں :

مـــن بہر جمعیتے نالاں شـــدم * جفت خوشحالان و بد حالاں شدم
ہر کسے از ظن خـــود شـــد یار من * وز درون من نہ جست اسرار من
سر من از نالۂ مـــن دور نیست * لیک کس را گوش آن منظور نیست

میری راہوں میں نہ کبھی "تبدیلی" ہوئی ؛ نہ میرے سفر میں کبھی یمین و یسار کا تذبذب پیش آیا ہے - تبدیلیاں فکروں میں ہوسکتی ہیں ؛

قیاسوں میں هوسکتي هیں ' پولیٹکل حکمت عملیوں میں هوسکتی هیں ' انسانی تقلید اُسکا سرچشمه هے ' اور انسانوں اور قوموں کا اتباع اسکا منبع ' لیکن اُن عقائد میں کبھی تبدیلی نہیں هوسکتی جو وحی و تنزیل کی اٹل اور دائمی هدایتوں سے ماخوذ هوں - الحمد لله که میں جو کچھه کہتا اور کرتا رہا ' وہ میرے عقائد و معلومات تھے ' تمہارے بڑوں کی طرح آراء و مظنونات نه تھے - و ان الظن لا یغنی من الحق شیئا (۵۳ : ۲۸) اُسوقت تم میں سے اکثروں نے اعراض کیا ' بہتوں نے استہزاء کیا ' کتنوں هي نے کہدیا که یه تو ایک طرح کي مذهبی بشارت اور ما فوق الفطرۃ دعووں کا اعلان هے : یرید ان یتفضل علینا - بعضوں نے تو فیصله هي کردیا که یه صرف فصاحت و بلاغت کي ساحري اور ایک طرح کي ادیبانه افسونگري هے : اکتتبها فهي تملی علیه بکرۃ و اصیلا (۲۵ : ۷) لیکن دیکھو ! بالاخر رفته رفته سب نے اپني جگھیں چھوڑ دیں - سب اُسي راہ پر چل پڑے - بہتوں نے دانسته ' اور بہتوں نے نادانسته ' مگر راہ سب نے وهي اختیار کی - آج تم سب اُسي " ما فوق الفطرۃ دعووں " اور " ساحرانه فصاحت طرازیوں " کو اپنا اصل الاصول بنائے هوے هو ' اور " قیام شریعت " اور " تقدیم و اتباع شریعت " اور " حفظ و دفاع ملت " کے ناموں سے موسوم کرتے هو -

پس جبکه یه پہلا تجربۂ و مشاهدہ تمہارے سامنے هے ' تو آج میں اعلان کرتا هوں که دوسرے تجربه کا وقت آگیا - راہ عمل کیلیے تمہارا رخ وہ هے جسکي طرف تم دوڑ رهے هو - اور میري راہ وہ هے جسکي طرف پچھلے صفحوں میں بلا چکا هوں - تم بارش کے وجود سے انکار تو نہیں کرتے ' مگر منتظر رهتے هو که پانی برسنے لگ جاے تو اقرار کریں ' لیکن میں هواؤں میں پانی کي بو سونگھه لینے کا عادي هوں ' اور صرف بادلوں هي کو دیکھه لینا میرے علم کیلیے کافي هوتا هے - پس اگر پچھلا تجربه بس کرتا هے تو اس سے عبرت پکڑو ' اور اگر ابھی اور انتظار کرنا چاهتے هو تو انتظار کر دیکھو : فستذکرون ما اقول لکم ' و افوض امري الی الله - ان الله بصیر بالعباد (۴۰ : ۴۷)





ضميمه

جدول سنين خلافت اسلاميه



عدد	خلفاء		سنه هجري	سنه مسيحي
١	ابوبكر الصديق	(رض)	١١	٦٣٢
٢	عمر بن الخطاب	(رض)	١٣	٦٣٤
٣	عثمان بن عفان	(رض)	٢٣	٦٤٤
٤	علي بن ابي طالب	(رض)	٣٥	٦٥٢
	سلسلهٔ بنو اميه			
٥	معاويه بن ابي سفيان		٤١	٦٦١
٦	يزيد بن معاويه		٦٠	٦٨٠
٧	معاويه بن يزيد		٦٤	٦٨٣
٨	مروان بن الحكم		٦٤	٦٨٣
٩	عبد الملك بن مروان		٦٥	٦٨٤
١٠	الوليد بن عبد الملك		٨٦	٧٠٥
١١	سليمان بن عبد الملك		٩٦	٧١٤
١٢	عمر بن عبد العزيز		٩٩	٧١٧
١٣	يزيد بن عبد الملك		١٠١	٧١٩
١٤	هشام بن عبد الملك		١٠٥	٧٢٣
١٥	الوليد بن يزيد بن عبد الملك		١٢٥	٧٤٢
١٦	يزيد بن الوليد		١٢٦	٧٤٣
١٧	ابراهيم بن الوليد		١٢٦	٧٤٣
١٨	مروان بن محمد بن مروان		١٢٧	٧٤٤
	سلسلهٔ عباسيه			
١٩	ابو العباس سفاح		١٣٢	٧٤٩
٢٠	ابو جعفر منصور		١٣٧	٧٥٤

٢١	المهدي بن منصور	١٥٨	٧٧٤
٢٢	الهادي بن المهدي	١٦٩	٧٨٥
٢٣	هارون الرشيد بن المهدي	١٧٠	٧٨٦
٢٤	محمد الامين بن هارون	١٩٣	٨٠٨
٢٥	المامون بن هارون	١٩٨	٨١٣
٢٦	المعتصم بن هارون	٢١٨	٨٣٣
٢٧	الواثق بن المعتصم	٢٢٧	٨٤٢
٢٨	المتوكل علي الله بن المعتصم	٢٣٢	٨٤٧
٢٩	المستنصر بالله بن المتوكل	٢٤٧	٨٦١
٣٠	المستعين بالله بن المعتصم	٢٤٨	٨٦٢
٣١	المعتز بالله بن المتوكل	٢٥٢	٨٦٦
٣٢	المهتدي بالله بن الواثق	٢٥٥	٨٦٩
٣٣	المعتمد بالله بن المتوكل	٦٥٢	٨٧٠
٣٤	المعتضد بالله بن الموفق	٢٧٩	٨٩٢
٣٥	المقتدر بالله بن الموفق	٢٩٥	٩٠٨
٣٦	الراضي بالله بن المقتدر	٣٢٢	٩٣٣
٣٧	المقتفى بالله بن المقتدر	٣٢٩	٩٤٠
٣٨	المستكفى بالله بن المقتفى	٣٣٣	٩٤٤
٣٩	المطيع بالله بن المقتدر	٣٤٣	٩٤٦
٤٠	الطائع لله بن المطيع	٣٦٣	٩٧٤
٤١	القادر بالله بن المقتدر	٣٨١	٩٩١
٤٢	القائم بامر الله بن القادر	٤٢٢	١٠٣١
٤٣	المقتدي بالله بن القائم	٤٦٧	١٠٧٥
٤٤	المستظهر بالله بن المقتدي	٤٨٧	١٠٩٤
٤٥	المسترشد بالله بن المستظهر	٥١٢	١١١٨
٤٦	الراشد بن المسترشد	٥٥٩	١١٣٦
٤٧	المقتفي بن المستظهر	٥٣٠	١١٣٦
٤٨	المستنجد بالله بن المقتفي	٥٥٥	١١٦٠
٤٩	المستضئى بنور الله بن المستنجد	٥٦٦	١١٨٠
٥٠	الناصر لدين الله بن المستضئى	٥٧٥	١١٨٠

٥١	الظاهر بالله بن الناصر	٢٦٢	١٢٢٥
٥٢	المستنصر بالله بن الظاهر	٦٢٣	١٢٢٣
٥٣	المستعصم بالله بن المستنصر	٦٤٠	١٢٤٣

عباسيۀ مصر

٥٤	المستنصر بالله	٦٥٦	١٢٥٨
٥٥	الحاكم بامر الله	٦٦١	١٢٦٢
٥٦	المستكفي با لله	٧٠١	١٣٠١
٥٧	الواثق با لله	٧٤٠	١٣٣٩
٥٨	الحاكم بامر الله	٧٤٢	١٣٤١
٥٩	المعتضد با لله	٧٥٣	١٣٥٢
٦٠	المتوكل على الله	٧٦٣	١٣٦١
٦١	الواثق بالله	٧٨٥	١٣٨٣
٦٢	المستعين با لله	٨٠٨	١٤٠١
٦٣	المعتضد با لله	٨١٥	١٤١٢
٦٤	المستكفي با لله	٨٤٠	١٤٤١
٦٥	القائم بامر الله	٨٥٤	١٤٥٠
٦٦	المستنجد با لله	٨٥٩	١٤٥٤
٦٧	المتوكل على الله	٨٨٤	١٤٧٩
٦٨	المستمسک با لله	٩٠٣	١٤٩٧
٦٩	المتوكل على الله	٩١٢	١٥٠٦

سلسلۀ عثمانيه

٧٠	سليم خان اول	٩٢٣	١٥١٧
٧١	سليمان اول	٩٢٦	١٥٢٠
٧٢	سليم ثاني	٩٧٤	١٥٦٦
٧٣	مراد ثالث	٩٥٢	١٥٧٤
٧٤	محمد ثالث	١٠٠٤	١٥٩٦
٧٥	احمد اول	١٠١٢	١٦٠٤
٧٦	مصطفى اول	١٠٢٧	١٦١٨
٧٧	عثمان ثاني	١٠٢٧	١٦١٨

۷۸	مراد رابع	۱۰۳۲	۱۶۲۳
۷۹	ابراهیم اول	۱۰۴۹	۱۶۴۰
۸۰	محمد رابع	۱۰۵۳	۱۶۷۴
۸۱	سلیمان ثانی	۱۰۹۹	۱۶۸۷
۸۲	احمد ثانی	۱۱۰۲	۱۶۹۱
۸۳	مصطفی ثانی	۱۱۰۶	۱۶۹۵
۸۴	احمد ثالث	۱۱۱۵	۱۷۰۳
۸۵	محمود اول	۱۱۴۲	۱۷۳۰
۸۶	عثمان ثالث	۱۱۶۸	۱۷۵۴
۸۷	مصطفی ثالث	۱۱۷۱	۱۷۵۷
۸۸	عبد المجید اول	۱۱۸۷	۱۷۷۳
۸۹	سلیم ثالث	۱۲۰۳	۱۷۸۹
۹۰	مصطفی رابع	۱۲۲۲	۱۸۰۷
۹۱	محمود ثانی	۱۲۲۳	۱۸۰۸
۹۲	عبد المجید	۱۲۵۵	۱۸۳۹
۹۳	عبد العزیز	۱۲۷۷	۱۸۶۱
۹۴	مراد خامس	۱۲۹۳	۱۸۷۶
۹۵	عبد الحمید ثانی	۱۲۹۳	۱۸۷۶
۹۶	محمد خامس	۱۳۲۴	۱۹۰۸
۹۷	امیر المومنین السلطان محمد خان سادس - خلدالله ملکه و شوکته	۱۳۳۶	۱۹۱۸







مـــواعیـــد و عهـــود

اس کتاب میں گورنمنٹ انگلستان و هند کے جن وعدوں اور سرکاري اعلانات کي طرف جا بجا اشارہ کیا گیا هے ' اُن میں سے بعض حسب ذیل هیں :

(۱) گورنمنٹ آف انڈیا کا اعلان جو ترکي کے شامل جنگ هونے کے بعد ۲ - نومبر سنه ۱۹۱۴ع کو شائع هوا :

برطانیه عظمی اور ترکي میں جنگ چهڑ گئي هے - برطانیه کو اسکا سخت افسوس هے که یه برے مشورے سے اور بلا کسي اشتعال کے اور خوب سونچ سمجهه کر دولت عثمانیه کي طرف سے عمل میں آئی هے - لهذا هزیکسلنسي وایسراے هند هزمجسٹی کي گورنمنٹ کے حکم کے مطابق عرب کے مقامات مقدسه کے بارے میں جن میں عراق کے متبرک مقامات اور بندرگاہ جدہ بهي شامل هے' مندرجه ذیل اعلان کرتے هیں تا که هزمجسٹي کي نهایت وفادار مسلم رعایا کو غلط فهمي پیدا نهو - اس جنگ میں مذهبي جنگ کا کوئي سوال هی نهیں هے -

ان مقامات مقدسه اور بنـدر گاہ جدہ پر برطانی بري و بحري طاقتوں سے کبهي حمله نه هوگا' نه ان کو ستایا جائیگا جب تک که حجاج و زائرین هند سے جو ان مقامات مقدسه میں جائیں ' کوئي چهیڑ نه کي جاے - هز مجسٹی کي گورنمنٹ کی استدعا پر گورنمنٹ فرانس و روس نے بهي اسي طرح کا یقین دلایا هے -

(٢) ٥ - جنوري سنه ١٩١٨ - کو مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے اپني مشہور تقریر میں کہا :

" هم اسلیے جنگ نہیں کر رهے هیں که ترکی کو اس کے دار الخلافة سے محروم کردیں - یا ایشیاے کوچک اور تھریس کے زرخیز و شہرۂ آفاق علاقے لے لیں جن میں ترکي النسل آبادي کا جزء غالب هے -

هم اس بات کے بھی مخالف نہیں که جن علاقوں میں ترکي نژاد آبادي هے ' وهاں ترکوں کی سلطنت قایم رهے ' یا قسطنطنیه اس کا پایه حکومت هو - البته بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے درمیانی راسته کو بین الاقوامی ضبط و نگراني میں لانے کے بعد هماری راے میں عرب ' آرمینیا ' عراق ' شام ' اور فلسطین اپنی اپنی جداگانه قومي حکومتوں کے مستحق هیں "

وزیر اعظم نے یه جو کچهه کہا تها ؟ کیا محض انکی ذاتی راے تهي جسکی ذمه داری صرف اُنپر عائد هوتي هے ' یا برطانیه کا سرکاری اعلان تها ؟ اور اگر سرکاري اعلان تها تو صرف وزارت اور اُسکي گورنمنت کا تها ' یا تمام برٹش قوم اور امپائر کا ؟ اسکا جواب اُس تمہید سے ملتا هے جو اس تقریر کے ابتدا میں موجود هے :

" اس تمام بحث و گفتگو کے بعد جو قلمرو کے مختلف الخیال اور مختلف الراے طبقوں کے نمایندوں کے ساتهه هوئي هے ' میں خوشی سے اس بات کا اظہار کرتا هوں که آج میں جو کلمات کہونگا ' اُنکے لیے گو تنہا حکومت هي ذمه دار هوگی ' مگر همارے جنگی مقاصد ' شرائط صلح کي نوعیت ' اور اُسکي غرض و غایت کے متعلق میرے جو بیانات آپ سے اور آپکي معــــرفت تمام دنیا سے هونگے ' اُنسے تمام قوم متحد و متفق هے - میں دلیري کے ساتهه اس بات کا دعوی کرسکتا هوں که میں صرف گورنمنٹ کے ما في الضمیر هی کي نہیں بلکه تمام قوم اور تمام قلمرو کي بحیثیت مجموعی ترجماني کر رها هوں "

پھر ۲۶ - فروري سنه ۱۹۲۰ کو هارس اف کا منز میں تقریر کرتے هوے اسي اعلان کي نسبت وزیر اعظم کهتے هیں :

" همارا وہ اعلان بہت وسیع المعني تها ' اور بہت کچھہ سونچ سمجھکر کیا گیا تها - تمام جماعتوں کي مرضي کے مطابق تها - مزدوروں کي جماعت بهي اُس سے متفق تهي "

(۳) پریسیڈنٹ امریکه مسٹر ولسن نے ۸ - جنوری سنه ۱۹۱۸ - کو چودہ شرطوں کا اعلان کیا تها جو به اتفاق فریقین صلح کیلیے بنیادي شرطیں قرار پائي تهیں - اُن میں بارهویں شرط یه تهي :

" موجودہ سلطنت عثماني میں ترکي کا جو حصه هے ' اُسکو یقین دلایا جائیگا که اس کي وہ سلطنت محفوظ رهیگي - لیکن دوسری اقوام جو سلطنت ترکي کے زیر حکومت هیں' اُنکو بهي اسکا اطمینان دلادیا جاے که اُنکي جان و مال محفوظ هے ' اور اُنکي ترقي میں کوئي رکاوٹ نه هوگي "

ایفـــاء عهـــد

یه وعدے جس طرح پورے کیے گئے ' اُنکي مختصر تفصیل یه هے :

(۱) گورنمنٹ هند نے عراق پر حمله کیا جس کا بڑا حصه جزیرۂ عرب کے مقدس حدود میں داخل هے -

(۲) ۲۹ - نومبر سنه ۱۹۱۴ - کو بصـــرہ پر قبضه کیا گیا جو عراق کي بندرگاہ اور زیارت گاہ هے -

(۳) - ۲۲ - نومبر سنه ۱۹۱۵ - کو عراق کی مشهور زیارت گاہ سلمان پاک پر حمله کیا گیا جهاں حضرت سلمان فارسي (رض) کا مزار هے -

(۴) مارچ سنه ۱۹۱۷ - کو بغداد پر قبضه کیا گیا جو عراق کي مشهور زیارت گاہ هے -

(۵) ۹ - دسمبر سنه ۱۹۱۷ - کو بیت المقدس میں برطاني فوجیں داخل هوئیں اور انگریزي قبضه کا اعلان کیا گیا ' جو اسلام کي مقدس زیارت گاہ اور تین مقدس مقامات میں سے ایک هے -

(۶) ۵ - جون سنه ۱۹۱۶ - کو خاص سر زمین حجاز میں سازش کي گئي اور شریف مکه سے بغاوت کرائي گئي - اس بغاوت کي وجه سے اس محترم دارالامن میں کشت و خون کا بازار گرم هوا اور حدود حرم میں گوله باري هوئي -

(۷) حسب تصریح نامه نگار لندن ٹائمس بندرگاہ جدہ پر گوله باری کي گئی -

(۸) میجر راس کے هوائي جهاز نے عین مدینهٔ طیبه کي فضا میں چکر لگاے (جیسا که ڈاکٹر ھاگرتھه نے فروري سنه ۱۹۲۰ - کو ٹاون هال اکسفورڈ کي تقریر میں بیان کیا)

(۹) کوفه ' کربلاے معلی ' نجف اشرف پر قبضه کیا گیا جو عراق کي مشهور زیارت گاهیں هیں -

(۱۰) ترکي کو تھریس کے کل علاقه سے مع ایڈریا نوپل کے محروم کردیا گیا جہاں مسلمانوں کي سب سے زیادہ آبادي هے -

(۱۱) صلح نامه ترکی کي دفعـــه ۳۶ کے مطابق ترکي سے اس کے دار السلطنت کي خود مختـــارانه فرمان روائي بهي سلب کرلي گئي اور اس پر طرح طرح کي پابندیاں عائد کردي هیں -

(۱۲) سمرنا جو ایشیاء کوچک کا مشهور زر خیز مقام هے ' ترکي سے علحده کردیا گیا - وهاں کي مسلمان آبادي پر یونانیوں نے اس قدر ظلم و ستم کیے که بے شمار جانیں هلاک و تباہ هوگئیں اور هو رهی هیں -

(۱۳) صلح نامه کي شرائط نے بقیه ایشیاء کوچک کے مالي اور هر طرح کے فوجي اختیارات کي خود مختاري سے بهی ترکي کو محروم کردیا هے - وہ ایک محدود تعداد سے زیاده فوج نہیں رکهه سکتي - چند چهوٹے جنگي جہازوں کے علاوہ کوئی بحري قوت حاصل نہیں کرسکتي - اپني عیسائي رعایا پر اسے کوئي اختیار نہیں رها - اس کي حیثیت بالکل ایک ماتحت ریاست کی سی هوگئي هے جو براے نام پادشاهت سے ملقب کردي گئي هو -

(۱۴) صلح نامه کي دفعه ۳۹ - کے بموجب سلطان المعظم کے وہ تمام دیني واسلامي اختیارات سلب کر لیے گیے هیں جو بحیثیت خلیفة المسلمین انهیں حاصل تهے ' اور جن کے الگ کردینے کے بعد خـــلافت کا وجود هي باقي نهیں رهتا - اس دفعه کا منشاء یه هے که :

" حکومت ترکي اپنے اُن تمام اختیارات سے
جو حکم برداري کے یا دوسري طرح کے مسلمانوں پر
رکھتي هے ' بالکل دست بردار هوتی هے "

" ترکي بلا واسطه یا بالواسطه کسي طرح کے اختیارات
اُن ممالک پرنه رکھیگي جو ترکی سے علحده هوگئے هیں "

حالانکه شرعاً منصب خلافت کے معني هني یه هیں که تمام دنیا کے مسلمانوں اور تمام دنیا کي اسلامی حکومتوں پر اسکو ایک بالا تر اختیار حاصل هو ' اور وه تمام اسلامي دنیا میں ایک مرکزی اسلامي اقتدار کي حیثیت رکھے - لیکن اس دفعه نے ترکي کو ان تمام اختیارات خلافت سے محروم کردیا ' اور اسلامي خلافت اپنے کامل معنوں میں پاره پاره هوگئی -

(۱۵) شام کو ترکي سے الگ کرکے آزادي نهیں دی گئي بلکه فرانس کي حکم برداری و بالادستي ماننے پر مجبور کیا گیا - شام کي تمام آبادی انسانیت و صداقت عهد کے نام پر فریاد کرتي رهي اور فرانس کي فوجوں نے اُس پر جبراً قبضه کرلیا -

(۱۶) عراق کی آبادي کو خود مختاری و آزادی نهیں دی گئی بلکه برطانیه نے اُسکی حکم برداری کا دعوی کیا اور اسپر اپنا قبضه قائم رکھا - وهاں کی آبادی ایفاے عهد کا مطالبه کرتے کرتے مایوس هوگئی اور اب بزور شمشیر اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اُٹھه کھڑی هوئی هے - اب اُنکو "باغی" کہا جارها هے - حالانکه اگر برطانیه کے اعلانات سچے تھے ' اور اسکی فوجیں " رعایا " بنانے کے لیے نهیں بلکه آزاد کرانے کیلیے گئی تھیں ' تو وه " باغی " کیونکر هوسکتے هیں ؟ بغاوت کا اطلاق رعایا کی شورش پر هوتا هے - نه که کسی آزاد جماعت کی شمشیر زنی پر-

(۱۷) یه تمام نتائج صلح نامه ترکی کے هیں - لیکن قبل اسکے که ترکی اپنی مرضی اور آزادی کے ساتھه صلح کرے ' برٹش فوجوں نے دار الخلافت قسطنطنیه پر قبضه کرلیا ' اور خلیفة المسلمین کی حیثیت بالکل ایک نظربند قیدي کی سی هوگئی - اس قبضه کی وجه سے اسلام کے دار الخلافت میں جو درد انگیز واقعات و حوادث پیش آے ' اور عثمانی خلافت عظمی کی متصل پانچ صدیوں میں پهلی مرتبه جو توهین هوئی ' اُسکی تفصیل کا یه موقعه نهیں - یه وه سلوک هے جو نه تو جرمنی کے ساتھه کیا گیا ' نه آسٹریا کے ساتھه ' اور نه کسی دوسرے فریق جنگ کے ساتھه -

اعتذار

براہ عنایت پہلے ان اغلاط کی تصحیح کرلیں ، پھر مطالعہ فرمائیں -

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۴	وغیرہ ذلک	وغیر ذالک
۵	۱۳	خلفہ	خلیفہ
۱۱	۱۰	الامرء	الامر
۱۸	۲۲	فکر و نظر	فکر و نظرسے
۱۹	۳	هر دور	هر دور
۲۵	۹	پس جو شخص	جو شخص
۳۳	۱۹	قوتوں کے	قوتوں کو
۳۶	۱۵	سمجھتے	سمجھتے هو
۳۸	۲۴	Selectian	Selection
۷۱	۱۰	عدارت	عداوت
۷۲	۲۸	گئے	گئے تھے
۸۲	۲۵	تریۃ	توبہ
۱۲۳	۱۲	Couflict	Conflict
"	"	Religiuon	Religion
"	۱۳	Seince	Science
"	۲۰	Dalambert	Dalembert
۱۵۰	۲۵	کی کو جرأت	کي جرأت
۱۰۸	۷	روایت	رأیت
۱۵۶	۳	میں میں	میں
۱۶۲	۱۰	چلي	چلپي
۱۶۳	۲	جو حصول	کہ حصول
"	۶	فراموش	یکقلم فراموش
"	۸	ارر	اور
"	۹	نہیں رہا	نہ رہا
"	۱۹	بکفی	یکفی

۱۹۵	۱	ہے ہوتا	ہوتا ہے
۱۶۹	۱	ہو ؟	ہوں
۱۷۰	۳	دریا	دریا
۱۸۱	۲۵	Wustenfeld	Westenfeild
۱۸۸	۲۸	کے لئے	کیلیے
۱۹۹	۱۵	سطانا	سلطانا
۲۰۰	۸	معھم	معه

(۱) صفحہ ۳۲ - سطر ۲۷ میں " هجرة " کے معني " الهجر و الهجران مفارقة الانسان غيرة " الخ نقل کیے ہیں - یہ عبارت مفردات راغب اصفهاني کی ہے -

(۲) صفحہ ۶۸ میں ہے " فصل : من حمل علينا السلاح فليس منا " در اصل یہ فصل نہیں بلکہ ایک مستقل باب ہے - صحیح یوں ہے " باب : حکم حمل سلاح علي المسلم " پھر اسکے بعد اس باب کي پہلی فصل ہے " من حمل علينا " الخ -

(۳) صفحہ ۸۶ میں فصل ہے " واقعہ امام حسین علیہ السلام " اسکو باب حمل سلاح سے پہلے پڑھنا چاہیے - غلطي سے اسکے بعد درج ہوگئی -

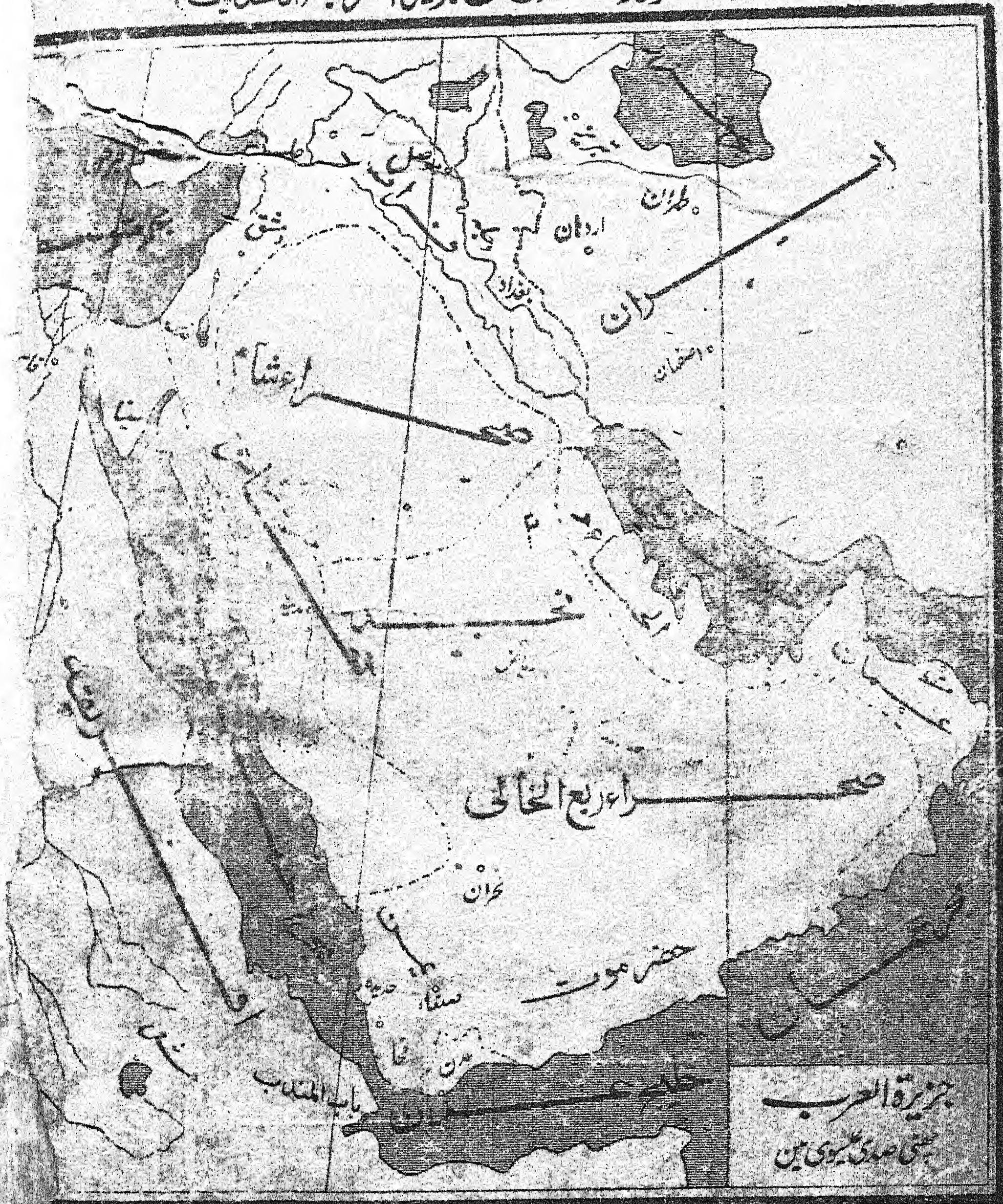
(۴) صفحہ ۲۱ سطر ۴ - میں حدیث ہے " اذا اصلحت ' صلحت كلها ' و اذا فسدت ' فسدت كلها " لیکن امام بخاري کے الفاظ یہ ہیں " اذا صلحت ' صلحت الجسد كلہ ' و اذا فسدت ' فسدت الجسد كلہ - الا ' وهي القلب ! "

(۵) صفحہ ۲۱۵ سلسلہ عباسیہ کے جدول سنین میں نمبر ۳۳ کا سنہ ہجری ۶۵۴ کے بجاے ۶۵۶ - نمبر ۴۶ کا سنہ ہجري ۵۵۵ کے بجاے ۵۲۹ اور سنہ مسیحي ۱۱۳۶ کے بجاے ۱۱۳۵ - اور نمبر ۴۹ میں سنہ مسیحي ۱۱۸۰ کے بجاے ۱۱۷۰ پڑھیے -

Printed and published by F. D. Ahmed Mirza
at the "Albalagh" printing & publishing House
45, Ripon Lane, Calcutta.

(2nd Edition, October 1920)

اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب (الحدیث)



البلاغ پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ ہاؤس - نمبر ۴۵ ربن لین -